جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلّق اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت

مولانا مفتی الشّاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو تحقیقی رسائل کا مجموعہ

بنام

مسجد میں اذان خلافِ سُنّت ہے

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر عربی/اردو

منبر کے سامنے ندا کے ادب میں عنبر کی مہک

اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ

جمعہ کے دن کی اذان کے بارے کامل رہنمائی

مع

اذانٌ من اللہ لقیامِ سنتِ نبیِ اللہ

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا حامد رضا خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ

التحقیق الحسان فی احکام الاذان

حضرت مولانا عرفان علی رضوی بیسلپوری رحمۃ اللہ علیہ

تائیدِ ربّانی برمسئلہ اذانِ ثانی

میثم عباس قادری رضوی

مرتب

میثم عباس قادری رضوی

کتب خانہ امام احمد رضا

جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق اعلیٰ حضرت امام اہل سنت
مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو تحقیقی رسائل کا مجموعہ

بنام

مسجد میں اذان خلافِ سنّت ہے

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر (عربی/اردو)
منبر کے سامنے ندا کے بارے میں منبر کی مہک

اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ
جمعہ کے دن کی اذان کے بارے کامل رہنمائی

مع

اذانٌ من اللّٰہ لقیامِ سنّتِ نبی اللّٰہ
حامد رضا خان قادری برکاتی

التحقیق الحسان فی احکام الاذان
حضرت مولانا عرفان علی رضوی بیسلپوری

تائیدِ ربانی بر مسئلہ اذان ثانی
میثم عباس قادری رضوی

مرتب
میثم عباس قادری رضوی

کتب خانہ امام احمد رضا
داتا دربار مارکیٹ لاہور
0313-8222336
0321-4716086

نام کتاب	مسجد میں اذان خلافِ سنت
تصنیف	مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی
مرتب	میثم عباس قادری رضوی
صفحات	584
قیمت	500 روپے

ملنے کا پتہ

جامع مسجد خوشبوئے مصطفیٰ سنی قیادت، قاضی حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ

مکتبہ مجاہد بھیرہ شریف	048-6691763
مکتبہ الفرقان گوجرانوالہ	0333-4264487
مکتبہ قادریہ گوجرانوالہ	055-4237699
اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی	051-5536111
معراج کتب خانہ ملتان	0323-7210125
مکتبہ چشتیہ خانقاہ ڈوگراں	0308-4551988
مکتبہ حسان کراچی	0331-2476512
مکتبہ برکات المدینہ کراچی	0321-3531922
مکتبہ رضویہ کراچی	021-32216464
مکتبہ کنز الایمان کراچی	0315-8269125
مکتبہ غوثیہ عطاریہ اوکاڑہ	0321-7083119
مکتبہ عطاریہ گوجرہ	0331-6553526
مکتبہ فیضان عطار حیدرآباد	0311-3682626

ہدیۂ تبریک

جمعہ کی اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سُنّت، مجددِ دین وملت، مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃُ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کی علمی وتحقیقی کتاب ''شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر'' عرصۂ دراز تک غیر مطبوعہ تھی۔ ہندوستان میں بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی رحمۃُ اللّٰہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تصحیح فرمائی اور اردو ترجمہ بھی کیا۔ اس کتاب کو پہلی بار ۱۴۲۱ ہجری/ ۲۰۰۰ عیسوی میں ہندوستان سے عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ ''رضا اکیڈمی، بمبئی'' نے شائع کیا۔ پاکستان میں اسی طباعت کا عکس ۲۰۰۲ عیسوی میں ''نوری کتب خانہ، لاہور، پاکستان'' سے شائع ہوا۔ لیکن اس اشاعت میں عربی شامل نہیں کی گئی، اب وہ نسخہ بھی نایاب ہے۔ الحمدُللّٰہ، پہلی بار اس کتاب کا عربی متن (مع اردو ترجمہ) پاکستان سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ کتاب جناب مولانا محمد عبدالاحد قادری صاحب کے ذخیرۂ کتب میں موجود تھی، ان کی پُر اخلاص تحریک پر ہی اس کتاب کو عربی متن کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ پہلے ''شمائم العنبر'' کو ہی شائع کرنے کا ارادہ تھا، لیکن راقم کی تجویز پر مسئلہ اذانِ ثانی کے متعلق اعلیٰ حضرت کی لکھی گئی مزید دو کتب ''أَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ لِقِيَامِ سُنَّةِ نَبِيِّ اللّٰهِ''، ''أَوفى اللمعة فِي أَذانِ يَوْمِ الْجُمْعَة'' اور (راقم کی) کتاب ''تائیدِ ربّانی بر مسئلہ اذانِ ثانی'' کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ ابھی معلوم ہوا ہے کہ مولوی خلیل انبیٹھوی دیوبندی (دیوخانی) کی مسئلہ اذانِ ثانی پر لکھی گئی کتاب ''تنشیط الاذان'' کراچی سے دیوبندیوں (دیوخانیوں) نے شائع کر دی ہے (راقم کے پاس اس کا قدیم ایڈیشن بھی موجود ہے)۔ اس کتاب کا جواب خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا عرفان علی بیسلپوری رحمۃُ اللّٰہ تعالیٰ علیہ نے بنام ''التَّحْقِيْقُ الْحَسَانُ فِيْ اَحْكَام الاذان'' لکھا تھا اور راقم کے پاس موجود تھا۔ اس جواب کو بھی اس مجموعہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ مبارکباد کے مستحق ہیں جناب محترم شیخ سردار اویسی صاحب (مدیر اویسی بک اسٹال، گوجرانوالہ) اور جناب محترم عبدالشکور صاحب (مدیر کتب خانہ امام احمد رضا، لاہور) جو اس مجموعہ کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اللہ کریم ان کی اس کاوش کو قبول فرما کر ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ اور دینِ متین کی مزید خدمت کرنے کی توفیق دیے رکھے۔

میثم عباس قادری رضوی، لاہور

۳ جنوری ۲۰۱۷ء/۴ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

باسمہٖ وحمدہٖ تعالٰی وتقدس

قد طبع ببرکۃ شیخنا أبی البرکات المفتي الأعظم العلامۃ مصطفٰی رضا ابن الامام أحمد رضا رحمہما اللہ تعالٰی

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

للإمام العلّامۃ أحمد رضا القادری البریلوی قدس اللہ سرہٗ

۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶م ــــــ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱م

تحقیق وترجمہ

بحر العلوم العلامۃ المفتی عبد المنان الاعظمی

طبع علٰی نفقۃ:

رضا اکادیمي ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ، ممبائی ۳ الہند

فہرست شمائم العنبر

مضمون	صفحہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء مبارکپور ضلع اعظم گڈھ سے پہلی بار فتاویٰ رضویہ حصہ سوم شائع ہوئی، اس کے ناشر و مہتمم حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بلیاوی نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ علیہ الرحمۃ نے عرض ناشر کے عنوان سے جو ابتدائیہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں انھوں نے یہ بتایا تھا کہ اس جلد میں شامل دس رسالے دستیاب نہ ہوسکے انھیں رسائل میں **شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر** بھی تھا۔

راقم الحروف غالباً ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶ء میں بریلی حاضر ہوا تو حضرت مولانا توصیف رضا خاں صاحب نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے چند رسائل تصحیح و تبییض کی غرض سے دیئے انھیں رسائل میں شمائم العنبر کا ایک ناقص اور بوسیدہ نسخہ بھی تھا۔ اعلیٰ حضرت کی اس تحریر کا ذکر میں بہت سے لوگوں سے سن چکا تھا۔ اس لئے سب سے پہلے اسی پر کام شروع ہوا۔ اور تبییض کے لئے اس کو مولانا سبحان اللہ صاحب علیہ الرحمہ کو دیا۔ انھوں نے جنوری ۱۹۹۱ء میں مبیضہ واپس کیا۔ تو اپنی طاقت و وسعت کے مطابق تصحیح و ترجمہ کرکے میں نے گذشتہ عرس رضوی کے موقع پر مسودہ، مبیضہ اور ترجمہ سب کچھ حضرت مولانا توصیف رضا خاں صاحب کی خدمت میں پیش کردیا۔ مولانا نے نہایت سرعت کے ساتھ اس کی کتابت بھی معتدبہ حصہ تک کرائی اور تصحیح کے لئے اسے ہمارے عزیز مولانا محمد حنیف صاحب بریلوی رضوی مصباحی کو دیا۔

مولانا الحاج عبدالستار صاحب ہمدانی کی مہربانی سے ان کے پاس مکمل رسالہ کی زیروکس کاپی موجود تھی۔ انھوں نے مکمل رسالہ میرے پاس بھیج دیا کہ بقیہ دو مقالوں کا ترجمہ بھی کر دیا جائے۔ اس طرح اب امید ہو گئی ہے کہ جلد ہی یہ گنج شائیگاں مکمل ہدیۂ ناظرین ہو گا۔

رسالہ کا موضوع ۔ اذان خطبہ کا موقع اور محل ہے ۔ اس کی تاریخ یہ رہی ہے کہ عہد رسالت وعہد شیخین بلکہ عہد جملہ خلفائے راشدین اور اس کے بہت بعد تک بھی یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی رہی ۔ اور فقہ وفتاوی کی متعدد کتابوں میں تصریح ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے ۔ ان عبارتوں میں نہ تو کسی اذان کا استثنار ہے نہ تخصیص۔

لیکن زمانہ مابعد میں نہ معلوم کب سے اس کے خلاف رواج پڑ گیا ۔ خطبہ کی اذان خاص مسجد میں منبر کے متصل ہونے لگی، اور پنج وقتہ اذانوں کا رواج بھی عام طور سے مسجد کے اندر ہی ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا استفتا رہوا ۔ آپ نے اپنی تحقیق کے موافق جواب دیا "یہ اذان مسجد کے اندر مکروہ اور سنت کے خلاف ہے" بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی علمائے دیوبند نے اعلیٰ حضرت کا خلاف کیا ۔ علمائے اہلسنت میں بھی کئی لوگوں نے آپ کی مخالفت کی لیکن خاص مورچہ بدایوں شریف کے علمائے اہلسنت کی طرف سے قائم ہوا ۔ جو اکثر مسائل فرعیہ میں بھی اہل بریلی کے موید اور ان کے موافق تھے ۔ طرفین سے بہت ساری تحریروں کا تبادلہ ہوا ۔ اہل بریلی کی طرف سے اس رسالہ کے علاوہ سات رسائل کی تو اعلیٰ حضرت نے نشان دہی کی ہے ، اور سمت مخالف میں تو مختلف فرقوں اور مختلف علاقوں کا متحدہ محاذ تھا ۔ جتنی تحریریں بھی شائع ہوئی ہوں کم ہیں ۔

اس کے بعد بعض اہل بدایوں نے امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا کہ مولانا کی فلاں فلاں تحریروں سے ہماری ہتک عزت ہوتی ہے۔

لہذا انھیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ سمن جاری ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی عادت کے موافق کچہری کی حاضری سے انکار کیا۔ پھر وارنٹ بھی ایشو ہوا۔ اور ڈر ہوا کہ زبردستی بذریعہ پولیس آپ کو کچہری میں حاضر کرایا جائے۔ تو مسلمانان اہلسنت بریلی نے محلہ سوداگران جانے والے تمام راستوں کا گھراؤ کیا۔ کہ پولیس کسی طرح آپ تک پہونچ نہ سکے۔ پھر آپ کو حاضری کی چھوٹ مل گئی۔ اور مقدمہ کا فیصلہ بھی آپ کے موافق ہوا۔ جس میں حاکم نے آپ کو باعزت بری کیا۔

اس قضیہ میں جزوی طور پر سادات مارہرہ بھی اعلیٰ حضرت کی حمایت میں رہے۔ ان کی مشکل یہ تھی کہ علماء بدایوں ان کے بزرگوں کے مرید تھے۔ اور خود یہ حضرات علمائے بدایوں کے شاگرد تھے۔ مسئلہ شرعی میں ان کی رائے امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ضرور تھی۔ لیکن ان قدیم علاقوں کی وجہ سے علمائے بدایوں سے مسئلہ اذان میں اختلاف کے باوجود یہ حضرت نہایت معتدل اور محتاط رہے۔ اور اس قضیے میں ان حضرات کی حیثیت ایک غیر جانبدار گواہ کی ہے۔

ذیل میں ہم سند نشین مارہرہ حضور ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن الملقب بہ شاہ جی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب گرامی کا حوالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جس سے اس مسئلہ میں طرفین کے کردار پر تاریخی حیثیت سے بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ اور مسئلہ کی شرعی حیثیت پر بھی ایک بے لاگ نقطہ نظر سامنے آتا ہے۔

مکتوب ۱۹ بنام نواب سید سردار علی صاحب بہادر حیدرآباد دکن مرسلہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ مندرجہ اہلسنت کی آواز ص۵۴ تا ص۶۰ جلد ۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء

اس مفاوضہ عالیہ سے چند باتیں صاف ظاہر ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ۔ اذان خطبہ بیرون مسجد، کے خلاف بریلی کا نپور کے وہابیوں اور اہل رامپور کی تحریریں شائع ہو چکی تھیں۔ اہل بدایوں اس قضیہ میں اس وقت شریک

ہوئے۔ جب اس مسئلہ پر ان کی گفتگو سادات مارہرہ سے ہوئی۔

(۲) اہل بدایوں نے صاحب سجادہ حضور شاہجی میاں صاحب کی کوشش کے باوجود اعلیٰ حضرت سے اس مسئلہ پر بالمشافہ گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ (جو عرس نوری کے موقع سے مارہرہ آئے تھے) البتہ بدایوں واپس ہوکر اہل مارہرہ کے حوالہ سے ایک فتویٰ اذان اندرونِ مسجد کی حمایت میں جاری کیا۔

(۳) اولادِ رسول حضرت محمد میاں صاحب قادری علیہ رحمۃ الباری نے مفتی صاحب کو ایک خط کے ذریعہ اسی وقت مطلع کردیا تھا۔ کہ فتویٰ کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(۴) اس فتویٰ کا جواب مارہرہ شریف سے شائع ہوا نہ بریلی شریف سے۔ اس کے بعد اہل بدایوں نے دو مزید اشتہار اور رد شائع کئے۔ تب اہل بریلی کی طرف سے اسکا جواب شائع ہوا۔ (اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اہل بدایوں و بریلی میں جو معاہدہ ایک دوسرے کے رد نہ کرنے کا ہوا تھا۔ اس کو پہلے کس فریق نے توڑا۔)

(۵) حضرات سادات مارہرہ کی رائے میں اس قضیہ میں حق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی طرف ہے۔

زیرِ نظر رسالہ اس تمام بحث کا گویا نچوڑ ہے۔ جو اس موضوع پر برسوں چلتی رہی۔

پہلے آپ نے اپنے دعویٰ کے مندرجہ ذیل دلائل پیش فرمائے۔

(۱) صحیح حدیث میں ہے کہ۔ عہد رسالت و ما بعد میں اذان خطبہ منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی تھی، اس روایت کا دارو مدار صاحب مغازی محمد بن اسحاق پر ہے۔ مخالفین نے ان کی تنقید کی کہ یہ قابلِ بھروسہ راوی نہیں ہیں۔ ان پر تشیع کا الزام ہے۔ اور ان پر مرجۂ ہونیکی تہمت بھی ہے۔ اور یہ مدلس بھی ہیں۔ اسلئے یہ روایت قابلِ سند نہیں۔

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس رسالہ کے مقالۂ اولیٰ میں بیس اعلام ائمہ حدیث سے محمد بن اسحاق کی تائید و توثیق نقل کی۔ ان کا ثقہ، ثبت اور حجۃ ہونا پایہ تحقیق کو پہنچایا۔ اور ان پر لگائے گئے الزاموں کی بے حقیقتی ظاہر کی ارجاء اور تشیع کی حقیقت واضح کی ہے۔ اور خاص باب تدلیس میں ایسی تحقیق فرمائی کہ اس باب میں علم اصول حدیث کا مزعومہ منظر نامہ ہی بدل گیا۔

اس کے بعد مخالفین نے اس حدیث شریف کو اپنے ظاہر سے پھیرنے کے لئے جو رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا پردہ فاش فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ تاویلیں نہیں ہیں طفل تسلیاں ہیں۔ گویا ؎

بہلا رہے ہیں اپنی طبیعت خزاں نصیب
دامن پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

دوسرے شمار فقہ میں آپ نے بیس ائمہ فقہ و اصحاب فتاویٰ کے اقوال پیش کئے ہیں۔ جن میں تصریح ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

ان عبارتوں پر مخالفین نے حد درجہ مضحکہ خیز اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ باب الاذان میں تو تحریر ہے باب جمعہ میں نہیں۔ یہ عبارتیں عام ہیں خاص اذان خطیب کے بارے میں کوئی نص نہیں۔ یہ روایتیں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی نہیں۔ کسی نے زچ ہو کر کہا ہے کہ اذان خطبہ دراصل اعلان ہے یہ اذان نہیں۔ تو حکم اذان میں داخل نہیں۔ کچھ نے کہا کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے۔ تو وہ کیوں مسجد کے اندر ہوتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت جب ان کج بحثیوں کی گتھیاں کھولتے ہیں تو ہنسی آتی ہے کہ یہ مخالفین علم و دانش سے کس درجہ تہی دامن ہیں۔

پھر آپ نے قرآن و حدیث اور اقوال فقہ کی روشنی میں مسجد کے تین اطلاقات کا ذکر کیا ہے

اور مختلف نصوص کے ظاہری تضاد کو دور فرمایا ہے۔

کچھ لوگوں نے اس کا سہارا لیا تھا کہ فقہ کی بعض کتابوں میں اس مسئلہ کو لفظ لا ینبغی سے بیان کیا ہے تو یہ زیادہ سے زیادہ ایک غیر مناسب بات ہوئی تو اس کے خلاف یہ واویلا کیوں؟

اعلیٰ حضرت نے ینبغی کے معنی اور اس کے اطلاقات کی شہادتیں پیش کرنا شروع کیا ہے تو عالم یہ ہے۔

ع وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

تیسرے مقالہ قرآنیہ میں آیات کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ اندرون مسجد اذان دربارِ الٰہی کی بے حرمتی ہے۔ اور مسجد میں آواز بلند کرنا ممنوع اور اس کو زمانہ کے عرف و دستور سے مؤید اور مضبوط فرمایا ہے۔

یوں تو پوری کتاب ہی آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ لیکن اس کا چوتھا شمامہ جس میں مخالفین کے دلائل پر تنقید فرمائی ہے۔ علم و عرفان کا لہریں لیتا ہوا سمندر ہے۔

ایسے نکات جس پر تمام مخالفین متحد ہیں ان کی تعداد آپ نے پانچ بتائی ہے۔

(۱) اذان خطبہ کے سلسلہ میں بین یدیہ کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی سامنے اور متصل منبر ہے۔

(۲) بعض عبارتوں میں عند کا لفظ ہے۔ یہ تو بالکل پاس کیلئے ہی آتا ہے۔

(۳) کچھ عبارتوں میں اذان علی منبر کا لفظ آیا ہے۔ یہ اپنے معنی حقیقی کے لحاظ سے خاص منبر پر اذان ہونے کا مقتضی ہے جو یہاں ناممکن ہے۔ لامحالہ قریب منبر مراد ہے۔

(۴) اذان کے منبر کے پاس مسجد کے اندر ہونے پر دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

(۵) اور یہی رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متوارث ہے۔

آپ نے پہلے بین یدیہ کے لغوی معنی کی تحقیق فرمائی ہے۔ پھر قرآن عظیم کے ۳۸ مقامات سے لفظ بین یدیہ کے محل استعمال اور معنی کی تفصیل فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ لفظ بین یدیہ کے

معنی صرف حاضر اور مشاہد کے ہیں۔ اور مختلف محل استعمال کے اعتبار سے قرب و بعد کے مختلف مراتب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

مسئلہ دائرہ میں بحکم شرع اذان جب بیرون مسجد ہونا چاہئے تو بین یدیہ کے وہی معنی مراد لینے ہوں گے جو اس حکم شرع سے متصادم نہ ہو۔

لفظ عند کے لئے بھی لغوی۔ نحوی۔ عرفی سارے ہی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا معنی تو بین یدیہ سے بھی عام ہے۔ تو اس سے مؤذن کے متصل منبر کھڑے ہونے کا ثبوت کیسے ہوگا۔ اور یہی حال لفظ علی کا ہے۔ تو اس موقف پر لفظ بین یدیہ عند اور علی سب بے دست دپا ہیں۔

مخالفین کے دعوی اجماع پر بڑی دلچسپ گرفت فرمائی ہے۔ امام مالک اور ان کے بہت سے متبعین کے نزدیک اندرون مسجد اذان خطبہ مکروہ و بدعت ہے۔ اور ائمہ احناف کے اقوال ہم بیان کرآئے ہیں۔ تو کون سا اجماع ہے جو ان ائمہ کرام کے اختلاف کے باوجود متحقق ہوگیا؟ ؎

گر یہی بے خبری حضرت والا ہو گی :: تار و پود پدری سب تہ و بالا ہو گی

ادعائے توارث کے جواب میں آپ نے توارث کی مختلف قسمیں ان کے معانی اور احکام کی تحقیق فرمائی اور یہ ظاہر فرمایا کہ مسئلہ ماتحن فیہ میں تو توارث کی جڑ ہی منقطع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کے خلاف عملدرآمد تھا۔ پھر اس کو توارث سے کیا تعلق؟ یہ تحقیق اس لائق ہے کہ علاحدہ سے یاد رکھی جائے دوسرے بہت سے مسائل شرعیہ کے حل میں اس سے مدد ملے گی۔ شاید غالب نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار :: خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مخالفین نے اعلیٰ حضرت کے ان قاہر دلائل سے زچ ہوکر ایک جذباتی بات کہی۔

. اگر اذان اندرون مسجد خلاف شرع ہے۔ تو یہ اذان لامعلوم صدیوں سے عالم اسلام میں اندرون مسجد رائج ہے۔ اس طویل عرصہ میں ہزاروں ائمہ دین، علمائے ربانیین بزرگان اسلام، واولیائے کرام ہوگذرے۔ کسی نے اسے منع نہیں کیا۔ تو کیا انھیں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا؟ آپ ہی سب سے بڑے عالم ہیں۔ یا سب نے حق پوشی اور مداہنت فی الدین اختیار فرمائی۔ اور آپ ہی سب سے بڑے حق گو اور دیندار ہیں؟

اس جذباتی بات کا سیدھا جواب تو یہی تھا کہ منصوص مسائل کے خلاف کسی کے کلام یا خموشی سے سند نہیں پکڑی جا سکتی سند تو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے ہے۔

لیکن آپ نے اس کے بجائے نہایت شیریں اور سنجیدہ تحقیقی جواب دیا۔ جس نے بھڑکتے جذبات پر تسکین کا مرہم رکھ دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

اذان بیرون مسجد کا یہ کوئی تنہا مسئلہ نہیں ہے۔ تاریخ اسلام میں بار بار ایسے مواقع آئے ہیں کہ لوگوں نے احکام اسلام کو پس پشت ڈالدیا۔ اور مدتیں بیت گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کسی بندۂ خدا کو توفیق بخشی جس نے اس دینی مسئلہ کے احیاء کی کوشش کی۔ اس درمیان بہت سے علماء آئے جن سے کسی جدوجہد کا تاریخی ثبوت نہیں۔ ایسی صورت میں جدوجہد کرنے والے علماء ومشائخ تو اجر وثواب اور مدح وتحسین کے مستحق ہیں۔ لیکن خموش رہنے والے علمائے دین پر بھی کوئی الزام نہیں ان کا عذر بھی معقول ہے۔

(۱) اہل حق غلط امور پر نکیر کرتے ہیں۔ لیکن ان نوایجاد امور کی اشاعت کیلئے حکومت اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتی ہے۔

(۲) سرکش نفوس ان کے رواج دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

(۳) علماء دین یہ خیال کرتے ہیں کہ لوگ اتباع نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو

تیار نہیں۔ ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا کر چکے۔ اب ہم خموشی بھی رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی متوارث ہے۔

آپ نے تاریخ اور شواہد سب کی مثالیں پیش کی ہیں پھر بڑے مزے میں مخالفین کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔ اس واقعی توجیہ میں ہمارا کوئی فائدہ تھوڑا ہی ہے، ہم نے اسے اس لئے بیان کیا ہے کہ اس میں آپ کے بھی بہت سے علماء و مشائخ اور اساتذہ کے سر سے امر بالمعروف نہ کرنے کا الزام دفع ہوتا ہے اگر آپ کو یہ توجیہ پسند نہیں تو آپ ہی کچھ کرکے دکھائیے۔ جذبات بھڑکانے سے کام نہیں چلے گا۔

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے ۔۔ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

متفرق دلائل میں مندرجہ ذیل سات باتیں مخالفین نے ذکر کی ہیں۔

(۱) اثر جو یبر جس میں تصریح ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان مسجد سے باہر دلائی۔ اور فرمایا یہ اذان ہم نے اس لئے ایجاد کی ہے کہ دور کے مصلیوں کو اطلاع ہو جائے اور اذان خطبہ کے لئے سامنے دینے کا حکم فرمایا اور کہا کہ یہ اذان عہد رسالت میں اسی طرح ہوتی تھی۔

اس اثر سے یہ استدلال کیا کہ خارج مسجد کے مقابلہ میں لفظ سامنے سے بطور مفہوم مخالف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اذان داخل مسجد تھی اور زمانہ رسالت میں اس کا یہی دستور تھا۔

(۲) طلق ابن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اور ان کے ساتھی حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جھوٹے کا تبرک لے کر اپنے علاقہ میں آئے گرجا گھر کو ڈھایا۔ اور اس زمین پر وہ مبارک پانی چھڑکا اور اسے مسجد بنایا۔ اور اس میں اذان دی۔

(۳) حدیث عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہ وہ اذان کا خواب دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے اذان کا طریقہ خواب میں دیکھا

آپ نے حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ مسجد کی طرف جاؤ۔ یہاں مسجد کی طرف کا معنی مخالفین نے مسجد کے اندر قرار دیا۔

(۴) ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا۔ آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر حج کا اعلان کیا۔ روایت ہے کہ وہ پتھر اس وقت حرم کے اندر مطاف میں تھا،

(۵) آیتِ قرآنی ہے " وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللہ ان یذکر فیھا اسمہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ مسجد کے اندر ذکر الہٰی سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے۔ اور اذان بلاشبہ ذکر الہٰی ہے۔ تو اسے مسجد میں روکنا کیوں ظلم نہ ہوگا۔

(۶) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غلط فہمی سے استدلال۔

(۷) علامہ قہستانی نے شرح نقایہ میں فرمایا۔

۔ دوبارہ اذان خطیب کے سامنے دیجائیگی۔ یعنی منبر یا امام کے دائیں بائیں دونوں متوازی جہتوں کے درمیان امام سے قریب، تو موذن زاویہ قائمہ، زاویہ حادہ اور زاویہ منفرجہ جس میں کھڑا ہوگا سبھی صورتوں میں امام کے بین یدیہ ہوگا۔ اور یہ زاویے ان دونوں جہتوں سے نکلے ہوئے خطوط سے پیدا ہوں گے۔

اس عبارت پر پانچ مخالفین نے طبع آزمائی کی ہے۔

(الف) ایک شخص نے کہا قہستانی کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ موذن اور خطیب کے درمیان من کل الوجوہ محاذات ضروری نہیں

(ب) دوسرے نے قہستانی کے لفظ قریبامنہ سے سند پکڑی۔ اور موذن کے بالکل متصل منبر ہونے پر استدلال کیا۔

(ج) تیسرے نے جو ایک طالب علم ہے۔ موذن کے قریب منبر ہونے پر ہی استدلال کیا۔ اور ساتھ ہی ایک اقرار کیا کہ قہستانی کی عبارت میں لفظ قریبامنہ سے پہلے ای عندالمنبر کا لفظ بھی ہے۔

(د) بقیہ دو نے اپنی ریاضی دانی کا ثبوت دیتے ہوئے قہستانی کے کلام کی یہ تقریر کی
۔ مثلث کا وتر منبر کا عرض ہوگا۔ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر کا عرض دو ہاتھ تھا
اب اگر اس کے دونوں کناروں سے اتنے ہی بڑے دو خطوط نکال کر ایک مثلث
متساوی الاضلاع بنے تو اس مثلث کے تینوں زاویے حادہ ہوں گے۔ اور وتر اور
زاویۂ راس کے درمیان دو ہاتھ سے کم کا فاصلہ ہوگا۔

اور اگر انھیں دو کناروں سے دو خط زاویہ حادہ سے نیچے ایسی جگہ ملا دیں کہ نقطہ اتصال
پر نوے ڈگری کا زاویہ پیدا ہو، تو یہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اور اس کے "وتر" کے درمیان سابق
الذکر سے بھی کم فاصلہ ہوگا اور زاویہ منفرجہ کی صورت میں دونوں کناروں سے پیدا ہونیوالے
خطوں کا نقطہ اتصال زاویہ قائمہ سے بھی نیچے ہوگا۔ اور زاویہ اور وتر کا فاصلہ
اور بھی کم ہوجائے گا۔

اور بقول قہستانی موذن کے کھڑے ہونیکی جگہ انھیں تینوں زاویوں کے اندر ہے۔ تو
لامحالہ موذن کا قیام منبر کے ملاصق ہوگا۔ کہ وتر اور زاویہ کا فاصلہ دو ہاتھ سے بھی کم ہے۔
اور انسانی قدم سوا بالشت کا ہوتا ہے۔

ہاں زاویہ حادہ کو مسجد کے دروازہ تک بھی لے جایا جاسکتا ہے۔ لیکن اتنی دوری
پر اس زاویہ کی چوڑان اتنی کم ہوجائے گی کہ اس کے بیچ ایک پتلی لکڑی بھی نہ سما سکے۔ تو
اس میں موذن کے دونوں قدم کیسے سما سکینگے؟ اس لئے امکانی صورت وہی ہے جو
ہم نے اوپر تحریر کی۔ اور اس صورت میں موذن کا ملاصق منبر ہونا ضروری ہے۔

(۱) اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے اثر جو پیر پر آٹھ رخ سے کلام کیا اور مخالفین کے
استدلال کو تحت الثریٰ میں پہونچا دیا۔

• اس اثر کا لفظ۔ سامنے۔ بطور مفہوم مخالف ہی سہی، متصل منبر کے معنی میں متعین نہیں، کیونکہ

مسجد کے تین اطلاق ہیں جیساکہ گذشتہ اوراق میں بیان ہوا۔ اور اذان اول بالاتفاق تینوں اطلاقات سے باہر دلائی گئی۔ تو اس کے اعتبار سے سامنے کا مطلب دوسرا اور تیسرا اطلاق بھی ہوسکتا ہے۔ جس کے ہم خود مدعی ہیں۔

- یہ اثر حدیث ابن اسحاق کے مقابلہ میں پرکاہ کے بھی برابر نہیں۔ حدیث ابن اسحاق صحیح ہے۔ اور یہ اثر منقطع۔ گویا فر من المطر وقام تحت المیزاب والی صورت ہے کہ حدیث صحیح سے فرار اختیار کیا۔ اور اثر منقطع کو تسلیم کر لیا۔
- ان بھلے مانسوں نے فتح الباری سے یہ اثر نقل کیا۔ اور صاحب فتح نے اس پر جو جرحیں کی تھیں۔ ان سے صاف آنکھیں بچا گئے۔
- یہ اثر مشہور روایات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ اذان اول کی ابتدا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی اور یہ امر مسلّم ہے کہ اس کی ایجاد وابتدار کا سہرا حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے سر جاتا ہے۔ وغیرہ

(۲) حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ یہ اور اس قسم کی دوسری حدیثوں کا جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں خود ائمہ فقہ و حدیث نے یہ جواب دیا ہے کہ ایسی حدیثوں میں فی المسجد کا مطلب فی حدود المسجد ہے۔ لکراھۃ الاذان فی المسجد (فتح القدیر وانتقانی) یہ ان صاحبان کی کیسی دیدہ دلیری ہے کہ مسئلہ اذان میں احناف کا مسلک معلوم جن حدیثوں سے مسجد کے اندر اذان ہونے کا شبہ ہو ائمہ کی طرف سے اس کا جواب معلوم اور خود حنفی ہونے کے مدعی پھر بھی خلاف مذہب پر اصرار بھی ہے۔

(۳) یہی حال حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس کے الفاظ تو یہ ہیں اخرج مع بلال الی المسجد بلال کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ اور ان مستدلین نے اس کو مسجد میں جاؤ بنالیا۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا أخرج اور یہ کہتے ہیں

اُدخل آپ نے فرمایا الی المسجد، اوران کی رائے ہے کہ فی المسجد۔ ایسے ہی حضرات کے لئے فرمایا گیا یحرفون الکلم عن مواضعہ۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر اعلان حج کرنے اور اس مقدس پتھر کے اس وقت مسجد حرام میں ہونے کے سلسلہ میں آپ نے ایک طویل بحث فرمائی ہے جسے پڑھ کر مخالفین پر ترس آتا ہے کہ جب ان کو تفصیل معلوم نہ تھی تو زبان کھولنا کیا ضروری تھا۔

(۵) یونہی اذان کے ذکرالٰہی ہونے اور مسجد میں اس کے روکنے کی بحث بھی بہت دلچسپ ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ مخالفین نے اپنی کم فہمی سے ذکراور رفع ذکر میں فرق نہیں سمجھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کی تفصیل سے یہ معلوم ہوا یہ تجاہل عارفانہ ہے۔

(۶) اب حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی غلط فہمی کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے اکثر ماننے والوں کے نزدیک مسجد کے اندر خطیب کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے۔ اور دیگر اذانوں کی طرح اس کو بھی منارہ پر دینا مسنون ہے۔ ان کے نزدیک روایتوں سے ایسا ہی ثابت ہے۔

مگر محققین مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک بھی اذان خطبہ خطیب کے سامنے ہی مسنون ہے۔ اپنے جمہور کے خلاف انھوں نے اسی حدیث ابن اسحاق سے استدلال کیا۔ مگر نام بخاری کا لیا۔ کیونکہ یہی روایت بخاری میں ہے۔ لیکن اس میں بین یدیہ کا لفظ نہیں ہے۔ اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور مالکیہ کی تائید اور محققین مالکیہ کی رد میں یہ کہا کہ بخاری جس کا نام ان حضرات نے بین یدیہ کی تائید میں لیا۔ اس میں تو بین یدیہ کا لفظ ہی نہیں۔

اور انھوں نے یہ سمجھا کہ حدیث ابن اسحاق میں آئے ہوئے لفظ علیٰ باب المسجد سے جانب شمال کا کوئی دروازہ مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ شمالی دروازہ جو منبر کے سامنے تھا حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے ڈیڑھ سو سال پہلے بند ہوگیا تھا۔ اس لئے لامحالہ یہ دروازہ شرقی

یا مغربی دیوار میں رہا ہوگا ۔ ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد اور لفظ بین یدیہ میں تعارض ہوا ادھر حنفی ہونے کے ناطے ان کا مذہب بھی یہی تھا کہ اذان خطیب کے محاذاۃ میں ہونی چاہیئے۔ اس لئے علی باب المسجد اور بین یدیہ کے درمیان تطبیق کے لئے فرضی احتمالات قائم کئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

ممکن ہے عہد رسالت میں مسجد کے دروازہ پر اذان کے بجائے کوئی اعلان ہوتا رہا ہو۔ اور وہی اعلان اذان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اصل ہو ۔ اور اذان خطبہ ہمیشہ خطیب کے سامنے دی جاتی رہی ہو ۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اذان اول کے بارے میں تو روایتوں میں ہے کہ اس کی ایجاد حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے کی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے ہونے کا کیا مطلب ؟ تو اس کے دفعیہ کیلئے آپ نے ایک اور احتمال کا سہارا لیا ۔ ممکن ہے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری عہد میں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ اعلان بند ہوگیا ہو ۔ پھر حضرت عمر یا حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اذان کی صورت میں جاری فرمایا ہو۔ اور اسی کو ایجاد سے تعبیر کیا ہو ۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احتمالات کے لئے نہ کوئی تاریخی شہادت فراہم کی نہ احادیث سے ثبوت دیا بلکہ یہ احتمالات جس تعارض کو رفع کرنے کے لئے بیان کیا تھا ۔ خود وہ بھی تو سراسر غلط فہمی کی پیداوار تھا ۔ کیونکہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس ایک اذان خطبہ کے لئے ہی باب المسجد اور بین یدیہ دونوں لفظ بول رہے ہیں ۔ تو اس کو اعلان اور اذان دو الگ محمل پر حمل کرنے کا کیا جواز ؟ مگر ڈوبنے والے ہمیشہ تنکے کا سہارا لیتے آئے ہیں ۔ کچھ یہی حال ان اذانی حضرات کا تھا ۔ ایک صاحب فرماتے ہیں ۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ تصریح فرماتے ہیں کہ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور منبر کے پاس خطبہ کی اذان ہوتی تھی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اور علامہ قہستانی کی عبارت سے غیر ریاضی داں حضرات کا استدلال از قسم بین یدیہ وعلے المنبر۔ عند المنبر اور قریبامنہ تھا۔ جس کا جواب گذشتہ اوراق میں بھرپور ہو چکا ہے۔ البتہ ریاضی داں حضرات کی نکتہ آفرینیوں پر آپ نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس کے لیے پانچ مقدمات ترتیب دیئے ہیں۔ جس میں دو مقدمات لغوی اور فقہی مباحث میں ہیں۔ اور تین مقدمات میں ریاضی کے اصول سے بحث کی ہے۔

پہلے مقدمہ میں آپ نے عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ بین یدیہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع خطیب ہے۔ اگر کسی عبارت میں منبر کی تصریح بھی ہے تو وہاں مجازی اطلاق ہے۔ مراد اس سے بھی خطیب ہی ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں پس آپ نے جو منبر کی چوڑان کو مثلث متساوی الاضلاع کے وتر کی لمبان قرار دیا تھا اس میں آپ کو ترمیم کرنی پڑے گی۔ اور وہ بجائے دو ہاتھ کے خطیب کے دونوں مونڈھوں کے بیچ کی چوڑان ہوگی جو کموبیش ایک ہاتھ مانی جاتی ہے۔ اور اس پر جو مثلث زاویہ قائمہ والا یا زاویہ منفرجہ والا بنایا جائے گا۔ اس کے وتر اور زاویہ کے درمیان کی لمبان ایک بالشت اور اس سے بھی کم ہوگی۔ اور انسان کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے۔ پس آپ کے مفروضہ کی بنیاد پر کہ یہ مثلث منبر سے متصل ہی بنائے جائیں۔ اور موذن اس کے اندر کھڑا ہو تو زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ کی صورت میں موذن اس کے اندر کیسے کھڑا ہوگا۔ جب اس کے اندر پاؤں رکھنے بھر جگہ ہی نہیں۔ حالانکہ علامہ قہستانی کے قول کے بموجب تینوں زاویوں میں کھڑے ہوکر اذان دی جائیگی۔ اور اسی کو انھوں نے اذان بین یدیہ خطیب مانا ہے۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان تینوں مثلثوں کے مقام حدوث میں بھی۔ اور یہ جو آپنے ان تینوں زاویوں کو ایک ہی خط وسطی مستقیم پر تلے اوپر فرض کیا ہے۔ اس میں بھی آپنے قہستانی کے بیان مراد میں غلطی کی ہے۔

علامہ قہستانی نے دراصل یہاں موذن اور خطیب کا درمیانی فاصلہ بتانے کے لئے تینوں زاویوں کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ وہ موذن کے خطیب کے استقبال کرنے کی حد بتانا چاہتے ہیں۔ فاصلہ کی حد تو حدیث و فقہ سے متعین ہو چکی ہے کہ خارج مسجد ہے، اور علامہ قہستانی بھی لفظ قریبًا منہ سے اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ یہاں تو علامہ قہستانی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ موذن کا خطیب کی ناک کے بالکل سیدھ میں خط وسط پر زاویہ قائمہ پر کھڑا ہونا ضروری نہیں اس کے دائیں بائیں جہاں زاویہ حادہ یا منفرجہ پیدا ہوں وہاں بھی کھڑے ہوں تو خطیب کے محاذی ہوں گے، جس طرح استقبال قبلہ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ مکہ سے باہر والے ٹھیک سمت قبلہ سے ۴۵ ـ ۴۵ درجہ کے اندر دائیں بائیں مُڑکر کھڑے ہوں تب بھی وہ قبلہ کا ہی استقبال کرنیوالے مانے جائیں گے۔ اوران کی اس طرح پڑھی ہوئی نماز قبلہ کے رخ پر مانی جائے گی۔ آپ نے اوقلیدس کی عملی مثالوں سے اپنے بیان کی وضاحت کی ہے۔ اور دعوی کو مقام اثبات تک پہونچایا ہے۔ اور مخالفین پر حجت تمام کر دی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جو شخص انصاف و دیانت اور غیر جانبداری کے ساتھ آپ کے بیان کا بغور مطالعہ کرے گا۔ تو اسے محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد صاحب اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کہنا پڑے گا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد مائۃ حاضرہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان و قلم کو حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی۔ اور حضرت علامہ بحر العلوم ملا عبد العلی فرنگی محلی علیہما الرحمۃ والرضوان کی طرح اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ اور انھیں خطاء سے محفوظ کر دیا تھا۔ (المیزان بمبئی امام احمد رضا نمبر ۲۲)

یہاں تک پہونچکر اعلیٰ حضرت نے دعائے خاتمہ اور درود وسلام کے بعد آخری دستخط بھی فرما دیئے تھے۔

قاله بفمه ورقمه بقلمه احد كلاب باب القادری عبدہ احمد رضا محمدی حنفی السنی البریلوی عفرلہ ــــــــ اپنے منہ سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا سگ بارگاہ قادریت اور اسکے

ایک غلام احمد رضا محمدی حنفی سنی بریلوی نے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے ۔ آمین

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مندرجات پر مخالفین کو بھی اطلاع ہوئی تو ان حضرات نے پناہ کیلئے ایک نیا حیلہ تراشا ۔ اور ایک تحریر شائع کی کہ ۔ اہل بریلی نے قرب اور بین یدیہ کی تحقیق میں جو کچھ تحریر کیا ہے ۔ اس کا تعلق یا تو علم قرآن اور تفسیر سے ہے ۔ یا علم حدیث اور اسکی شروح سے ہے ۔ یا علم فقہ اور علم اصول سے ہے ۔ یا علم لغت و متعلقات سے ہے ۔ لیکن مسئلہ اذان میں ہم جو معنی مراد لے رہے ہیں اس کا تعلق مذکورہ بالا کسی علم سے نہیں ، یہ معنی تو عوام کے عرف میں مراد لئے جاتے ہیں ۔

پس ان علوم کے مسلمات سے ہمارے مدعا کے خلاف استدلال کیسے صحیح ہوگا ۔ منزل پر پہونچنے کے بعد فوراً سفر کس درجہ شاق گذرتا ہے مگر اعلیٰ حضرت کا اشہب قلم کیسا رخس راہوار ہے کہ اس کیلئے تنگی و ملال شکستگی و کلال کا کوئی سوال ہی نہیں ۔ فوراً ہی آپ نے آٹھ دس فلس کیپ سائز صفحات کا ایک ضمیمہ بائیسویں نفحے کے نام سے کتاب کے آخر میں شامل کر دیا ۔

ہماری زبان میں جس کا ابتدائیہ یوں ہے کہ پناہ کیلئے آپ نے لومڑی کا سوراخ ضرور تلاش کر لیا ۔ لیکن انسان کی سمائی بھلا کہیں لومڑی کے بل میں ہوئی ہے ۔ اس تحریر نے تو خود آپ کی بنیاد ہی ڈھادی ۔ کیونکہ آپ کا یہ عرفِ خانہ زاد عوام جب کسی علم کے دائرے میں آتا ہی نہیں تو

(الف) آپ اس کو ثابت کیسے کریں گے ؟

(ب) پھر آپ نے اس کے ثبوت کیلئے مفردات راغب، کشاف، اور مدارک کا حوالہ کیسے دیا ؟

(ج) یہ الفاظ احادیث و ائمہ فقہ کے کلام میں وارد ہیں ۔ تو جو معنی ان کے عرف میں ہیں انھیں مراد نہ لے کر عوام کے خود ساختہ عرف کو ان کے سر تھوپنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

اسی طرح کی سات آٹھ گرفتیں فرمائیں۔ پھر نہایت تفصیل سے قرب کے معنی کی تحقیق، اس کے اقسام کا بیان۔ محل استعمال سے معنی کی تعیین کی آٹھ دس مثالیں اس خوش اسلوبی اور حسن بیان کے ساتھ آپ نے تحریر فرمائی ہیں۔ کہ انصاف پسند پڑھنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور اس اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ بے شک یہ تائیدالٰہی ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں　　　غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے

اس گنج شائیگاں کے منصۂ شہود پر آنے کا اصلی کریڈٹ تو نبیرہ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ توصیف رضا خاں صاحب کو جاتا ہے کہ اس کی تبییض وتحقیق وترجمہ کے لئے انھوں نے مجھے آمادہ کیا۔ لیکن اسے چھاپنے اور عام اہلسنت کے ہاتھوں تک پہونچانے کا سہرا قسمت نے عالی جناب شیدائے مفتی اعظم محمد سعید صاحب نوری رضا اکادمی بمبئی کے سر پر باندھا۔ کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار تحریر پہلی بار ان کے ذریعہ اہل اسلام تک پہونچ رہی ہے۔

اور اس سلسلہ میں جو بھی حقیر خدمت سراپا تقصیر راقم الحروف نے کی ہے۔ یا اللہ تو اس کا اجر وثواب اپنی رحمت کے حساب سے دے اور یہ ثواب میرے مربی کریم حضور احسن العلماء سیدی مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی رحمۃ اللہ علیہ اور میرے استاذ کریم اور مرشد گرامی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پہونچا۔ فقط۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقعہ پر حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب اور حضرت مولانا آل مصطفیٰ صاحب اور مولانا ممتاز احمد صاحب کا نام نہ لیں۔ اول الذکر نے ریاضی سے متعلق تحریر کا ترجمہ فرمایا اور بقیہ دو حضرات نے تصحیح اور تقابل میں مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ بالخصوص حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اشرفیہ مبارکپور جو اس پورے سفر میں قدم بہ قدم میرے ساتھ رہے۔

عبدالمنان اعظمی
جامعہ شمس العلوم گھوسی۔ مئو

ضمیمہ

مکتوب (۱۹)

بنام نواب سید سردار علی صاحب بہادر حیدر آباد دکن، مرسلہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ

اب تھوڑا سا حال محمد میاں سلمہ کے رسالہ شایع کرنے کی ضرورت کا تحریر کرتا ہوں۔

دیدبہ سکندری رامپور میں یہ مسئلہ طبع ہو کر مارہرہ پہونچا۔ مہدی حسن نے اول دیکھا مجھے نماز جمعہ کے وقت دکھا کر کہا گیا کہ مسئلہ بہت مدلل معلوم ہوتا ہے ہم اپنی مسجد میں اس پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے بھی دیکھا واقعی استناد کے ساتھ تھا میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا جب کتابیں دیکھ لوں گا کہوں گا مگر میں بادی اس وقت نہیں ہو سکتا اگر آپ لوگ شروع کراتے ہیں تو میں مانع بھی نہیں ہوں بہر حال اسی جمعہ کو اذان فصیل مسجد پر ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اور محمد میاں سلمہ کے گھر پر آ کر جہاں تک اپنا علم اور فہم تھا۔ اس حد تک اس مسئلہ کی تنقید کی بالکل صحیح معلوم ہوا اس کے بعد سے برابر مسجد خانقاہ برکاتیہ میں سرکار کلاں و خورد میں اذان جمعہ بیرون مسجد ہونے لگی۔ اس کے بعد وہابیان بریلی اور کانپور وغیرہ کے اور بعض رامپوریوں کے رسائل وغیرہ اس فتوے کے خلاف میں آئے مگر بالکل نامضبوط باتوں سے بھرے ہوئے اصلاً کوئی مضبوط استناد ان میں نہ تھا ان کے دیکھنے سے زیادہ تر دو ثوق فتوائے اذان بیرون مسجد پر ہوا بہر حال ہماری مسجد میں اذان باہر ہی ہوتی رہی یہاں تک کہ عرس شریف اخی الاعظم حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ کا وقت آیا اور اس میں بغرض شرکت مولانا عبد المقتدر صاحب معہ اپنے اعزہ مولوی عبد القدیر صاحب و مولوی عبد الماجد اور محب احمد صاحب اور

ان کے صاحبزادے وغیرہ صاحبان متوسلان مدرسہ عالیہ قادریہ آئے اور مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی آئے۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے بعض ہمراہیوں کے فقیر کے تکیہ پر مقیم ہوئے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مہدی حسن کے مکان پر مقیم ہوئے ایام قیام میں ایک روز مولوی محب احمد نے تذکرہ اس مسئلہ کا چھیڑا جناب مولانا صاحب بھی تشریف فرما ہیں میں نے فہم ناقص کے موافق جواب دیے۔ برخوردار محمد میاں سلمہ بھی آگیا اس نے بھی جواب دئے۔ ہمارے جواب لاجواب دیکھ کر مولوی محب احمد نے اپنی تقریر کا رخ بدل کر ایسے کلام کیے جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیں کچھ بیجا ذاتی طرفدار مولوی احمد رضا خاں صاحب کا جانتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھ لیں کہ مراسم محبت و مروت اور تعلیم اور تعلم و قدامت رشتہ توسل جو فقیر کو حضرات اکابر مدرسہ قادریہ کے ساتھ ہے اس کا عشر عشیر مولوی احمد رضا خانصاحب سے نہیں اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ معاملات دنیاوی میں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب ہمارے اعزہ مخالفین کے ساتھ ہیں۔ مگر یہ معاملہ دینی ہے اگر ہمارا جانی دشمن بھی دین کے امر میں حق پر ہوگا تو ہم کیا بلکہ سب سچے مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں اس وقت سب پڑھے لکھے ہوئے صاحبوں کا مجمع ہے۔ ہمیں اقوال مفسرین و محدثین و فقہائے اس مسئلہ کو اپنا سا سمجھا دیجئے۔ ہم پھر مسجد کے اندر اذان دلوانے لگیں گے اور بہتر تو یہ ہے کہ اس وقت آپ دونوں طرف کے صاحب یہاں تشریف فرما ہیں۔ اور اپنے آپ کو اس آستانہ کا خادم متوسل سمجھتے ہیں اور ہم سب آپ دونوں کو اپنے خاندان کا رکن رکین سمجھتے ہیں۔ دونوں طرف والے بالمواجہہ بیٹھ کر اس مسئلہ کو صاف کرلیں مگر محب احمد صاحب اور انکے صاحبزادہ وغیرہم نے اس میں طرح طرح کی گریزانہ گفتگو کر کے مولانا صاحب کو اس پر نہ آنے دیا۔ میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ آپ ان سے اگر بالمواجہہ کلام فرمانا نہیں چاہتے تو اپنا مسئلہ آپ ہم ہی کو سمجھا دیں اس کے مستند دلائل بتا دیں تو ہم جا کر مولانا احمد رضا خانصاحب

سے کہیں کہ آپ اپنی رائے کو واپس لینے کا اظہار کیجئے۔ اور اگر وہ جواب مدلل دیں تو آپ سے عرض کریں آپ مان لیں اس پر بھی لوگوں نے مولانا صاحب کو نہ آنے دیا مولانا صاحب نے فرمایا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا تکدر بڑھے گا میں نے کہا کہ اس سے ضرور اس قدر فائدہ ہوگا کہ اگر وہ خواہ مخواہ آپ کے دلائل نہ مانیں گے تو لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برخلاف انصاف ہیں۔ اور کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ تو مسئلہ کی حقانیت سمجھ جائیں گے مگر مولانا صاحب نے کچھ توجہ نہ کی اس مسئلہ کا ذکر ہی چھوڑ کر اور باتیں ہونے لگیں اس کے بعد مولانا صاحب کئی روز یہاں تشریف رکھتے رہے مگر تصفیہ پر آمادہ نہ ہوئے یہاں سے تشریف لیجانے پر چند روز کے بعد ایک فتویٰ مولوی ابراہیم کی جانب سے شائع ہوا جس کے مصدقین میں مولانا صاحب بھی تھے اس میں یہ لکھا تھا کہ صاحبزادگان مارہرہ کے کہنے کے بموجب تحریر ہوا اس فتوے میں بھی بالکل دلائل مضبوط نہ تھے وہی تھے جو دہابیان بریلی وغیرہ یا مخالفان رامپور وغیرہ نے لکھے تھے اور جن کا رد اہل تحقیق نے بہت واضح اور لائح کر دیا تھا مگر اس فتویٰ کا جواب نہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا اور نہ ہم لوگوں نے کچھ عرض کیا[1] کہ ہم نے جو عرض کیا تھا وہ کب مانا گیا ہم نے فتویٰ تحریر کرنے کو کب کہا تھا اور فتویٰ بھی ایسا کہ جو ہمارے مدرسہ عالیہ کی شان علمی کی بالکل لائق نہیں ہے۔ اس خاموشی پر لحاظ نہ کرکے پھر دوسرا اشتہار صاحبان مدرسہ نے لکھا تیسرا رد لکھوایا مگر ہم لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوئی مولوی احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے تیسرے رد کے بعد رد و جواب ہوا جو مارہرہ میں حضرت

۱۔ صرف فقیر راقم نے ایک خط اس فتویٰ کے لکھنے والے مفتی صاحب کو لکھا تھا جس میں یہ امر ان کو دکھایا گیا تھا کہ ہم نے کس چیز کا اصرار کیا تھا اور اس کو آپ نے کس حد تک مانا پھر خواہ مخواہ اس کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں کیوں بتایا جاتا ہے۔ اس سے زائد اسی فتویٰ کا رد و جواب کچھ نہیں لکھا تھا۔ محمد میاں

بھائی صاحب قدس سرہ کے عرس ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوا مولانا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عرس میں نہ تھے ہم لوگوں نے اس سے کوئی حصہ نہیں لیا کہ دونوں صاحب جانیں اور سمجھیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب والے اس اشتہار کا جواب مولوی عبد الماجد صاحب نے عرس ہی میں قلمی عبد الواحد کے نام لکھا جس کو غلام شبر صاحب فقیر کے پاس لائے میں نے اسے دیکھا اور غلام شبر صاحب سے کہا کہ اس میں جواب تو کسی مسئلہ کا ہے نہیں صرف مولوی احمد رضا خاں صاحب کو سب وشتم ہے میری رائے میں تو اس کا اس قدر جلد اور بے سوچے شائع کرنا نہیں چاہئے بلکہ بجائے اس کے یہ ہونا چاہئے کہ آپس میں جو ذاتی کوئی رنج ہو وہ صاف کر لیا جائے اور مسئلہ کو بھی بلا نفسانیت یکے بعد دیگرے صاف کر لیں تو بہت اچھا ہے۔ غلام شبر صاحب نے بھی میری اس رائے کی پسندیدگی ظاہر کی اور کہا کہ اچھا ابھی شائع نہ ہوگا میں نے یہ بھی کہا کہ اگر شائع بھی ہو تو اس میں یہ فقرہ نہ ہو کہ جس کا مفہوم اور محصل یہ ہے کہ صاحبزادوں میں سے جو اس مسئلہ میں اس پر ہیں۔ کہ اذان مسجد سے باہر ہو وہ فریب اور چکر میں ہیں۔ کیونکہ جب یہ ہوگا تو ہمیں بھی ضرور لکھنا ہوگا۔ کہ ہم فریب اور چکر میں نہیں بلکہ ہمیں تحقیقات علمائے سلف اور محققین مذہب کے اتباع سے یہ مسئلہ اسی طرح سے حق معلوم ہوتا ہے۔ غلام شبر صاحب وعدہ عدم اشاعت کر کے چلے گئے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اشتہار قلمی لکھوا کر شائع کر دیا گیا اور ایک درگاہ معلیٰ کے بڑے دروازہ خانقاہ پر چپکا دیا گیا۔ اس اشتہار کو جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو چوٹ اپنے مخدوم زادوں پر کی گئی تھی۔ وہ بدستور ہے عبد الماجد صاحب تو ملے نہیں، کیونکہ وہ موافق اپنے بزرگوں کے طریقہ کے صاحبان سرکار خورد سے مراسم بہت زیادہ رکھتے ہیں اور انھیں سے ان کو دلچسپی ہے مگر جو صاحب ملے ان سے کہا گیا کہ عبد الماجد صاحب نے بیکار ہم فقیروں کو بھی اپنے خلاف کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور باوجود منع کرنے کے ہم پر چوٹ کی کہ جس سے عوام کی نظر میں ہمارا فریب اور چکر میں پھنسا ہونا ظاہر ہوتا ہے لہذا وہ دلائل کہ جن سے ہم اس

مسئلہ کو حق جانتے ہیں۔ لکھ کر پیش کرنا پڑیں گے۔ یہ سبب محمد میاں کے رسالہ لکھنے کا ہوا اور ہنوز محمد میاں سلمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ مکمل نہیں لکھ لیا تھا کہ بدایوں اپنے خسر کے طلبیدہ گئے مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں بھی اس کا ذکر آیا محمد میاں سلمہ نے بمواجہہ مولانا صاحب و مولوی عبدالقادر صاحب و دیگر صاحبان مدرسہ کہا کہ آپ سب صاحب اس مسئلہ کو مجھے سمجھا دیں جو حق ہوگا وہ بلا نفسانیت مان لوں گا مگر کسی صاحب نے کچھ مسکن جواب نہ دیا اور واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ از روئے تحقیق بھی یہی ہے کہ اذان خارج مسجد ہو اگر حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ اس وقت پردہ فرمائے ہوئے ہماری ظاہری نظروں سے نہ ہوتے تو اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی دلیلوں سے ثابت فرما دیتے کہ اذان مسجد کے باہر ہی چاہئے محمد میاں سلمہٗ نے بعد واپسی بدایوں رسالہ کی تکمیل کی اور طبع کرا کر مولانا صاحب کی خدمت میں جو اپنی تحقیقات تھی بھیج دی اس رسالہ کا نام بحث الاذان ہے اگر آپ کے پاس ہو تو اس کو دیکھئے کہ اول سے آخر تک جناب مولانا صاحب کی کہیں خدانخواستہ توہین یا اہانت ہے بلکہ مولانا صاحب سے تو رد میں خطاب بھی نہیں۔ عبدالواحد وغیرہ سے بکمال تہذیب ان کے استدلالات کے ضعف اور اپنے دلائل کی قوت بیان کی ہے یہ رسالہ مولانا صاحب کی خدمت میں چار ماہ قبل از وصال پہونچایا گیا تھا. مولانا صاحب نے اس کو دیکھا مگر کسی طرح کا اپنا تکدر و ملال ہم پر ظاہر نہیں کیا یہاں تک کہ مولانا صاحب کا انتقال ہوا جس کے بعد مولوی عبدالماجد نے چند اور صاحبوں کی کوشش مجموعی کے ساتھ اس کا جواب تصنیف فرمایا جو ایک ابھی کے طالب علم عبدالواحد کے نام سے چھپا اور اس میں کلمات خلاف تہذیب اور شان اپنے پیرزادوں کے تحریر فرمائے ہیں اس کا گلہ نہیں۔ ہاں ان کا یہ رسالہ اگر ان کے والد ماجد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر ان کے جد الاجد اور حضرت مولانا مولوی عبدالحمید صاحب قدست اسرارہم دیکھتے اور حیات ظاہری میں دنیا میں تشریف فرما ہوتے۔

توعبدالماجد صاحب کو معلوم ہوتا کہ وہ حضرات مدرسہ کے لڑکوں کے نام سے اپنے پیرزادوں کو ایسا سب وشتم کرنے سے راضی ہیں یا ناراض اور اب بھی جس کی چشم بینا ہے وہ رضامندی اور ناراضی ان حضرات کی معلوم کرسکتا ہے ۔ آپ مبحث الاذان اور اس کا یہ جواب مباحث الاذان دونوں دیکھئے اور اگر پاس نہ ہوں تو مجھ سے منگوا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ محمد میاں سلمہٗ نے صرف ایک فرعی مسئلہ میں دلائل اپنے مضبوط پا کر اس مسئلہ کو غیر مضبوط سمجھنے والوں اور اسے فریب و چکر میں پھنسا ہوا بنانے والوں کو نہایت تہذیب سے سمجھایا ہے ۔

(اہلسنت کی آواز جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم
اذان من اللہ الحق المبین ؛ انِ الحمد للہ رب العٰلمین ؛ و افضل
الصلوات واعلی التسلیمات علٰی من اذن باسمہ الکریم فی اطباق السمٰوات
والارضین ؛ وسیؤذن بحمدہ العظیم، ووصفہ الفخیم علٰی رؤس الاولین
والاٰخرین ؛ یوم الدین ؛ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ الکریم الغوث الاعظم
وسائر حزبہ اجمعین ؛ آمین ؛ وبعدُ:

فہذہ سطور ان عدّت یسیرۃ وبیزۃ، وفیہا علوم ان شاء اللہ
عزیزۃ عزیزۃ فی بیان ما ھو السنۃ فی اذان الخطبۃ یوم الجمعۃ سمیتہا
« شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر » والغرض بیان ما ظہر
من حقائق من بر الحدیث الجلی والفقہ الحنفی معروضۃ علی ساداتنا علماء
اھل السنۃ فی بلاد الاسلام للاستعانۃ بھم فی احیاء سنۃ نبینا الکریم
علیہ واٰلہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

والعبد الذلیل عائذ بجلال وجہ ربہ الجلیل، وجمال مُحَیّا
حبیبہ الجمیل علیہ وعلٰی اٰلہ الصلوٰت بالتبجیل، من کل عین لا تنظر
بالانصاف وتقوم بالخلاف علی قدم الاعتساف فضلا عمن یخلد فی ارض
اتباع الرواج، وتقدّمہ علی سنۃ صاحب التاج والمعراج صلی اللہ
تعالٰی علیہ وسلم ؛ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وشرّف وکرّمَ ۔

بسم الله الرحمن الرحيم

ولاحول ولاقوة الا بالله العلى العظيم

يقول العبد المستعين بربه العظيم وهونعم المعين ؛ ثم بحبيبه الكريم وهونعم الامين ؛ صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم وعلىٰ آله وصحبه اجمعين حامدًا و مسلّمًا ومشهدًا و مصلّيًا۔

قد علمتم ياسادتى و اخوتى رحمنا الله تعالىٰ وايّاكم ؛ وبالسّلامة حيّانا وحيّاكم ؛ إنّ خير الحديث كتابُ الله وخير الهَدْىِ هَدْىُ محمّد صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم۔ وشرّ الامور محدثاتها ؛ وان المعروف معروف وان صار منكرا ، والمنكر منكر وان صار معروفًا۔ فلربّما يحدث حدث ويشيع وينكر عليه بدء فيضيعُ إمّا لامر الامارة او نفوس أمّارة۔

والعالم يقول الهوى متبع والقول لايسمع وقد قضيت ماعَلَىَّ ؛ فان سَكَتُّ فلاعَلَىَّ ؛ فيدع ، فلايدعو ، فالمنكر يربو ويفشو۔

وتنشؤ الصغار ، فتقتفى الكبار ، فيظنُّ متوارثا۔ وما كان الا حادثًا ، وآية ذٰلك كونه على خلاف السنة المروية ، و منافاة الخصلة المرضية ومع ذٰلك اذا فتشته فى الصدر الاول ، والقرون

الاول لم ترله اثراً۔

وان سألتَ متیٰ حدث، ومن احدث لم تجد به خُبراً فیجعل الناس لعدم العلم بمبدئه علماً بعدمه وعَلَماً علی قدمه، وما الیه سبیل، مع خلاف الدلیل، وانما تحکیم الحال عند الاحتمال والا فالحادث لاقرب اوقاته۔ ولغفلة الناس عن هذا البنایة تفوه الألسِنَة أنه السُنَّة، وتصیر النفوس الیه مطمئنه وعند ذلك یکون المعروف منکراً والنکرُ معروفاً۔ کما فی حدیث[1] عن المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ویکذب الصادق ویصدق الکاذب کما قد صح[2] عن سید الاطائب صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فمن القی علیهم السُنّة فکانما یحول جبلة او یحاول جیلا او یبتدع حکما من عندہ تبلاً۔

---

(۱) رواہ ابن عساکر عن محمد بن الحنفیة والمسعودی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ۱۲ منه۔

(۲) رواہ ابن أبی الدنیا والطبرانی فی الکبیر وأبوبکر السجزی فی الابانة وابن عساکر فی تاریخ دمشق عن أبی موسیٰ الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنه بسند لا بأس به، والطبرانی فیه والحاکم فی الکنی وابن عساکر عن عوف بن مالك الاشجعی والطبرانی فیه والبیهقی فی البعث وابن النجار عن ابن مسعود، والطبرانی فیه عن ام المومنین ام سلمه ونعیم ابن حماد فی الفتن عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنهم ولفظة حدیث ام المومنین لیاتین علی الناس زمانٌ یکذب فیه الصادق ویصدق فیه الکاذب۔ الحدیث وهو قطعة أحادیث عندهم جمیعاً ۱۲ منه

وان القلب اذا امتلأ بشئ لم يكد يقبل غيره لداب مستمر :
فان قرأ لم يجاوز التراقى أو سمع لم يجاوز الأذن و مابهذا اُمِرَ
وانما قال له ربه و قوله الحق ووعده الصدق ۔ فَبَشِّرْ عِبَادِيَ الَّذِيْنَ
يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ
اُولٰئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَاب ۔

فالسبيل الاستماع ثم الإنتقاء ثم الاتباع. لا ان يقنع ولا يسمع ، أو يكون من اللذين سمعوا وهم لا يسمعون ۔ فهم بالقرآن لا ينتفعون ۔

وانما النفع لمن كان له قلبٌ مُرِيدٌ أو القى السمع وهو شهيدٌ ۔

فعليك يا اخى القاء السمع وانقاء القلب عن الجزم اولا بالجاب اوسلب رجاء ان تجد حقا تنتزعن فان الحكمة ضالّة المومن[1] فتدخل اذ ذاك فى بشارة مولاك والله يتولى هداى وهداك ۔

ولنجمل اوّلاً ماوجده الفقير فى هذه المسألة من الحديث الكريم والفقه القويم، بل ومن القرآن العظيم، ثم نُفصِّله تفصيلا باذن الفتاح العليم ۔

لان التفصيل بعد الاجمال اوقع فى النفس وأ قمعُ للتخمين والحدث ؛ ولا اريد كلّ التفصيل لما بدا ؛

فان المسئلة تحتمل مجلدًا ؛ ولكن ماقلّ وكفى ، خيرٌ مماكثر والهىٰ ۔ قال النبى المصطفىٰ صلى الله عليه وعلىٰ آله افضل الصلوٰة والثنا ۔

---

[1] رواه أبويعلىٰ والضياء المقدسى فى المختارة عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه ۔١٢منه

فاقول وبہ استعین : أرشدنا الحدیث الصحیحُ الّذی رواہ ابوداؤد فی سننہ وامام الائمۃ ابن خزیمۃ فی صحیحہ۔ والامام ابوقاسم الطبرانی فی معجمہ الکبیر ان السّنۃ فی ھذا الاذان ان یکون بین یدی الامام اذا جلس علی المنبر فی حدود المسجد لافی جوفہا ھکذا کان یفعل علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعہد صاحبیہ أبی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

ولم یاتنا عن احد من الخلفاء الراشدین وغیرھم من الصحابۃ والتابعین والائمۃ المجتھدین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین تصریح قط۔ بخلاف ذلک وما کان لھم ان یقولوا والعیاذ باللہ ترک ماھنالک۔

وقد اعتمد ھذا الحدیث کبار المفسرین فی تفسیر الکریمۃ "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ۔ کالزمخشری فی الکشاف، والامام الرازی فی مفاتیح الغیب، والخازن فی لباب التاویل والنیسابوری فی رغائب الفرقان، والخطیب والجمل وغیرھم واوردہ الامام الشعرانی فی "کشف الغُمّۃ عن جمیع الامۃ" کما سیأتیک نصوصھم انشاء اللہ تعالیٰ۔

ثم تظافرت کلمات علمائنا فی الکتب المعتمدۃ علی النھی عن الاذان فی المسجد وانہ مکروہ۔ نص علیہ الامام فقیہ النفس فی الخانیۃ، والامام البخاری فی الخلاصۃ، والامام الاسبیجابی فی شرح الطحاوی والامام الاتقانی فی غایۃ البیان، والامام العینی

فی البنایة ، والامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر۔ والامام الزندوسی فی النظم۔ والامام السمعانی فی خزانة المفتیین، والمختار الزاهدی فی المجتبٰی، والمحقق زین بن نجیم فی البحر الرائق، والمحقق ابراهیم الحلبی فی الغُنیة والبرجندی فی شرح النقایة، والقهستانی فی جامع الرموز، والسید الطحطاوی علی مراقی الفلاح۔

واصحاب الفتاوی العالمگیریة، والفتاوی التاتارخانیة ومجمع البرکات، ولم یستثنوا منه فصلا، ویلموا بتخصیص اصلا، والهجوم علی تخصیص النصوص من دون خصوص، فهم مقصوص بل وهم مرصوص۔

ثم۔ ولنا القرآن العظیم والاحادیث والشاهد المطبق علیه فی القدیم والحدیث ان التاذین فی جوف المسجد اساءة ادب بالحضرة الالهیة ثم۔ هو خلاف ما شرع له الاذان۔

ثم۔ لیس علیه من حدیث ولا فقه دلیل ولا برهان ولا یعارض العلامة الحکم ولا الاشارة العبارة ولا المحتمل الصریح ولا المجاز الحقیقة۔

ثم۔ هو علی حاله هذا وان شاع فی زماننا فی بعض الاصقاع لم ینعقد قط علیه الاجماع ولا علیه تعامل فی جمیع البقاع۔ ولا هو متوارث من الصدر الاول۔ فمثل هذا لا یحتمل ولا یقبل والمنکر لا یصیر معروفا وان فشا۔ ولا الحادث قدیما وان لم نعلم متٰی نشا۔

ویاسادتنا علماء السنة انتم المدخرون لاحیاء السنة وقد ندبکم الی ذلک نبیکم صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی غیر ما[1] حدیث ووعدتم[2]

(1) الترمذی عن بلال وابن ماجة عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنهما

بقیہ ص پر

علیه اجر مائة شهید۔ وان[۳] تکونوا به مع نبیکم فی دار المزید۔

وانما تحیی اذا امیتت وانما تموت اذا ترك الناس العمل بها وسکت عنها علماؤهم لما قد مرّ او شبّه لهم، فلمن احیا الاحقًا اجره و لمن سکت سابقا عذره علی ذلك مضی امر احیاء السنن و تجدید الدین من سالف الزمن الی هذا الحین فالإستناد فی مثله بعمل الناس وعادتهم اوسکوتِ من سلف قریبا من سادتهم او زعم انه یلحقهم بذلك شین مع جلالتهم، کل ذلك جهل واضح ووهم ناضح۔ وسد لباب احیاء السنة مع انه مفتوح بید المصطفٰے سید الانس والجن صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وموعود علیه عظیم المنة۔

وا ما تفصیله کل ما اجملت هنا ففی شمائم زاکیات، فی کل شمامة نفحات طیبات وعلیٰ حبیبنا وآله اطیب الصلوٰة وانمی التحیات۔

عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من أحیا من سُنّتی قد اُمیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجور من عمل بها من غیر أن ینقص من اجورهم شیئًا ۱۲ منه

(۲) البیهقی فی الزهد عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: قال، قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: من تمسّك بسنّتی عند فساد اُمّتی فله اجر مائة شهید ۔ ۱۲ منه

(۳) السجزی فی الابانة عن انس رضی الله تعالیٰ عنه : من أحیا سنّتی فقد احبّنی ومن أحبنی کان معی فی الجنة ، ورواه الترمذی بلفظ من أحب، اللّٰهم ارزقنا، آمین ۱۲ منه

الشمامة الأولى من عنبر الحديث

نفحة ۱ - أنبانا شيخنا العلامة الامام شيخ العلماء بالبلد الكرام السيد احمد بن زين بن دحلان المكى قدس سره الملكى بمكة مكرمة سنہ ۱۲۹۶ عن الشيخ عثمان بن حسن الامياطى الازهرى عن الشيخ محمد الامير المالكى والشيخ عبد الله الشرقاوى، الشافعى الازهريين۔

ح : وأنبانا المولى المفتى العلامة عبد الرحمٰن السراج مفتى البلد الحرام فى ذى الحجة سنہ ۱۲۹۵ عن مفتيها المولى جمال بن عبد الله بن عمر۔

ح : وانبانا عاليًا بدرجة السيد حسين بن صالح جمل الليل المكى ببيته عند باب الصفا فى ذى الحجة سنہ ۱۲۹۵ كلاهما عن الشيخ عابد السندى المدنى عن الشيخ صالح الفلانى والسيد عبد الرحمٰن بن سليمان الاهدل ويوسف بن محمد المزجاجى والسيد بن احمد وقاسم ابنى سليمان وعمه محمد حسين الانصارى۔

ح : وانبانا شيخنا السيد الامام العارف بالله الشاه آل الرسول الاحمدى فى جمادى الاولى سنہ ۱۲۹۴ عن الشاه عبد العزيز الدهلوى عن ابيه الشاه ولى الله الدهلوى عن الشيخ ابى طاهر بن

ابراهیم الکردی المدنی ۔

ح : وغیرهم من مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ جمیعا باسانیدهم المعروفة الیٰ ابی داؤد فی سننه قال ۔

حدثنا النفیلی، نا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزهری عن السائب بن یزید رضی الله تعالیٰ عنهما قال کان یؤذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی الله تعالیٰ عنهما ۔

هذا حدیث حسن صحیح، محمد بن اسحٰق ثقة صدوق امام قال شعبة وابوزرعة والذهبی وابن حجر صدوق ۔ وقال الامام ابن المبارک ۔

انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقا، انا وجدناه صدوقًا۔

تلمذ له ائمة اجلاء کابن المبارک وشعبة وسفیٰن الثوری وابن عیینة۔ والامام ابی یوسف واکثر عنه فی کتاب الخراج له ۔

وقال ابوزرعة الدمشقی اجمع الکبراء من اهل العلم علی الاخذ عنه قال ۔

وقد اختبره اهل الحدیث فرؤا صدقا وخیرا ۔ وقال ابن عدی لم یتخلف فی الروایة عنه الثقات والائمة ولا بأس به وقال علی بن المدینی مارایت احدا یتهم ابن اسحٰق وقال سفیٰن[1] بن عیینة

(۱) وبه ظهر کذب من زعم الاٰن أن قد جرحهٗ سفیٰن بن عیینة، حاشاه بل

بقیہ صفحہ پر

جالستُ ابن اسحٰق منذ بضع سنين و سبعين سنة وما يتهمه احد من اهل المدينة ولا يقول فيه شيئا۔

وقال ابو معاوية كان اسحٰق من احفظ الناس وقال الامام الليث بن سعد لا اثبت فى يزيد بن ابى حبيب من محمّد بن اسحٰق۔

قلت۔ و يزيد هذا كما قال ابن يونس روى عنه الاكابر من اهل مصر۔

قلتُ۔ كعمرو بن الحارث، وحيوة بن شريح وسعيد بن ابى ايوب والليث بن سعد نفسه كلهم ثقات، أثبات. أجلاء، ويحى بن ايوب الغافقى عهد وق۔ خمستهم من رجال الشيخين وعبد الله بن لهيعة

قد تلمّذ وذبّ عنه وقال رأيت الزهرى: قال لمحمد بن اسحٰق: أين كنت؟ فقال هل يصل إليك أحدٌ فدعا حاجبَه وقال: لا تحجبه، وقال أيضا: قال ابن شهاب: وسئل عن مغازيه فقال: هذا أعلمُ الناس بها، وقال ابن المدينى: قلت لسفيان: كان ابن اسحٰق جالس فاطمة بنت منذر، فقال أخبرنى ابن اسحٰق أنّها حدّثته وأنّهٗ دخل عليها، وقال ابن عُيينة أيضا: سمعتُ شعبة يقول: محمد بن اسحاق امير المومنين فى الحديث۔ فهذا ما جرحَهٗ به سفيان نعم! ذكرأن الناس اتّهموه بالقدر ولوكان هذا جرحًا فما اكثر المجروحين فى الصحيحين، الاترى انه كان يسمع هذا ثم لايترك مجالسة ابن اسحاق ولاالأخذ منه، هل ليس منه مايدلّ علےٰ تصديقه الناس فى هذا فكم من تهمة لا اصل لها، وسياتيك كلام ابن منير۔ ۱۲منه

صدوق ،حسن الحدیث علی ما استقرّ الأمر علیہ وعبد اللہ بن عیاش
کلاھما من رجال مسلم ومن غیرھم سلیمان التیمی البصری وزید
بن أبی انیسۃ ثقتان من رجال الصحیحین وعبدالحمید بن جعفر
المدنی الصدوق من رجال مسلم وآخرون کثیرون ۔ففی ھذا
تفضیل لا بن اسحٰق علیھم جمیعا ۔ وقال الامام شعبۃ :

لوکان لی سلطان لامرت ابن اسحٰق علی المحدثین وقال ایضًا
محمد ابن اسحٰق امیرالمؤمنین فی الحدیث ۔ وفی روایۃ عنہ ۔قیل لہ
لم قال لحفظہ ۔ وفی اُخریٰ لوسوّد احد فی الحدیث لسوِّد محمّدبن اسحٰق
وقال علی بن المدینی مدار حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
علی ستۃ فذکرھم ثم قال ۔

فصار علم السنۃ عند اثنی عشر فذکر ابن اسحٰق فیھم ۔وقال
الامام الزھری لا یزال بالمدینۃ علم جم ما کان فیھا ابن اسحٰق ، وقد
کان یتلقف المغازی من ابن اسحٰق مع انہ شیخہ وشیخ الدنیا فی الحدیث
وقال شیخہ الآخر عاصم بن عمر بن قتادۃ لایزال فی الناس علم مابقی
ابن اسحٰق ۔

وقال عبداللہ بن فائد کنا نجلس الی ابن اسحٰق فاذا اخذ فی فن من
العلم ذھب المجلس بذلک الفن ۔

وقال ابن حبان لم یکن احد بالمدینۃ یقاربُ ابن اسحٰق فی
علمہ ولا یوازیہ فی جمعہ وھو من احسن الناس سیاقاً للاخبار ۔

وقال ابویعلی الخلیلی محمد بن اسحٰق عالم کبیر واسع الروایۃ

والعلم، ثقة ـ وكذلك قال يحيى بن معين ويحيى بن يحيیٰ وعلى بن عبدالله (هو ابن المدينى شيخ البخارى) واحمد العجلى ومحمد بن سعد وغيرهم ان محمد بن اسحٰق ثقة ـ

وقال ابن البرقى لم ارا هل الحديث يختلفون فى ثقته وحسن حديثه

وقال الحاكم عن البوشيخى شيخ البخارى هو عندنا ثقة ـ ثقة ـ

وقال المحقق فى فتح القدير، اما ابن اسحٰق فثقة ثقة لا شبهة عندنا فى ذلك ولا عند محققى المحدثين ـ

وقال ايضا توثيق محمد بن اسحٰق هو الحق الا بلج وما نقل عن كلام مالك فيه لا يثبت ولو صح لم يقبله اهل العلم الخ ـ

وقد اطال الامام البخارى فى توثيقه فى جزء القراءة ولم يورده فى الضعفاء له وانكر صحة مايذكر فيه من كلام مالك ونقل عن على مايشعر بانكار صحته ماعن هشام ـ وقد بينا وجهه فى تحريراتنا الحديثية داوردة ولدى المولوى مصطفیٰ رضا خاں حفظه الله تعالیٰ فى كتابه "وقاية اهل السنة عن مكر ديوبند والفتنه" صنفه فى الرد على وهابية ديوبند اذ خالفوا نى فى هذه المسألة ـ

وهم الذين حكم سادا تنا علماء الحرمين الشريفين جميعا بكفرهم وارتدادهم وان من شك فى كفرهم وعذابهم فقد كفر لسبهم الله رب العٰلمين ومحمدا سيد المرسلين صلى الله تعالیٰ عليه وسلم وعلىٰ جميع النبيين ـ

ثم اجاب عنه البخارى فاجاد واصاب وقد قال فيما قال ولم ينج

كثير من الناس من كلام بعض الناس فيهم نحو ما يذكر عن ابراهيم من كلامه فى الشعبى وكلام الشعبى فى عكرمة ولم يلتفت اهل العلم فى هذا النحو الا ببيان وحجة ولم تسقط عدالتهم الا ببرهان وحجة اهـ

وحسن الامام احمد ويحيى بن معين ومحمد بن عبد الله بن نمير ومحمد بن يحيى كلهم شيوخ البخارى . وابوداؤد والمنذرى، والذهبى حديثه وعده الامام الذهبى ثم السيوطى فى اعلى مراتب الحسن . قال فى التدريب الحسن ايضا متفاوت مراتب كالصحيح . قال الذهبى فاعلى مراتبه بهز بن حكيم عن ابيه عن جده وعمرو بن شعيب عن ابيه عن جده وابن اسحق عن التيمى وامثال ذلك مما قيل انه صحيح وهو ادنى مراتب الصحيح اهـ .

وصححه ابن المدينى والترمذى وابن خزيمة والامام الطحاوى وقد حسن الدارقطنى بعض ما تفرد به ابن اسحق وصححه الحاكم[1]

---

(1) اورد فى السنن حديث احمد بن خالد عن ابن اسحاق عن مكحول عن محمد بن لبيب عن عبادة رضى الله تعالى عنه فى القراءة خلف الإمام وقال. قال على بن عمر هذا اسناد حسن واقره البيهقى وروى فى باب الصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم حديث ابى مسعود رضى الله تعالى عنه: أن رجلاً قال: يارسول الله: أما السلام عليك فقد عرفناه، فكيف نصلى عليك إذا نحن صلينا فى صلاتنا وقال: قال الدارقطنى: حسن متصل، واقره البيهقى وقال ابن التركمانى لا اعلم أحداً روى هذا الحديث بهذا اللفظ إلا محمد بن اسحق. وأورده أيضا فى باب الصلوة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى التشهد ثم حكى عن الحاكم تصحيحه. ثم عن الدارقطنى تحسينه و أقرهما. ١٢ منه

وقد تبعهما عليه البيهقی ، ووصفه المنذری والذهبی باحد الأئمة الاعلام وأنه صالح الحديث ماله ذنب الا ماحشا فی السيرة من مناكير ۔

واورده الحافظ العسقلانی فی طبقات المدلسين فيمن لم يضعف بشئ لاعيب عليه الا التدليس ۔

وقال الامام النووی ليس فيه الا التدليس وقال محمد بن عبد الله بن نمير رمی بالقدر وكان ابعد الناس فيه ۔

وقال يعقوب بن شيبة سألت ابن المدينی عن ابن اسحٰق قال حديثه عندی صحيح ، قلت وكلام مالك فيه ۔ قال مالك لم يجالسه ولم يعرفه ۔

وذكره ابن حبان فی ثقاته وان مالكا رجع عن الكلام فی ابن اسحٰق واصطلح معه وبعث اليه هدية وقال مصعب الزبيری ودهيم وابن حبان لم يكن يقدح فيه لاجل الحديث ۔

وقد تكفل بالجواب عنه الائمة احمد وابن المدينی والبخاری وابن حبان ، والمزی ، والذهبی ، والعسقلانی والمحقق حيث اطلق كما هو مفصل مع زيادات كثيرة فی كتاب ولدی [illegible] محفوظ بكرم الله تعالیٰ ۔ وقاية اهل السنة ولله الحمد والمنة ۔

نفحه(٢) :۔ من الجهل الوخيم رميه بالرفض اغترارًا بقول التقريب رمی بالتشيع وما بين التشيع والرفض كما بين السماء والارض فربما اطلقوا التشيع علی تفضيل ۔ علی علی عثمٰن رضی الله تعالیٰ عنهما ۔

وهومذهب جماعة من ائمة اهل السنة لاسيما ائمة الكوفة قال صاحب التقريب نفسه فی هدی الساری التشیع محبة علی وتقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی ابی بکر وعمر فهو غال فی تشیعه ویطلق علیه رافضی والافتشیعی فان انضاف الی ذلك السب او التصریح بالبغض فغال فی الرفض اھ وتمام تحقیقه فی تحزیراتنا الحدیثیة ۔

وفی المقاصد ۔ للعلامة التفتازانی الافضلیة عندنا بترتیب الخلافة مع تردد ما فیما بین علی وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہما ۔

وفی شرحها له قال اهل السنة الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمٰن ثم علی وقد مال بعض منهم الی تفضیل علی علی عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہما ۔ والبعض الی التوقف فیما بینهما اھ وفی الصواعق للامام ابن الحجر: جزم الکوفیون، منهم سفیان الثوری بتفضیل علیٍ علی عثمان، وقیل بالوقف علی التفاضل بینهما، وهو روایة عن مالك اھ ۔

وفی تهذیب التهذیب فی ترجمة الامام الاعمش کان فیه تشیع اھ

وفی شرح الفقه الاکبر لعلی القاری روی عن ابی حنیفة تفضیل علی علی عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہما والصحیح ما علیه جمهور اهل السنة وهو ظاهر من قول ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه علی ما رتبه هنا وفق مراتب الخلافة اھ ۔

ثم لایذهب عنك الفرق بین شیعی ورمی بالتشیع وکم فی الصحیحین ممن رمی به وقد عدّ فی هدی الساری عشرین منهم فی مسانید صحیح البخاری فضلاً عن تعلیقاته، بل فیه مثل عباد بن یعقوب رافضی جلد ۔

ثم الشبهة لاقيمة لها رأسا فكم فى الصحيحين ممن رمى بانواع البدع وقد تقرر عندهم ان المبتدع تقبل روايته اذا لم يكن داعية ـ

نفحہ (۳): ـ اصل الحديث رويناه فى المسند بهذا السند ـ

حدثنا يعقوب حدثنا ابى عن ابن اسحٰق قال حدثنى محمد بن مسلم بن عبيد الله الزهرى عن السائب بن يزيد ابن اخت نمر فقد صرح بالسماع فلاعليك من عنعنته هنا هذا اوجه ـ

وثانيا ـ ابن اسحٰق كثير الرواية عن الزهرى والعنعنه عن مثل الشيخ تحمل على السماع ـ

قال الذهبى فى مثله متى قال " نا " فلا كلام ومتى قال " عن " تطرق اليه احتمال التدليس الا فى شيوخ له اكثر عنهم ، فان روايته عن هذ الصنف محمولة على الاتصال اھ ـ

لاسيما ابن اسحٰق فقد عرف منه النزول فى اشياخ اكثر عنهم قال ابن المدينى حديث ابن اسحٰق ليستبين فيه الصدق هو من اروى الناس عن سالم بن ابى النضر وروى عن رجل عنه وهو منه اروى الناس عن عمرو بن شعيب وروى عن رجل عن ايوب عنه اھ ـ

قلت ـ وكذا هو من اروى الناس عن ابن شهاب وقد روينا فى كتاب الخراج للامام ابى يوسف حدثنى محمد بن اسحٰق عن عبد السلام عن الزهرى ـ

وثالثا ـ هذا كله على طريقة هٰولاء المحدثين اما على اصولنا

معشر الحنفية والمالكية والحنبلية الجمهور فسؤال العنعنة ساقط عن رأسه فإن مبناه على شبهة الإرسال وحقيقته مقبولة عندنا وعند الجمهور فكيف بشبهته۔

قال الامام الجليل السيوطي في التدريب في عنعنة المدلس، قال جمهور من يقبل المراسيل تقبل مطلقاً اه

وفيه عن الامام ابن جرير الطبري اجمع التابعون باسرهم على قبول المرسل ولم يأت عنهم انكاره ولا عن احد من الائمة بعدهم الى راس المائتين اه۔

وفي صحيح مسلم وجامع الترمذي عن محمد بن سيرين التابعي قال لم يكونوا يسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم اه۔

قلت: وهذا زيد بن اسلم الامام مولى امير المومنين الفاروق الذي كان الإمام الأجل زين العابدين يجلس إليه ويتخطأ مجالس قومه فقال له نافع بن جبير ابن مطعم: تتخطاء مجالس قومك إلى عبد عمر بن الخطاب؟ فقال رضي الله تعالى عنه: إنما يجلس الرجل إلى من ينفعه في دينه رواه البخاري في تاريخه. زيد هذا احدث بحديث فقال له رجل عمن هذا. فقال يا ابن أخي: ما كنا نجالس السفهاء قال له العطاف بن الخالد. قلتُ: وقد اكثر الارسال ائمة التابعين سعيد بن المسيب والقاسم وسالم والحسن وابو العالية وابراهيم النخعي وعطاء بن ابي رباح ومجاهد وسعيد بن جبير وطاؤس والشعبي والاعمش والزهري وقتادہ

ومکحول وابواسحٰق السبیعی وابراھیم التیمی ویحیی بن الکثیر واسمٰعیل بن ابی خالد وعمرو بن دینار ومعٰویۃ بن قرۃ وزید بن اسلم وسلیمٰن التیمی۔

ثم الائمۃ مالک ومحمد والسفیانان افترا ھم نعلوہ لــترد احادیثھم۔

وفی مسلم الثبوت وشرحہ فواتح الرحموت: مرسل الصحابی یقبل مطلقا اتفاقا وان من غیرہ۔ فالاکثر ومنھم الائمۃ الثلٰثۃ ابوحنیفۃ ومالک واحمد رضی اللہ تعالٰی عنھم یقبل مطلقا۔ والظاھریۃ وجمھور المحدثین الحادثین بعد المأتین لا اھ

وفی فصول البدائع للعلامۃ مولٰی خسرو طعن المحدثین بما لایصلح جرحا لایقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنۃ فانما توھم شبھۃ الارسال وحقیقۃ لیست بجرح اھ

قلت۔ وروی ابوداؤد عن عبداللہ بن حنظلۃ بن ابی عامر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر بالوضوء عند کل صلٰوۃ فلما شق ذالک علیہ امر بالسواک لکل صلٰوۃ، فیہ ایضا ابن اسحٰق و قد عنعن ومع ذلک۔

قال الشامی فی سیرتہ اسنادہ جید وفیہ اختلاف لایضر اھ۔

وروی احمد عن واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ قال۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرت بالسواک حتی خشیت ان یکتب علی نقل الزر قانی علی المواھب عن المنذری وغیرہ فیہ لیث بن ابی سلیم ثقۃ مدلس وقد عنعنہ اھ۔

ومع ذلك قال عن المنذری اسناده حسن اھ وقال الحافظ العسقلانی فی نظم اللآلی معنعن ابی الزبیر غیر محمول علی الاتصال الّا اذا کان من روایۃ اللیث عنہ الخ۔

وھذا امر مقرر عند ھؤلاء المحدثین و نجد فی صحیح مسلم احادیث عن ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ لیست من روایۃ اللیث عنہ قال الذھبی فی المیزان فی صحیح مسلم عدۃ احادیث مما لم یوضح فیھا ابو زبیر السماع عن جابر ولا من طریق اللیث عنہ ففی القلب منھا اھ۔

قلت: ولکن لم یکن منھا فی قلب مسلم شئ فاد رجھا فی صحیحہ الذی جعلہ حجۃ بینہ وبین ربہ عزوجل وروی ابن جریر عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما نزلت اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحدیث ۔

قال ابن جریر ھذا حدیث لایعرف لہٗ مخرج عن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھذا اللفظ الا من ھذا الوجہ وھو عندنا صحیح سندہ لاعلۃ فیہ توھنہ ولاسبب یضعفہٗ لعدالۃ نقلتہ وقد یعلل بان قتادۃ مدلس ولم یصرح بالسماع والتحدیث اھ

وھذا امام الحنفیۃ امام الفقہا امام المحدثین الحافظ الناقد البصیر بعلل الحدیث الامام ابوجعفر احمد الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ روی فی کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکۃ

عنوة حديثين احدهما عن عكرمة قال۔
لما وادع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اهل مكة۔ والآخر حديث الزهری وغیرہ قال۔ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد صالح قریشا۔ الحدیثین بطولهما۔
قال بعدہ: فان قلتم ان حدیثی الزهری عن عکرمة الذین ذکرنا منقطعان قیل لکم وقد روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما حدیث یدل علی ما رویناہ۔
حدثنا۔ فهد بن سلیمان بن یحیی ثنا یوسف بن بهلول ثنا عبد اللہ بن ادریس حدثنی محمد بن اسحٰق قال قال الزهری حدثنی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما الحدیث فی نحو ورقة کبیرة قال فی آخرہ فهذا حدیث متصل الاسناد صحیح اھ
ومعلوم ان "قال، فلان۔ کعن فلان" لعدم بیان السماع فیهما۔
قال الامام النووی فی التقریب انہ لیس الاسناد ان یروی عمن عاصرہ مالم یسمعہ منہ موهما سماعہ قائلا: "قال فلان، اوعن فلان" ونحوہ الا فی ما عنعنہ ابن اسحٰق ان حکم هذا قیل الامام الحجة انہ متصل الاسناد وانہ صحیح فقد رفع مکحول وأبو اسحٰق السبیعی کلتا الشبهتین الکلام فی ابن اسحٰق وعد التہ والاتیان من قبل عنعنتہ بلفظہ الکریم الصریح وللہ الحمد۔ وهذا إمامنا، ثانی ائمة مذهبنا الإمام أبو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنهم قد اکثر فی کتاب الخراج الاحتجاج

باحاديث محمد بن اسحٰق معنعنة وغير معنعنة وقد قالوا كما فى ردالمحتار وغيره : إن المجتهد إذا استدل بحديث كان تصحيحاً له . فقد صحح الإمام ابو يوسف احاديث ابن اسحٰق وعنعنة كيف ؟ وقد ادرجها فيما أوجب العمل به اذ قال فى مبدء كتابه ان امير المومنين ايده الله تعالى سألنى ان أضع له كتاباً جامعا يعمل به فى جباته الخراج والعشور والصدقات والجوالى مما يجب العمل به وقد فسرت ذلك وشرحته اهـ .

نفحہ (٤) :- كفانا المولى سبحانه وتعالى النظر فى توثيق ابن اسحٰق وحجية حديثه بان الذى الين له الحديث كما الين لداؤد عليه الصلوٰة والسلام الحديد رواه فى كتابه الذى قالوا فيه : " من كان فى بيته فكانما فى بيته نبى يتكلم وسكت عليه "

وقد قال كما فى مقدمة الامام ابن الصلاح ذكرت فيه الصحيح وما يشبهه ويقاربه وفى فتح المغيث عن الامام ابن كثير ... عنه " ماسكتُّ عنه فهو حسن " اهـ

وفى رسالته الى اهل مكة ما كان فيه حديث منكر نبينته بما أنه منكر - وقال ابو عمر بن عبد البر : كل ما سكت عليه فهو صحيح عنده وقال المنذرى : كل حديث عزوته الى ابى داؤد وسكت عنه فهو كما ذكره ابوداؤد ولا ينزل عن درجة الحسن وقد يكون على شرط الصحيحين وقال : ابن الصلاح ثم الامام النووى فى التقريب ما وجدنا فى كتابه مطلقا فهو حسن عند ابى داؤد وقال : العلامة

ابن الترکمانی فی الجوهر النقی اخرجہ ابو داؤد وسکت عنہ فاقل احوالہ ان یکون حسنا عندہ علی ماعرف، وقال الزیلعی فی نصب الرایۃ: ان ابا داؤد روی حدیث القلتین وسکت عنہ فہو صحیح عندہ علی عادتہ فی ذلک ۔ وقال الحافظ العراقی !

ثم الشمس السخاوی فی المقاصد الحسنۃ : یکفینا سکوت ابی داؤد علیہ فہو حسن وقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر : سکت علیہ ابوداؤد فہو حجۃ ۔ وقال العلامۃ محمد بن امیر الحاج : رواہ ابوداؤد وسکت علیہ فیکون حجۃ علی ماہو مقتضی شرطہ ۔ وقال العلامۃ ابراهیم الحلبی فی الغنیۃ سکت علیہ ابو داؤد والمنذری بعدہ فی مختصرہ وهو تصحیح منهما اھ ۔

وقال الخطابی فی معالم السنن : کتاب ابی داؤد جامع لنوعی الصحیح والحسن ۔

اما السقیم فعلی طبقات شرها الموضوع ثم المقلوب ، ثم المجهول، وکتاب ابی داؤد خلی منها بری من جملۃ وجوهها اھ ۔

وقال الامام البخاری فی جزء القراءۃ قال علی بن عبد اللہ نظرت فی کتاب ابن اسحٰق فما وجدت علیہ الا فی حدیثین ویمکن ان یکون صحیحین اھ

وقد بینهما الفسوی عن علی لیس حدیثنا هذا بحمد اللہ تعالٰی منهما احدهما عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: إذا نعس احدکم یوم الجمعۃ ۔ والآخر عن زید بن خالد اذا مس

احدكم فرجه فليتوضأ، وعلىٰ هذا هو ابن المديني شيخ البخاري الذي كان يقول فيه البخاري ما استصغرت نفسي الا عنده، فثبت بحمد الله تعالىٰ ان ابن اسحٰق ثقة وان الحديث حسن صحيح۔

نفحه (٥) :- اكثر اصحاب لزهري لم يذكروا في الحديث "على باب المسجد" ولا "بين يديه" وهما زيادة ثقة فوجب قبولهما، ومن الظلم قبوله في هذا، لا في ذلك فليس مستند كونه "بين يديه" من الحديث الا زيادة ابن اسحٰق ومن اشد الجهل زعم ان زكره ما لم يذكروا المخالفة لهم والا لاضطربت الاحاديث عن آخرها. اَللّٰهُمَّ اِلَّا افرادًا عديدة۔

فما من حديث اتى بطريقين او اكثر إلا وفي بعضها ما ليس في الآخر، اِلّا نادرًا، ولا عبرة بالنادر۔ هذا وجهٌ۔

وثانيًا۔ كثيرًا ما ترى الائمة المحدثين يجمعون الطرق فيقول احدهم حدثنا فلان۔ وفلان وفلان عن فلان يزيد بعضهم علىٰ بعض ثم يسوق الحديث سياقًا واحدًا افترا هم يجمعون بين الضب والنون۔

وثالثًا۔ مفسرو القرآن العظيم من الصحابة والتابعين وهلم جرًا كلما فسروا واقعة ذكرت في القرآن المجيد زادوا أشياء ليست في القرآن العظيم فاذن كلهم يخالفون القرآن الكريم حاشاهم۔

ورابعًا۔ في الصحيحين عن ابي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه

عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم الا احدثکم حدیثا عن الدجّال
ماحدث به نبیٌ قومَه انه اعور الحدیث فاذن یکون صلی اللّٰہ تعالیٰ
علیه وسلم والعیاذ باللّٰہ تعالی قد خالف جمیع الانبیاء علیهم الصّلوٰة
والسّلام فی بیان واقعة دهذا الایتفوه به مسلم ۔

وخامسًا ۔ السور القرآنیة تذکر قصة موسیٰ وغیرها یزید بعضها
علی بعض وحاشا القرآن ان یتخالف ۔

نفحه (۶) :۔ ماجهل من زعم ان الحدیث متناقض بنفسه
فان قوله بین یدی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم یعارض
قوله علی باب المسجد فلوکان علی الباب کیف یکون بین یدیه وھذا انهم
لایتصوّر الّامن وھم ۔ اذا جلست علی المنبر دتجاه وجهك باب فالقائم
علیه هل یکون بین یدیك ام خلفك ۔

والصفوف الجلوس بینکما لاتحجبه عن نظرك الاتری ان اللّٰہ
تعالیٰ سمّی السماء بین ایدینا اذ قال و قوله الحق ۔ اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَابَیْنَ
اَیْدِیْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ۔

وکم من جبال بینهما وبیننا وسیأتیك زیادة وافیة فی
تحقیق معنی ، بین یدیه ، انشاء اللّٰہ تعالیٰ ۔

نفحه (۷) :۔ اذابطل زعمة التناقض انتقض مابنی
علیه من وجوب تاویل الحدیث فان الشجرة تنبئ عن الثمرة ولکن
ان تعجب ۔ فعجب قوله وان المراد بالباب الباب الذی کان فی
جدار القبلة قبل تحویلها الی الکعبة المشرفة فیا للانصاف باب کان

وبان وصار جدارًا والباب الحقیقی موجود الآن فاذا ذکر باب المسجد هل یذهب ذهن احد الی ان القائل لم یرد الباب بل الجدار فمثل هذا یکون تحویلا وتعطیلا وتبدیلا لا تأویلا ولا سیما والحاکی لهذا اعنی سیدنا السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یشاهد ذلک الباب الکائن البائن قط۔

فانہ کان ابن سبع عند وفاۃ المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فولادتہ سنۃ ثلاث او اربع من الهجرۃ الشریفۃ وتحویل القبلۃ فی السنۃ الثانیۃ فهو یحکی ما شاهدہ فکیف یرید بابا لم یشاهدہ۔

ثم انک تحتاج فیہ الی مجاز فی مجاز فان ذلک الباب کان فی الجدار القبلی والمنبر دونہ بینهما ممر شاۃ والمؤذن دون المنبر فکیف یکون حقیقۃ علی الباب انتری انہ کان یؤذن متقدما الی جدار القبلہ مستدبرا للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او متوجها الی ظهرہ الشریف متدبرا للقبلۃ بل لو فرض هذا لم یکن ایضا حقیقۃ علی الباب المفقود ای محلہ الموجود لانہ الآن مسدود۔

نفحہ (۸) :- ارادۃ الباب الشمالی الموجود اذ ذاک وتاویل علی بالمحاذات ای کان یقوم المؤذن متصلا بالمنبر بین یدی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولکونہ اذ ذاک علی محاذاۃ الباب الشمالی۔

قیل لہ علی باب المسجد کلام مفسول مرذول

فاولًا - تجوز بعید من دون قرینۃ والتکلم بمثلہ تغلیط للسامع

وتلبيس للسنّة فلا يظن بالصّحابي۔

وثانيًا ۔ فيه تضييع قوله على باب المسجد، لان الباب لما كان محاذيا للامام فالقائم بين يدى الامام قائم على محاذاة الباب قطعا اينما كان ۔ فذكره بعد ذكره ليس فيه تخصيص ولا توضيح ولا افادة شئ مقصود اذ لم يكن القصد شرعًا الا الى المواجهة الإمام. لا إلى محاذاة الباب فبقى لغوا ۔عبثا لا طائل تحته ۔

وثالثا ۔ ان من اشنع الاباطيل ما يقضى وجوده عليه بالرحيل وذلك ان التاويل انما يحتاج اليه اذا لم يستقم المعنى الظاهر وانما احلت الظاهر لمنافاته بزعمك قوله بين يديه وما مفهوم بين يديه الا المحاذاة بلا حائل. كما اعترف به ابن اخت خالتك فالذى قام لصيق المنبر اذا كان على محاذاة الباب كما اعترفت الآن. كيف لايكون الذى على الباب محاذيا للامام ولا حائل ثمه يحجبه من النظر نصدق بين يديه فتاويلك باطل باستقامة المعنى الظاهر ۔

واستقامته تقتضى لبطلان التاويل فكان وجوده حاكما بعدمه وهذا هو اشنع الاباطيل ۔

نفحه (۹) :۔ اشنعُ منه زعم ان العاطف محذوف قبل قوله

---

(۱) ومثله، بل أبعد منه قول اعجاز الحق : أنّ فى رواية محمّد بن اسحٰق تقديرًا، يعنى اذا جلس النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم على المنبر أذن بين يديه (بعد ما كان) على باب المسجد ۔ فالنداء لا بالفاظ مخصوصة على باب المسجد كان فى ز من النبى

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم والشیخین، ثم جعل عثمٰنُ هذا النداء أذانا، ای بالفاظ مخصوصة علی مکان عالٍ هو الزوراء علی ما صرح به فی المرقاة۔

فهذا هو التحقیق الحقیق بالقبول، وبه ارتفع التعارض فی الروایات۔ ونرید القول بألفاظه الفصیحة۔ فهذا الشدة [سفاهته لازن انته] لم یقنع بحذف حرف واحدٍ لتوهمه أن "یؤذن" فی الحدیث علی ....

ولعمر الله لو جوّز أمثالُ هذه الحذفات فی الکلام لهان تحویل کل نص، إلی ما تهوی الانفس اللئام فیقول من یبیح الزنا للاعزب: الحقّ أنّ فی قوله تعالی "ولا تقربوا الزنا" بعد ما تزوّجتم. لان المتأهّل عنده ما یغنیه من الزناء المحرم علیه بخلاف الأعزب، فانّه محتاج الیه۔

ویقول من یبیح قتل الشُّبان: الحقّ أنّ فی قوله تعالی: "ولا تقتلوا النفس التی حرّم اللهُ" تقدیرًا، یعنی بعد ما تحرم۔ لان القتل لدفع الایذاء والهرم أضعفُ من أن یُّؤذی أحدا، بخلاف الشباب فانه ان لم یوذ حالا فیستطیع أن یّؤذی۔ وقتل الموذی قبل الایذاء۔

ثم هو بنفسه لم لایستدلّ علی مزعومه بآیة الجمعة قائلاً: ألحقّ أن فی کلامه تعالی تقدیرًا: یعنی "إذا نودی للصّلوة داخل المسجد لزیق المنبر یوم الجمعة۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم"

وما نسب التصریح به إلی القاری فلم یصرّح به ولم یکن، وإنّما أبدی من عند نفسه عدة احتمالات شتّیٰ لما سبق إلی وهله فاحتال هو بعده للتوفیق کما یأتی بعونه تعالی بیانُه الشافی فی نفحة عشرین من الشمامة الرابعة ۔۱۲منہ

"علی باب المسجد" والمعنی کان الاذان تارۃ بین یدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و تارۃ علیٰ باب المسجد۔ او کان یکون فی المحلین غیران الذی علی الباب کان اعلاما بغیر لفظ الاذان و ھذا بحکایتہ یعنی عن نکایتہ۔

فما مثلہ الا کمن یقول فی قولہ تعالیٰ۔ صِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِن قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا۔

ان الواو بمعنی او محذوف قبل "من قبل" والمعنی اما متتابعین او قبل ان یتماسا۔

ثم۔ لیس مبناہ الا علی زعم المقابلۃ بین "بین یدیہ" و"علی الباب" وما ھو الا وھم فی تباب فلو وجد العاطف لم یدل علی التوزیع بل علی جمع الجمیع وھو مرادنا۔

ثم۔ یلزم علی الثانی وجود التثویب فی الجمعۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو خلاف ما صرحوا بہ بل السائب نفسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول لم یکن للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن غیر واحد وکان التاذین یوم الجمعۃ حین یجلس الامام یعنی علی المنبر رواہ البخاری۔

ثم۔ ھذا الاذان ھو المحکوم علیہ فی الحدیث بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبکونہ علی الباب فکیف تفصیل بینھما بان ما علی الباب اعلام غیر الاذان الا ان تقدر مع العاطف معطوفا وھو الاعلام او تحمل الاذان علی عموم المجاز فترتکب مجازا علی مجاز وترک الحقیقۃ من دون ضرورۃ ملجئۃ وثیقۃ اشنع مسلک

واخنع طريقة وبالجملة امثال الهوسات لايرتكبها الامن يكيد النصوص بتعطيل ويريد التغير باسم التاويل۔

نفحه (١٠) :۔ وبعض من يتعير نا به الجهل ارادان يبدی فی الحديث علة تهدمه عن اصله فزعم أن لم يكن فی زمنه صلی الله تعالی عليه وسلم للمسجد الكريم باب تجاه المنبر انما كان له ثلثة ابواب باب جبريل[1] فی الشرق وباب السلام وباب الرحمة فی الغرب وهذا هجوم علی رد الحديث بالجهل الخبيث ۔ كان للمسجد الكريم ثلثة ابواب باب جبرئيل فی الشرق ثم زاد امير المؤمنين عمر رضی الله تعالی عنه باب النساء وباب الرحمة فی الغرب، ثم زاد امير المؤمنين باب السلام وباب ابی بكر فی الشمال ثم زاد امير المؤمنين باباً آخر كما فصله عالم المدينة السيد السمهودی رحمة الله تعالی عليه فی خلاصة الوفاء۔

وحسبك حديث البخاری فی ابواب الاستسقاء عن انس بن مالك رضی الله تعالی عنه ان رجلاً دخل يوم الجمعة من باب كان وجاه المنبر ورسول الله صلی الله تعالی عليه وسلم قائم يخطب الحديث۔

---

[1] هذه الاسامی حادثة ولا يقيت الأبواب فی محل الأبواب بل أحدثت علی محاذاتها بعد الزيادات ١٢ منه

نفحه (١١) :- لا يذهبن عنك ان ههنا سُنّتين. سنة خاصة باذان الخطبة وهو كونه بين يدى الخطيب حين جلوسه على المنبر۔

وسنة عامة لكل اذان وهو كونه فى حدود المسجد أو فنائه، لافى جوفه كما ستسمع نصوص الفقهاء عليه وقد سردنا لك اسماءهم وقد أرشد حديث السائب رضى الله تعالىٰ عنه اليهما معًا۔

فالأُولىٰ قوله بين يدى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذا جلس على المنبر، والاخرى قوله على باب المسجد فان باب المسجد فى حدوده لافى جوفه وخصوصية الباب ملغاة قطعًا۔

وانّما لايكون عليه لكونه وجاه المنبر، لولا ذلك لم يكن على الباب بل على حافة المسجد اوفى فنائه بين يدى الامام۔ فانكشف به سوالان كثيرا ما تورد هما جهلة الهنود۔

الاول۔ ان العلماء لم يذكروا من سنن هذا الاذان كونه على الباب قلنا لهم۔ لِمَ يذكرونه مع انه غير مقصود فى هذا الباب وما مثله الاكمثل من يرى حديث ان بلال رضى الله تعالىٰ عنه كان يؤذن على سطح بيت ستّنا نوار اُمّ زيد بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنهما فيحسب ان السنّة فيه كونه من سطح بيت الجيران حتى لوكان على منارة اوعلى جدار المسجد كان مخالفًا السنة، وهذا الجهل منه بان القصد كان على محلٍ عالٍ لاالى خصوص سقف جارٍ، كذا ههنا ام۔

والثانى۔ ان الفقهاء لايذكرونه فى باب الجمعة سنية اذان الخطبة خارج المسجد فى حدوده انما يذكرون استنانه كونه بين يدى

الامام قل لهم : ولم يذكرونه ثمه فانه لا يختص به بل هو حكم مطلق الاذان الشرعی فمحل ذکره هو باب الاذان، لا باب الجمعة وقد ذكروه فيه نعم كونه بين يديه كان من خصوصيات اذان الخطبة فذكروه فی باب الجمعة اشتمل الحديث على حكمين، خاص وعام وكان من حقهما ان يذكر الخاص فی باب الخاص والعام فی باب العام وكذلك فعلوا ولكن العوام لا يفقهون هذا على تسليم زعمهم والا فعلماؤنا لم يخلوا باب الجمعة ايضا عن افادة هذا الحكم، كما سترى بعون العلی الاعلى۔

نفحه (۱۲) :- اذا عجزوا من كل جهة قالوا هذا حديث لم يعرج عليه الناس فكان مهجورا عندهم وهذا كما ترى قول من لم يترعرع عن العامية شيئا الحديث وكل شئ انما يطلب فی معدنه ولا يضره عدم وجدانه فی غيره ومع هذا ما هی الاشهادة نفی، ولا سيما من قوم عمی۔ ولو ابصروا النظروا، ان العلماء لم يزالوا يوردونه ويعتمدونه ففی تفسير الخازن : (اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ) اراد بهذا الاذان عند قعود الامام على المنبر لانه لم يكن فی عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نداء سواه۔

ولابی داؤد قال كان يؤذن بين يدی النبی صلى الله تعالى عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد اھ مختصر

وفی تفسير الكبير : قوله تعالى۔ اذا نودی يعنی النداء اذا جلس الامام على المنبر يوم الجمعة وهو قول مقاتل ۔ وانه كما قال لانه

لم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نداء سواہ۔ کان اذا جلس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام علی المنبر اذن بلال علی باب المسجد وکذا علی عہد ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اھ۔

وفی الکشاف: النداء الاذان، وقالوا المراد بہ الاذان عند قعود الامام علی المنبر، وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام للصّلوٰۃ ثم کان ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما علی ذلک۔

حتی اذا کان عثمٰن وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنا آخر فامر بالتاذین الاول علی دارہ اللتی تسمّٰی "زوراء" فاذا جلس علی المنبر اذن المؤذن الثانی فاذا نزل اقام للصّلوٰۃ اھ وفی الدر الشفاف لعبداللہ بن الہادی۔ کان لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذّن واحدٌ فکان إذا جلس علی المنبر أذّن علی باب المسجد فإذا نزل أقام الصّلوٰۃ اھ وکذا فی النھر الماد من البحر المحیط لأبی حیان: کذا کان فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان إذا صعد المنبر أذّن علی باب المسجد وإذا نزل بعد الخطبۃ أقیمت الصّلوٰۃ۔ وکذا کان فی زمان أبی بکر وعمر إلی زمان عثمان، وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذنًا آخرًا فأمَرَ بالتاذین الاول علی دارہ الزوراء فاذا جلس علی المنبر اَذّن المؤذّن الثانی. فإذا نزل أقام الصّلوٰۃ، فلم یعب علی ذلک أحدٌ۔ وفی تقریب الکشاف: کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکذا الشیخین بعدہ مؤذّن واحد یؤذن عند الجلوس علی المنبر علی باب المسجد اھ

وفی تجرید الکشاف لابی الحسن علی بن القاسم کان لہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن واحد فکان إذا جلس علی المنبر أذن علی باب المسجد فإذا نزل اقام الصلوٰۃ اھ

وفی تفسیر النیسابوری للنداء الاذان فی اول وقت الظہر وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد الخ مثل ما فی الکشاف. وفی تفسیر الخطیب ثم الفتوحات الالٰہیۃ: قولہ تعالیٰ. اذا نودی للصلوٰۃ المراد بھذا النداء الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر لانہ لم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نداء سواہ فکان لہ مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوٰۃ ثم کان ابوبکر وعمر وعلی بالکوفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم علی ذالک حتی کان عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکثر الناس وتباعدت المنازل زاد اذانا آخر الخ۔

وفی کشف الغمۃ للامام الشعرانی کان الاذان الاول علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا جلس الخطیب علی المنبر الی قولہ وکان الاذان علی باب المسجد اھ۔

الشمامة الثانية من صندل الفقه

نفحه (۱) :- الحمد لله تظافرت النصوص على كراهة الاذان في المسجد والنهي عنه بصيغة النفي الآكد من صيغة النهي - ففي الخانية[1]، والخلاصة[2] وخزانة المفتيين[3]، وشرح النقاية[4] للعلامة عبد العلي - والفتاوى الهنديه[5] والتاتارخانية[6] ومجمع[7] البركات - ينبغي أن يوذن على المئذنة وخارج المسجد ولا يؤذن في المسجد اهـ

وفي البحر[8] الرائق شرح كنز الدقائق وفي الخلاصة ولا يؤذن في المسجد اهـ

وفي شرح[9] مختصر الامام الطحاوي للامام الاسبيجابي ثم المجتبى شرح[10] مختصر الامام القدوري - لا يؤذن الا في فناء المسجد او على المئذنة اهـ -

وفي البناية[11] شرح الهداية للامام العيني لا يؤذن الا في فناء المسجد وناحيته اهـ[1]

---

[1] الناحية : الركن ، والجانب كلها بمعنى في القاموس : الناحية : الجانب اهـ

وفی الغنیۃ[۱۲] شرح المنیۃ ۔ الاذان انما یکون فی المئذنۃ او خارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ اھ

وفی نظم[۱۳] الامام الزندویسی ثم شرح[۱۴] النقایۃ للشمس القہستانی ثم حاشیۃ[۱۵] مراقی الفلاح لعلامۃ السید احمد الطحطاوی ویکرہ ان یؤذن فی المسجد اھ

وفی غایۃ[۱۶] البیان شرح الہدایۃ للعلامۃ الاتقانی وفی فتح[۱۷] القدیر شرحہا للمحقق علی الاطلاق : قولہ : (ای الامام برہان الدین صاحب الہدایۃ) والمکان فی مسألتنا مختلف یفید کون المعہود اختلاف مکانہما وہوکذلک شرعا فالاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد اھ

وقالا فی الکتابین[۱۸] فی مسئلۃ سنیۃ الطہارۃ لخطبۃ الجمعۃ قیاسًا علی الاذان مانصہ : الأول ماعینہ فی الکافی جامعًا وہو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد ای فی حدودہ لکراہۃ الاذان فی داخلہ اھ

وفی المصباح : الجانب : الناحیۃ ۔ وفی تاج العروس رکن الجبل والقصر جانبہ وأرکان کل شیٔ جوانبہ التی یستند إلیہا ویقوم بہا اھ واللفظ مبنیٔ من التنحی والإعتزال کالمجانب من المجانبۃ والإنفصال وتری رکنی الکعبۃ الکریمۃ الأسود والیمانی خارجۃ منہا وذکر فی خلاصۃ الوفاء أن عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ جعل للمسجد اربع منارات فی زوایاہ الأربع

ثم قال : کلّ ذلک من البلاط إلی الأرض خارج المسجد ۔ منہ غفرلہ

فهذه تسعة عشر نصا وختم العشرين بكلام الامام ابن الحاج المكی مالکی فانه رحمه الله تعالیٰ عقد فی المدخل فصلا للنهی عنه وفی نفی فعله من السلف الصّالح مطلقًا ۔

فدخل فیهم ائمة المذاهب الاربعة جمیعا ومن قبلهم من الصحابة والتابعین رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین وهذا مانصه۔

فصل ۔ فی النهی عن الاذان فی المسجد وقد تقدم أنّ لِلاذان ثلثه مواضع، المنار، وعلی سطح المسجد، وعلی بابه واذا کان ذلك کذلك فیمنع من الاذان فی جوف المسجد فی الوجوه احدها انه لم یکن من فعل من مضیٰ الی اٰخره ۔

نفحه (۲) :- بمرأی منك هذه النصوص بعمومها واطلاقها فان الفعل کما عرف فی الاصول فی قوة النکرة وقد وقع فی حیز النفی فقولهم لایؤذن فی المسجد عام والباقی مطلق ولا اثر فیها للتخصیص والتقیید فوجب إمرارها کما هی واللتی فیها ذکر المئذنة ۔

فاقول اولًا ۔ لا تُؤذن بخروج اذان الخطبة فان الناس بعد الصدر الاول احدثوا اعلاء المنابر وکذا بحذائها الاذان الخطبة کما هومشهود ههنا فی الجوامع السلطانیة ستعلم جواز ذلك بشرطه فیصدق علی هذا الاذان ایضا انه علی المئذنة وان لم تکن ففی الفناء۔

وثانیًا ۔ الحکم علی مطلق اوعام بمفهوم مردّدٍ انما یقتضی ان لایخلوشیٔ من افراده عن کلا الوجهین ۔ اما کون کلّ فرد یجری فیه الوجهان فلا ، وهذا ظاهرجدًّا ۔ وعبارة نسختی الفتح والعنایة۔ واَمّا

الاذان فعلى المئذنة فان لم يكن بياء تحتية اى الاذان عليها. ففى فناء المسجد وعدم كونه عليها يشمل الترك والكف فيدخل فيه كل اذان وكذا على لنسخة. تكن. بتاء فوقانية والضمير للمنارة فان المراد الكون الشرعى والوجود حسيًا غير الوجود لشئ شرعا وعلى التنزل فزيادتهما لفظة "قالوا"

قطعت هذا الحكم عن سنن السابق وذلك لان لا يوذن بمعنى لا يفعل الاذان وهو بعمومه كان يشمل كل اذان لكن على هذا التنزل الأخير لما كان الكلام فى ما بين العبارتين فى اذان المنائر خاصّة فلو لم يا تيا بقالوا لا شمل الظرف الحكم الى العهد ومقصودهما رحمهما الله تعالىٰ مع الاستدلال به على المسئلة الخاصة افادة الحكم العام فزادا قالوا انصارحكما منقولا ولا عهد فى المنقول عنه فلم يسر اليه عهد سياقه وبقى على محوضة اطلاقه۔

ولعمرى لا يوقف على اشاراتهم الا بتوفيق من بركاتهم والله الموفق لارب سواه۔

نفحه (۳) : بتوفيقه تعالىٰ ظهرت فائدة لفظة "قالوا" فى هاتين العبارتين وليست فى غيرهما وليس كلما قالوا "قالو" ارادوتبرأ۔ اوافادة خلاف كما يشهد به التتبع ولا هو[1] مصطلح

---

[1] ومن نسب فى مسئلتنا هذه زيادة لفظة "قالوا" الى الإمام فقيه النفس قاضى خان فقد كذب وافترىٰ كما ترىٰ۔ منه حفظه ربّه۔

کل احد بل قال السیّد العلاّمة ط فی حاشیة الدر المختار۔

د فی ردالمحتار فی مسئلة مس المحدث کتب الاحادیث والفقه:
قال فی الخلاصة: یکره عندهما. والاصح انه لایکره عنده ومشی فی الفتح الی الکراهة فقال۔ قالوا یکره مس کتب التفسیر والفقه والسنن لانها لاتخلوا عن آیات القرآن و هذا التعلیل یمنع من شروح النحو اهـ فجعله مشیًا علیه' وفی النهر الفائق فی مسئلة ما اذا زوج البالغة غیر کفؤ فبلغها فسکتت لایکون رضا عندهما وقیل فی قوله رضا إن المزوّج ابا أوجدا جزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا اهـ۔
فجعله جزمًا به، کذا ههنا جزم الإمامان بوجهین،
الاول۔ مقصودهما ههنا تعلیل القول المعتمد وهو قول الامام ان لا فصل بین اذان المغرب واقامته بجلسة راجع الهدایة وانظر الی قولهما یفید کذا وهو کذلك شرعًا فهما بصدد اثباته وتحقیقه لا التبری عنه وتزئیفه۔
والآخر ما نقلنا منهما من قولهما الآخر حیث أزلا فیه کلام الکافی۔ وجزما بکراهته داخل المسجد فوضح الحق ولله الحمد۔
نفحه (۳) :- لیس بخاف علی کل من له حظ من علم او عقل علی ان الاستدلال علی الخاص بالعام صحیح نجیح تام وقد فعله رسول الله

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ تلا آیۃ " فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ " الآیۃ ۔ والصحابۃ بعدہ والائمۃ ولو کلفنا اثبات کل خاص بما یخصہ لبطلت الشرائع وترک الانسان سدًی ، فان الشریعۃ لاتاتی الا باحکام عامۃ تشتمل الناس کافۃ فلولم یکن الاحتجاج بالعام یطلب کل واحد حکما اُتی لہ بالخصوص فما اجہل الوہابیۃ العنود ومن تابعہم من جہلۃ الہنود ۔

اذ یقولون ایتونا للنہی فیہ ذکرا ذان الخطبۃ خاصۃ و یُدانیہ قول من یقول منہم ان الفقہاء انما ذکروا ھذا الحکم فی باب الاذان ولم یذکروہ فی باب الجمعۃ وقد مرّ کشف ھذہ الجہالۃ فی النفحۃ ۱۱ من النفخات الحدیثیۃ اتزعم الجہلۃ ان اذان الخطبۃ لیس لہ من الحکم اما ماذکر فی باب الجمعۃ من کونہ بین یدی الخطیب مثلاً کلاّ بل یعتبر بہ سائر الاحکام المذکورۃ لمطلق الاذان فی باب الاذان فلو لم یکفیہ البیان ثمہ من این تاتی تلک الاحکام لہذا الاذان وھذا شئ لایخفی حتی علی الصبیان ولکن الوہابیۃ واتباعہم قوم لایفقہون ۔

ھذا ما کان طریق العلم رحمہ اللہ الإمامین الاتقانی والمحقق علی الاطلاق واجذل قربہما یوم الطلاق حیث داویا جہل ھٰؤلاء بوجہ لم یبق لہم عذرًا ولاحیلۃ وذلک ان الإمام صاحب الہدایۃ ۔

فی مسئلۃ ندب الطہارۃ لخطبۃ الجمعۃ قاسہا علی الاذان

وذکرمایوھمران الجامع کونہا شرط الصّلوٰۃ وھوظاھرالبطلان فالامام الشارحان عدلامنہ الی ماعیّن الامام النسفی جامعًا فی الکافی وھوکونہا ذکراللہ فی المسجداى ذکرًا موقتًا کالاذان وکان یردعلیہ أنّ الأذان لیس ذکرفی المسجدلکراھتہ فیہ فاوّلاہ بأنّ المراد فی حدودالمسجد فلو أنّ أذان الخطبۃ کان یکون فی المسجدلما احتیج الی التاویل اصلاً فقیاسُ خطبۃ الجمعۃ علی اذان الخطبۃ بجامع کون کل منہماذکرًا موقتًا فی المسجد کان إذن صحیحا قطعا ای شئ کان احق بقیاس الخطبۃ من اذانہا لکنہما اوّلا فارشدا بارشاد بین من الشمس ان اذان الخطبۃ ایضا مکروہ فی المسجد، وأیّ نص انص ترید من ھذا وللہ الحمد۔

نفحہ (۵) لیست المسئلۃ من النوازل ولاعزوھا الی احد من المشائخ بل ارسلوھا ارسالا والذاکرون لہا اولئك الائمۃ الأجلّاء وامثالہم کالامام قاضی خان ونظرائہ اذا ارسلوا دلّ علی انہ المذھب لماعرف من عادتہم عزوتخریجات المشائخ الی المشائخ قال فی الغنیۃ ذوی الاحکام فی مسئلۃ النعاس صرح بہ قاضیخان من غیراسنادہ لاحد فاقتضی کونہ المذھب۔ اھ

فالتشکیك فیہ بانہ غیرمعزوالی سیدناالامام الاعظم۔ ولیس حاصلہ الاشیأن رفع الامان عن عامۃ مسائل الشرح والفتاوی الغیرالمعزیۃ الی احد وابطال سائرما فیہ من المعزیات الی مشائخ المذاھب۔ لانّ الاوّل اذالم یقبل لعدم العلم بکونہ عن الامام فالآخراحدی بالرد للعلم بعدم کونہ عن الامام وانت تعلم ان فیہ

ابطال ثلثي مسائل المذهب او ثلثة ارباعها وانما كان علينا اتباع ما رجحوه وصححوه كما لو افتونا في حياتهم فكيف بما القوا به جازمين به من دون اشعار بخلاف فيه والله الموفق ـ

نفحه (٦) :- اذ لم يأت لهم تخصيص النصوص حاولوا ان يخرجوا اذان الخطبة من جنس الاذان كي يخرج بنفسه مما يشمل شئ من احكام الاذان من دون حاجة الى تخصيص. وذلك ان الاذان اعلام الغائبين والاقامة اعلام الحاضرين كما نص عليه الائمة منهم.

الامام العيني في عمدة القاري شرح صحيح البخاري: في الهداية الاذان الاستحضار الغائبين، فجعلوا اذان الخطبة اعلاما للحاضرين لا نداء للغائبين، كي لا يكون اذانا وان كان بكلمات الاذان كالاذان في اذن المولود والمهموم وخلف المسافر ولدفع الغيلان وعند الاقبار لتذكير الجواب وطرد الشيطن وامثال ذلك حيث لا يقصد به نداء الخاص الى مشئ أو اعلامالهم بدخول الوقت اصلاً بل التبرك واستدفاء البلاء بتلك الكلمات الكريمة. ثم اضطربوا فجهلهم يقول لم يكن اذانا من لدن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، واذا قيل له افكان صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي الجمعة من دون اذان قال ليس فيه، انما كان يصلي الصلوات كلها بمكة بدون اذان ـ

ولا يدري هذا المسكين ان هذا انكار للاجماع وتصريح القرآن

فقد اجمعوا انہ لم یکن من عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للجمعۃ الاھذا الاذان واللہ تعالیٰ یقول ۔ یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ ۔

وانما الامر بالسعی للغائبین دون الحاضرین لاستحالۃ تحصیل الحاصل ۔ واللہ تعالیٰ یقول وذروا البیع ۔

وانما البیع والشراء کان فی الاسواق لا فی المسجد فدل النص ان اذان الخطبۃ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان نداء للغائبین الی الصلوٰۃ دھذا ھو الاذان المصطلح شرعی وصلوٰۃ مکۃ کانت قبل نزول الاذان فقیاس الجمعۃ علیہا جھلٌ لا یُقاس ولایمان وغیرہ یقول نعم کان الاذان علی عہد رسول اللہ وصاحبیہ صلی اللہ علیہ وعلیہما وسلم ۔ فلما احدث ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاذان الاول کان ھو الاذان وبقی ھذا اعلامًا للحاضرین وعلیہ نرع مقرع منھم انہ لما کان فی الزمن الاول للاعلام ناسب باب المسجد وفی زمن عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صار للانصات فناسب داخل المسجد لدی المنبر ۔

اقول ۔ وھذا ایضا من اُبیَن الاباطیل وخلاف اجماع ائمتنا الکرام ۔ فاولاً قد اجمعوا للجمعۃ اذانین وثانیاً یعاد اذان الجنب لا اقامتہ علی المذھب وعللوہ بان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ کما فی الھدایہ واستشھدوا علیہ باذان الجمعۃ ۔

قال فی الکافی والتبیین والعنایۃ والدر المختار وغیرھا۔ فان تکرار الاذان مشروع فی الجملۃ کما فی الجمعۃ الی ھنا متفقون ثم قال الکافی فاما تکرار الاقامۃ فغیر مشروع اصلا وفی التبیین دون الاقامۃ وفی العنایۃ بخلاف الاقامۃ ونظم الدر لمشروعیۃ تکرارہ فی الجمعۃ دون تکرارھا اھ۔

فلو لم یکن الثانی اذانا مثل الاول فاین التکرار۔

وثالثا۔ صریح نص البحر فی البحر لان تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض بخلاف تکرار الاقامۃ اذ ھو غیر مشروع اھ۔

ورابعًا۔ لم تغیر الاذان عما کان علیہ لحدوث الاول لان الاعلام حصل بالاول فلا یحصل بالثانی فانسلخ ضرورۃ عن الاذانیۃ وکونہ اعلاما للغائبین أم لان امیر المومنین عثمن ھو الذی قطعہ عما کان الاول باطل اجماعًا انما التثویب الاعلام بعد الاعلام وکرہ المتقدمون واستحسنہ المتاخرون فکان ھذا اجماعًا منھم علی ان الاعلام مما یقبل التکرار اذ لو استحال لاستحال ان یکون مکروھًا اوحسنًا۔ وأیضا کفی للرد علیہ کلام البحر والثانی، اشد واشنع واشرد اخنع ان یکون امیر المومنین بدل وحرف سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاشاہ من ذلک نعم للخلفاء الراشدین ان یضیفوا سنۃ کما اضاف الاذان الاول یوم الجمعۃ وتبعہ علیہ المسلمون فی عامۃ البلاد۔

واما ان يغيروا سنة فكلا ، واجارهم الله تعالٰی عن ذلك الاترى الى ما قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ستة لعنتهم لعنهم الله وكل نبى مجاب وذكر منهم التارك بسنتی رواه الترمذی عن ام المومنين والحاكم عنها وعن امير المومنين علی ۔ رواه الطبرانی فی الكبير عن عمرو بن شفوی رضی الله تعالٰى عنهم بلفظ سبعة لعنتهم وكل نبى مجابٌ والعجب ممن يقول ان عدم اعتبار تغيير عثمٰن ضلالة بتعليمه ولايدری المسكين ان نسبة تغيير السنة الى عثمٰن هو الضلال البعيد، هٰذا وجه وكفٰی به وجها وجيها ۔

الثانی ۔ حيث يسوغ الاعلام مكررا فمن ذا الذی اخبركم ان عثمٰن قطعه عنه أأقرأنی قطعة ام امر المؤذن ان لا يتوبه او امره أن يخفيتة أو يخفيه أم تقولون على عثمان مالا تعلمون ولا تعلمون أنكم مسئولون قال تعالٰى : « ولا تقف ماليس لك به علم ان السمع والبصر والفواد كل اولئك كان عنه مسئولا »

الثالث ۔ حصول الاعلام كان لازم الاذان ان كان على وجه المعهود على عهد الرسالة فلا ينقطع عنه الا باحداث فيه يقعده عن الاعلام السالف وكيف يظن هذا بعثمٰن فان فيه تقليل الفائدة الشرعية وذلك انه رضی الله تعالٰی عنه احدث الاذان الاول ۔ . . . .

. . . لما كثر الناس فماذا كان يغيره هذا الثانی ان بقی على ما كان عليه فی عهد الرسالة والخلافتين كی يسمعه من لم يسمع الاول كما تقدم عن البحر فالذی يزعم ان عثمٰن احدث فيه ما قطعه من كونه اعلاما

يقول بملاء فيه ان عثمن غير السنة و نقص الفائدة و نقص المصلحة فكان معاذ الله محض محادة للسنة و مضادة وان عدينا عنه، فادنى احواله ان لا فائدة فيه فيكون عبثا فى الدين والعبث كما فى الهداية حرام و يكون لغوا وهم عن اللغو معرضون ـ

نفحه (۷) تحرر مما تقرر ان بحث بقائه بعد لخصوص الانصات غير محرر بل وقع مصادما للنص ولحرمة الصحابة ولاجماع ائمتنا و نصوص فقهنا فكيف يعرج عليه، بل كيف يحل ان يلتفت اليه ولكن الرزية من ترك نصوص مذهبه و تشبث بذلك البحث وتحمل كل مامر. ثم زادفى الشطرنج بغلة وهو ذلك تفريع الباطل أنه اذن ناسب داخل المسجد لدى المنبر ولم ذاك مع ان اهل المسجد الصيفى احوج الى هذا الاعلام من اهل الشتوى فانهم يرون الامام باعينهم فيمضون والقياس على الاقامة مجهول فان بالاقامة تترتب الصفوف من الاول فالاول قال صلى الله تعالى عليه وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذى يليه فما كان من نقص فليكن فى الصف المؤخر. رواه احمد فى المسند والنسائى وابن حبان وخزيمة والضياء كلهم فى صحاحهم بسند صحيح عن انس رضى الله عنه ولعمرى ان هذه ايضا كادت ان تكون سنة مهجورة والله المستعان فناسب كون الاقامة فى الصف الاول بخلاف الاعلام بجلوس الامام فان اهل الخارج احوج إليه كما ترى.

نفحه (۸) عدة طلبة حاولوا نقض كلية الائمة ،لايؤذن فى المسجد، بالاقامة فانها ايضا يقال عليها ،الاذان، كما فى حديث بين

کل اذانین صلوۃ لمن شاء مع انہا فی المسجد وفاقا وجھلوا ان اطلاق الاذان علیہا تغلیب اوعموم مجاز۔

قال الامام العینی فی عمدۃ القاری : المراد من الاذانین الاذان والاقامۃ بطریق التغلیب کعمرین والقمرین اھ۔

وفی المواہب اللدنیہ عن امام الائمۃ ابن خزیمۃ قولہ ،اذانین، یرید الاذان والاقامۃ تغلیبا اھ۔

قال الزرقانی لانہ شرعا غیر الاقامۃ اھ۔ وفی العینی ثم المواہب اولاشتراکہما فی الاعلام۔

قال الزرقانی فلا تغلیب لان الاذان لغۃ الاعلام وفی الاقامۃ اعلام بدخول الوقت کالاذان فہو حقیقۃ لغویۃ فی کل منہما اھ۔

ومایقال فی تعلیل روایۃ مرجوحۃ مخالفۃ للمذہب ان الاقامۃ احد الاذانین فہو کقولہم " القلم احدی اللسانین "، ولذا فسرہ الامام النسفی بان کل واحد منہما ذکر معظم کما یفسرھذا بان کل منہما یعرب عما فی الضمیر، المرتر ماقدمنا من نصوص الہدایۃ والکافی، والزیلعی، والاکمل، والدر، والبحر، ان تکرار الاذان مشروع ولایشرع تکرار الاقامۃ الم تعلم مانصوا علیہ فی الکتب المذکورۃ جمیعا وغیرہا، ان اذان الجنب یعاد، ولاتعاد اقامتہ۔ الم تسمع الی مافی البحر عن الظہیریۃ لوجعل الاذان اقامۃ یعید الاذان ولوجعل الاقامۃ اذانا لایعیدُ لان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ اھ۔

وفیہ عن المحیط : لوجعل الاذان اقامۃ لایستقبل ولوجعل الاقامۃ

اذا نا يستقبل الخ - الی غیر ذلك من مسائل بایـنوا فیها بین الاذان والاقامة -

وبالجملة الالزام باجراء احکام الاذان طرّاً فی الاقامة شئ لا یتفوہ بـہ من شم رائحة العلم، ولکنّ الجهل اذا ترکب فهو الـداء العضال -

نفحه (۹) اقول وبالله التوفیق اعلم وفقنا الله تعالیٰ وایاك ان للمسجد اطلاقین -

احدهما موضع الصلوٰة من الارض الموقوفة لها وهو الاصل وبهذا المعنی لا یدخل فیہ البناء فان البناء من الاوصاف کالاطراف فالباب والجدار خارج عن المسجد -

ومنه الدکته والمنار والحیاض والابار وان کانت فی حدوده بل فی جوفه اذا بنیت قبل تمام المسجدیة اما بعده فلا یجوز تغییر شئ من الاوقاف عن هیئته الا بشرط الواقف لحاجة الوقف ومصلحته فکیف بالمسجد فی برائته وحریته وتمنعه من حق عبد وخیرته فی وقف الدر: من احکام المسجد لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح امالو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق - تاتارخانیہ - فاذا کان هـذا فی الواقف فکیف لغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد اھ -

والآخر - الارض مع البناء وهو الاصل مع الوصف فالبنیان کالجدران والبیبان - داخل بهذا المعنی فیه -

وعلی الاول قوله تعالیٰ ۔ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۔

اخرج الائمۃ احمد والدارمی والترمذی وحسنہ وابن ماجہ وخزیمۃ وحبان والحاکم ۔

وصححہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد فاشہدوا لہ بالایمان ۔ قال اللہ تعالیٰ ۔ انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الآخر فعمارتہما بالصلوٰۃ فیہا لو لم یکن ثم بناء کالمسجد الحرام فی زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فما کان الا ارضا حول الکعبۃ مخلاۃ للطواف

وعلی الآخر قولہ عزوجل ” لہدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد “ فما الہدم الا للبناء ۔ بل لاطلاق الثالث ۔

یشمل الفناء و لہذا اجاز للمعتکف دخولہٗ ولا یعدّ بہ اِلّا معتکفا فی المسجد ۔ فی البدائع ثم رد المحتار ۔ لو صعد ای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلاخلاف وان کان بابہا خارج المسجد لانہا منہ لانہ یمنع فیہا من کل ما یمنع فیہ من البول ونحوہ فاشبہ زاویۃ من زوایا المسجد اھ

وعن ہذا نسمع الناس یقولون قد اذن فی المسجد اذا سمعوا الاذان من منارتہ مثلا وان کانت واقعۃ خارج المسجد وہذہ محاورۃ سائغۃ شائعۃ عربًا وعجمًا ۔

ولا يقول احد قوموا نقد اذن خارج المسجد وعلى هذا نظائر قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان من سنن الهدی الصلوة فی المسجد الذی یؤذن فیہ رواہ مسلم۔

وقول الفقہاء کرہ خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ۔

اذا علمت هذا فاعلم ان الاذان انما یکرہ فی اصل المسجد لا فی وصفہ ولا تبعہ وان شئت قلت یکرہ فی المسجد بالمعنی الاول دون الثانی الا ترون الی ما قد تقدم ذا ملیک من نصوص الائمۃ کیف نهوا عن الاذان فی المسجد دون المئذنۃ وفناءہ والحدود بمرایٍ منک حدیث الاذان علی باب المسجد۔ وخرج ابو الشیخ فی کتاب الاذان عن عبد اللہ بن زید الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اربعا۔ الحدیث۔

وفی اخری عنہ رأیت رجلا علیہ ثوبان اخضران وانا بین النوم والیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیہ فی اذنیہ ونادی الحدیث۔ وتقدم قول المدخل ان محل الاذان المنارۃ او سطح المسجد او بابہ۔ وبما قررنا وللہ الحمد تبینت فوائد۔ الاولی یجوز الاذان الدکۃ والمنارۃ وشقیر البئر وحریم الحوض وان کانت هذہ الاشیاء داخل المسجد اذا کان البانی بناها قبل تمام المسجدیۃ لان ذلک یبقی مستثنی ولا تشملہ المسجدیۃ فیجوز لہ ان یبنی وللناس ان یستعملوها کما اذا اُعِدّ فیہ موضعا للوضوء وکذا

اذا کانت بئرا اوحوض مثلا فی فناء المسجد فزید المسجد واحاط بھا کبئر زمزم فی المسجد الحرام فان کونھا اذ ذاک قبل المسجدیۃ ابین واظھر۔

اما بعد تمام المسجدیۃ فلا یجوز فی ارض اصل المسجد احداث دکۃ ولا منارۃ ولا بئر ولا حوض کما قد منا عن الدر من منع بناء فوق جدار المسجد او سطحہ فکیف ارضہ۔ وھذا ما نص علیہ علماؤنا انہ لا یحفر فی المسجد بئر ماءٍ ولو کانت البئر قدیمۃ تترک کبئر زمزم اھ۔ خانیہ وھندیہ، وغیرھما وتمام تحقیق المسألۃ فی جد الممتار تعلیقاتنا علی رد المحتار وقال فی الاشباہ والنظائر من احکام المسجد تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون موضع ثمہ۔

اعد لذلک لا یصلی فیہ او فی اناء اھ ونحوہ فی الدر قال الشامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قولہ (الا فیما اعد لذلک) انظر ھل یشترط اعداد ذلک من الواقف ام لا اھ

وکتب فی جد الممتار:

اقول۔ نعم وشیئ آخر فوق ذلک وھو ان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیۃ فان بعدہ لیس لہ ولا لغیرہ تعریضہ للمستقذرات ولا فعل یخل بحرمتہ اخذتہ مما یأتی فی الوقف من مسألۃ بناء الواقف فوق المسجد بیتا لسکنی الامام اھ۔

ثم فی احداثھا فی المسجد بعد ما صار مسجدا موانع اخری فانھا تشغل موضع الصلٰوۃ وتقطع الصفوف وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا

قطعه الله۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن خزیمة والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

قال العلامة القاری فی المرقاۃ (من قطعه) ای بالغیبة او بعدم السداد بوضع شئ مانع اھ۔

وقد نهی العلماء عن غرس الشجر فی المسجد وعللوہ بانه یشغل مکان الصلٰوۃ کما فی الخانیة وخزانة المفتیین والهندیة وغیرها۔

واما اباحته لتقلیل النز اذا کانت الارض نزة لایستقر اساطینها فالضرورۃ والضرورات تبیح المحظورات۔

قال فی البحر فیغرس لیجذب عروق الاشجار ذلک النز فحینئذ یجوز، والا فلا اھ۔

ومثله فی الظهیریة والبزازیة وغیرهما، قال فی منحة الخالق: وفی قوله والا فلا دلیل علی انه لایجوز الغرس فی المسجد ولا ابقاؤہ فیه بغیر ذلک العذر ولو کان المسجد واسعا کمسجد القدس الشریف ولو قصد به الاستغلال للمسجد لان ذلک یؤدی الی تجویز احداث دکان فیه او بیت للاستغلال او تجویز ابقاء ذلک بعد احداثه بلاضرورۃ داعیة ولان فیه ابطال مابنی المسجد لاجله من صلاۃ واعتکاف ونحوهما۔

وقد رأیت فی هذہ المسألة رسالة بخط العلامة ابن امیر الحاج الحلبی الفها فی الرد علی من اجاز ذلک فی المسجد الاقصٰی

ورأيت فی آخرها بخط بعض العلماء أنہ وافقہ علی ذلك العلامۃ الكمال ابن إبی الشريف الشافعی اھ ـ

وقلت فی جد الممتار بعد نقل ما هنا وغيره :

من نظر هذه الكلمات الشريفۃ بعين الانصاف لم يلبث فی الحكم بتحريم كل احداث فی المسجد يكون فيہ شغل محل منہ لغير ما بنی لہ سواء كان بيتا او حانوتا اودكۃ اومنارة اوغاسلاً أو خزانۃ او بئرا اوحوضًا، اوشجرا ، أو ، أو ، أو الخ وعنيت بہ المسجد بالمعنی الاول وقال الامام ابن الحاج المكی فی المدخل ومن هذا الباب أيضا ما احدثوه فی المسجد من الصناديق المؤبدة وذلك غصب لموضع مصلی المسلمين ـ قال ومن هذا الباب الدكۃ التی يصعد عليها المؤذنون للاذان يوم الجمعۃ بل هی اشد من الصناديق اذ يمكن نقل الصناديق ولا يمكن نقلها قال ومن هذ الباب ايضا اعنی فی امساك مواضع فی المسجد وتقطيع الصفوف بها اتخاذهذا المنبر العالی فانہ اخذ من المسجد جزءً جيداً وهو وقف علی صلاة المسلمين اھ ـ ملتقطا فرحم اللہ من نصح ورحم اللہ من قبل ـ

الثانيۃ ـ المراد فی قول الكافی انہ ذكر اللہ فی المسجد المعنی الثانی الشامل للاصل والوصف فالخطبۃ فی الاصل والاذان فی الوصف فشملهما الكون فی المسجد وان تفرق المحل وفی قول الغايۃ والفتح لكراهۃ الاذان فی داخل المعنی الاول فبدقۃ النظر ليس ما ذكرنا ذيل لكلامہ ـ

بل تبيين لمرامه اذ ليس فيه صرف عن ظاهره والله تعالیٰ الموفق ۔

الثالثة ۔ المراد فی قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقول الفقهاء المارين المعنيان الاخيران وكذا فى حديث ابى داؤد وابى بكر بن ابى شيبة عن عبد الرحمٰن بن ابى ليلى ۔

قال حدثنا اصحابنا جاء رجل من الانصار فقال یا رسول اللہ رأيت رجلاً كان عليه ثوبين اخضرين، فقام على المسجد فاذن.

الاترىٰ يقول قام على المسجد ۔ ولو اراد المعنى الاول لقال قام فى المسجد وقد اوضحته رواية ابى بكر بن ابى شيبة الاخرىٰ وابى الشيخ فى الاذان عن ابن ابى ليلى قال حدثنا اصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان عبد الله بن زيد الانصارى جاء الى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال يا رسول الله رأيتُ فى المنام كان رجلاً قائم وعليه بردان اخضران على جذمة حائط فاذن الخ ۔

ولسعيد ابن منصور فى سننه عن عبد الرحمٰن ابن ابى ليلى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اهتم للصلوٰة كما يجمع الناس لها فانصرف عبد الله بن زيد فرأى الاذان فى منامه ۔

فلما صبح غداً فقال يا رسول الله رأيت رجلاً على سقف المسجد وعليه ثوبان اخضران ينادى بالاذان الحديث ۔

وتقدمت روايت سور المسجد وسطح المسجد ۔

الرابعة ۔ المعنى الثالث هو المراد فى فرع الخانية والخلاصة

ولا بأس بان يتخذ فى المسجد بيتا يوضع فيه الحصير ومتاع المسجد به جرت العادة من غير نكير اھ

ومن الدليل عليه حديث التعارف فانه المتعارف او بناؤه قبل تمام المسجدية اما ان يتم المسجد ثم يأخذ احد قطعة منه فيجعلها بيت البوارى فلم تجربه العادة ولا يحل السكوت عليه ۔

الخامسة ۔ قال فى جامع الرموز لا يؤذن فى المسجد فانه مكروه كما فى النظم لكن فى الجلابى يؤذن فى المسجد، أو ما فى حكمه، لا فى البعيد منه اھ ۔

فمراد النظم المعنى الاوّل، ومراد الجلابى المعنى الثانى فالمعنى يؤذن فى حدود المسجد كما فسّر به الامامان كلام الكافى او ما فى حكمه اى فى فنائه فان فناء المسجد له حكم المسجد كما فى الهنديه عن الامام السرخسى قال الفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد اھ ۔

ومثله فى كتب كثيرة ذكرناها فى جد الممتار ۔ فلا استدراك بكلام الجلابى على كلام النظم كما فعل القهستانى ۔

الاترى ان العلامة الطحطاوى رحمه الله تعالٰی کیف اقتصر فى الحكم على حكاية ما فى القهستانى عن النظم ولم يعرج على استدراكه اصلاً علماً منه بان الاستدراك مستدرك لا ينبغى نقلا هكذا ينبغى التحقيق والله تعالٰی ولى التوفيق ولو لم يكن هذا لكان ذكر جامع الرموز بمقابلة تلك المعتمدات العظيمة بل ما تفرد به الجلابى بازاء ما اتفق عليه اولئك الاكابر الاجلة مما ينبغى ان يستحى منه فانه لو فرض لكان

خلافا لا اختلافا ۔

وقد تقرر ان الحکم والفتیا بالمرجوح جهل وخرق للاجماع فکیف ولاخلاف علی التحقیق لما علمت من جلیل التوثیق وباللّٰه تعالیٰ التوفیق ۔

نفحه (۱۰) اذ لم یقدروا علیٰ شئ۔ تعلق بعضُ الوهابیّةِ بما فی نص الخانیة والخلاصة من لفظ "ینبغی" یریدبه ان الامر سهل لا یعتنیٰ به ۔

وانت تریٰ عامة النصوص عریــة عنها ۔ ثم لم یدخل علی "لایؤذن فی المسجد" ألا تریٰ ان البحر نقله عن الخلاصة هکذا ولم یلتفت الیٰ ینبغی فی الجملة الاولیٰ ۔

ثم استعماله فی الندب اصطلاح المتاخرین وهو فی کلام المشائخ اعم کما فی ردالمحتار وغیرها قال هو فی القرآن کثیر ۔

" ماکان ینبغی لنا ان نتخذ من دونِك اَولیآءَ "

قال فی المصباح :

ینبغی ان یکون کذا معنا ہ یجب او یندب بحسب ما فیه من الطلب اھ

ثم ندبه یقابل الوجوب ویعم الامتنان وامر السنة لیس بهیّن ۔ بل ربما جاء ینبغی للوجوب کقول الهدایة والکنز وغیرهما ۔

" من حلف علیٰ معصیة ینبغی ان یحنث اھ "

فان الحنث واجب قطعًا۔ وقول الهدایة وکثیرین ۔

ینبغی للمسلمین ان لایغدروا وان لایغلوُ ولا یمثلوا اھ ۔

مع ان ترك الغدر والغلول فريضة ، فانهما حرام وكذا المثلة قال فی الفتح۔
قوله وینبغی للمسلمین ای یحرم علیهم ان یغدروا او یغلوا و یمثلوا اھ ۔
وقول القدوری والهدایة وغیرهما :
ینبغی للناس ان یلتمسوا الهلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان ۔
قال المحقق فی الفتح :
ای یجب علیهم وهو واجب علی الکفایة اھ
قال فی الجوهرة النیرة :
ای یجب الخ
وقال فی القنیة فی استحسان القاضی الصدر الشهید :
ینبغی للاخ من الرضاع ان لا یخلوا باخته من الرضاع لان الغالب هنالك الوقوع فی الجماع اھ
افاد العلامة البیری :
أنّ "ینبغی" معناه الوجوب ههنا اھ (الشامی)
وکم له من نظیر ۔
ثم ان کان هو ظاهراً فعارضهٗ فی نفس الکلام ظاهر آخر ۔ وهو النهی بصیغة الاخبار فانه غالباً فی کلامهم لایجاب الفعل والترك الا ان یصرف صارف ۔ قال الامام ابن امیر الحاج فی الحلیة : صفة الصلاة مسئلة القرأة فی الاخریین ۔

ظاهر قول المصنف " لایزید علیهما شیأ " یشیر الی عدم اباحة
الزیادة علیهما اه
وفی عید الغنیہ :
الایری الی قولہ لایترک واحد منهما فانہ اخبر بعدم الترک و
الاخبار فی عبارات الائمۃ والمشائخ یفید الوجوب اه
وفی امامۃ البحر الرائق :
قولہ . فان فعلن تقف الامام وسطهن ، افاد بالتعبیر بقولہ تقف
انہ واجب فلو تقدمت اثمت کما صرح بہ فی فتح القدیر اه
وفی حاشیۃ العلامۃ الخیر الرملی علی البحر ثم منحۃ الخالق قبیل الاذان
علی قول الاسبیجابی (اذا جیئ بجنازۃ بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بها
ثم بسنۃ المغرب اه)
الظاهر ان ذالک علی سبیل الوجوب لتعلیلهم بان المغرب فرض
عین۔ والجنازۃ فرض کفایۃ ولان الغالب فی کلامهم فی مثلہ
ارادۃ الوجوب تامل اه
وقال العلامۃ السید احمد الطحطاوی فی صوم حواشی الدر : (وفیها ای
فی النهایۃ)
ولا یفعل (ای الدهن) لتطویل اللحیۃ اذا کانت بقدر المسنون
وهو یقتضی ان الدهن لهذا القصد یکرہ تحریمًا۔ لانہ یفضی الی
المکروہ تحریما ولو کان مکروهًا تنزیهیا لما عبر بقولہ لایفعل .
فظاهرنا هذا غیر معارض من نصوص الاسبیجابی والمجتبی والبنایۃ

والاتقانی و فتح القدیر ۔

ثم ثمہ ظاہر آخر غیر معارض ہناک وهو اطلاق الکراهة فی النظم وشرح النقایة، وحاشیة مراقی الفلاح وغایة البیان و فتح المحقق حیث اطلق فانها کما عرف فی محله اذا اطلقت کانت ظاهرة فی التحریم الابصار وقال سیدی العارف باللہ العلامة عبد الغنی فی الحدیقة الندیة من آفات الید مانصه ۔ ؛

والکراهة عند الشافعیة اذا اطلقت تنصرف الی التنزیهیة لا التحریمیة بخلاف مذهبنا اھ

ثم فیه اسائت ادب بالحضرة الالهیة کما یاتی فی الشمامة الثالثة بعون اللہ تعالیٰ فیجب التحرز عنه ۔ ثم المعروف من عادته صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ترک الفضیلة احیانا۔ بیانا للجواز ولم یوثر قط اذانا فی زمنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم داخل المسجد فبمجموع هذا ینقدح فی الذهن انه یکره تحریمًا وان لم یقنع فلا اقل من ان الامر دائر بین کراهتین مکروه قطعا ویحتمل کراهة التحریم فما سبیله الا الترک عند العقل السلیم۔ ثم ان شئت فدع الاحتمال واقنع بالاجمال وقل ان الاذان فی المسجد مکروه منهی عنه فان هذا القدر لامفر منه وفی هذا کفایة لاولی الدرایة واللہ سبحانہ ولی الهدایة ۔

الشمامة الثالثة من مسك القرآن العظيم

نفحه (۱) اخرناها الى هنا ليكون ختامه مسك وفى ذالك فليتنافس المتنافسون. قال الله عز وجل:

يا ايها الذين آمنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبى ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض ان تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوىٰ لهم مغفرة واجر عظيم۔

ارشدنا القرآن الكريم الى ادب حضرة الرسالة وانه لا يجوز رفع الصوت فيها واوعد عليه الوعيد الشديد ان فيه لخشية حبط الاعمال والعياذ بالله تعالىٰ۔ وندب الى غض الصوت عنده ووعد عليه الوعد الجميل مغفرة من الله واجر عظيم۔ ولا شك ان ليس ذالك الا لهيبة المقام واجلال صاحبه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فالحضرة الالهية احق واعظم الم تسمع ربك عزوجل يقول:

وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا همسا۔

وما المصلى الا حضرة العلى الاعلىٰ عز وعلا وتبارك وتعالىٰ فلعمرى

لو یتذکر الناس حین حضورھم المساجد قیامھم بین یدی ربھم عزوجل یوم القیامۃ واستحضروا عظمۃ المقام وتفطنوا این ھم وبین یدی من ھم لخشعت الاصوات للرحمن فلا یکاد یخرج صوت الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا کالقاری والخطیب فکان الاصل فی المساجد فیما لم یرد بہ الاذن ان لا تسمع الا ھمسا ولذا اتت الاحادیث[1] تنھی عن رفع الصوت فیھا۔ ابن ماجۃ عن واصلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال :

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشراءکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم

وابن عدی والطبرانی فی الکبیر والبیھقی وابن عساکر عن مکحول عن واصلۃ وأبی الدرداء وابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم واقامۃ

---

[1] وللبیھقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ العطسۃ الشدیدۃ فی المسجد ، وفی البحر الرائق وغیرہ : قالوا : ولا یجوز أن تعمل فیہ الصنائع لانہ مخلص للہ تعالٰی۔ فلا یکون محلاً لغیر العبادۃ غیر أنھم قالوا فی الخیاط إذا جلس فیہ لمصلحۃ فی دفع الصبیان وصیانۃ المسجد لا باس بہ للضرورۃ۔ ولا یدق الثوب عند طیہ دقاعنیفاً انتھٰی ۔ وماذا علی أن یرتفع صوت الثوب بضرب الید علیہ عند طیہ یستوی۔ وقد نُھوا عنہ۔ وکذلک من یعرف الأدب ، ولا دین لمن لا ادب لہ ، نسأل اللہ حسن التوفیق ۔ منہ عفی عنہ

حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم ۔

وعبدالرزاق فی مصنفہ قال :

حدثنا محمد بن اسلم عن عبد ربہ بن عبداللہ عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنبوا مساجدکم مجانینکم وصبیانکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم وبیعکم وشرائکم واقامۃ حدودکم وخصومتکم

والامام ابن المبارک عن عبید اللہ بن ابی حفص یرفعہ الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم

قال من اجاب داعی اللہ واحسن عمارۃ مساجد اللہ کانت تحفتہ بذالک من اللہ الجنۃ ۔ قیل یارسول اللہ ما احسن عمارۃ مساجد اللہ قال لایرفع فیہا صوت ولایتکلم فیہا برفث

والامام مالک والبیھقی عن سالم بن عبداللہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ۔

بنی الی جانب المسجد رحبۃ فسماھا البطیحاء فکان یقول من اراد ان یلفظ وینشد شعرا او یرفع صوتا فلیخرج الی ھذہ الرحبۃ ۔

والامام ابن المبارک وابراھیم بن سعد فی نسختہ عن سعید بن ابراھیم عن ابیہ قال :

سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوت رجل فی المسجد فقال : اتدری این انت اتدری این انت کرہ الصوت

وقد تقبلها ائمۃ الامۃ بالقبول حتی ان فقہائہا نصوا علی کراھۃ رفع الصوت فی المسجد بالذکر الا للمتفقہۃ کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار فاذا کان ھذا فی الذکر فما ظنک بما لیس بذکر خالص کالاذان لاشتمالہ علی الحیعلتین قال الامام العینی فی البنایہ شرح الھدایۃ:

فان قلت الاذان ذکر فکیف تقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشئ غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی ما لایخفی وانما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر اھ

وفی البحر الرائق عن المحیط تحت قول الکنز۔ یستقبل بہما القبلۃ ویلتفت یمینا وشمالا بالصلاۃ والفلاح"۔

لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالی والشھادۃ لہ بالوحدانیۃ ولنبیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلا فاما الصلوۃ والفلاح دعاء الی الصلوۃ واحسن احوال الداعی بان یکون مقبلا علی المدعوئین اھ

وفی صلاۃ المسعودی رحمہ اللہ تعالی: انّ فی الاذان مناجاۃ ومناداۃ۔ المناجاۃ ذکر اللہ تعالی والمناداۃ نداء الناس ومادام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ وإذا بلغ المناداۃ یحوّل وجہہ ثم قال الشیخ ابوالقاسم الصفار رحمہ اللہ تعالی۔

الدعا الی الصلوۃ مناداۃ وباقیہ ذکر اللہ تعالی لکن ظاہر الروایۃ أنّ الاذان کلہ من اوّلہ الی اٰخرہ دعاء إلی الصلاۃ۔ ثم قال: ظاھر الروایۃ أنّ المؤذن إذا قال: حی علی الصلوۃ، ویقول المستمع

لاحول ولاقوة الا باللہ ، فإذا قال حی علی الفلاح ، یقول السامع :
ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن ۔ قال شیخ الاسلام برہان الدین
رحمہ اللہ تعالیٰ : ما کان العبد فی ذکر الرحمن یفر الشیطان ۔

فاذا جاء نداء الخلق یعود ، فاذا قیل : لاحول ولا قوة الا باللہ
ماشاء اللہ کان ، یفرُّ ۔ انتہی ملتقطا مترجما ۔

واذا کان ذالك کذالك ولم یرد فی الشرع الاذن بالاذان فی
المسجد کان داخلا تحت النھی وھو المقصود ۔

نفحہ (۲) نسمع ربنا تبارك وتعالیٰ یعاتبُ قومًا اذ یقول عز من
قائل :

فاذا فریق منھم یخشون الناس کخشیة اللہ او اشد خشیة
وقال عزوجل :

فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین

ولقد علِم من غشی ابواب السلطان انہ اذا کان قوم خارج الحضرة
وامر الملك بدعائھم لم یکن للحجاب ان ینادوھم فی الحضرة
بل یخرجون فینادون ولو قاموا علی راس السلطان وجعلوا یصیحون
بالنداء ، لاساؤا الادب واستجلبوا الغضب واستحقوا التادیب
ومن لم یر الملوك فینظر قضاة بلادنا کفارھم ومسلموھم اذا امروا
بنداء الخصوم والشھود لم تقدر الاعوان ان ینادوھم فی دار القضاء
بل یخرجون خروجًا فیدعون وھذا مشھود کل یوم ومن انکر کونہ
اساءة ادب فلیجرب علی نفسہ ولیقم بین یدی حاکمھم المسمّٰی

عندهم حج۔ ويرفع صوته بيا فلان يا فلان لناس خارج المكان فيرى مايبدل البيان بالعيان ۔ وماذالك الا لادب المقام وخشية الحكام فالله احق ان تخشوه ان كنتم مومنين ۔

كيف وان امثال الامور المبنية على الاجلال ۔ المبنية من الادب انما تحال على الشاهد فيما لم يرد به النص ۔ والشاهد ههنا ما ذكرنا فوجب المصير اليه وكان نداء الغائبين قائما فى حضرة المصلى اساءة ادب بالحضرة الاعلىٰ وقلة خشية من الله تعالى ۔ واما ما قلنا من الاحالة على الشاهد فشئ يشهد به العقل السليم والقلب الحاضر ومن تتبع وجد شواهده كثيرة فى كلام الاجلة الاكابر من ذالك قول الامام المحقق على الاطلاق فى فتح القدير :۔

الثابت هو وضع اليمنى على اليسرى وكونه تحت السرة او الصدر كما قال الشافعى لم يثبت فيه حديث يوجب العمل فيحال على المعهود من وضعها حال قصد التعظيم فى القيام والمعهود فى الشاهد منه تحت السرة اھ

ومن ذالك قوله ايضا واستحسنه تلميذه المحقق ابن امير الحاج الحلبى جدا ، ما نصه ۔

لا ارىٰ تحرير النغم فى الدعاء كما يفعله القراء فى هذا الزمان يصدر ممن فهم معنى الدعاء والسوال وما ذالك الانوع لعب فانه لو قدر فى الشاهد سائل حاجة من ملك ادى سواله بتحرير النغم فيه من الرفع والخفض والتغريب والرجوع كالتغنى

نسب البتة الى قصد السخرية واللعب اذ مقام طلب الحاجة التضرع لا التغنی اھ۔

قال فی الحلیۃ وقد اجاد رحمہ اللہ تعالٰی فیما اوضح وافادہ ومن ذالك اشیاء فیہ وفی الحسیۃ والغنیۃ وغیرھا۔

قلت بل ارشد الیہ حدیث۔

استحیی من اللہ استحیاءك من رجلین من صالحی عشیرتك

رواہ ابن عدی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدیث قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اللہ احق ان یستحیی منہ من الناس رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم عن معاویۃ بن حیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

وحدیث اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیہ فان اللہ احق من تزین لہ رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیہقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد اوضحہ ابن عمر اذ کسا نافعا ثوبین وھو غلام فدخل المسجد فوجدہ متوشحا بہ فقال الیس لك ثوبان تلبسھما ارأیت لو انی ارسلتك الی وراء الدار اکنت لابسھما قال نعم قال فاللہ احق ان تزین لہ ام الناس فقال اللہ رواہ عبدالرزاق عن نافع۔

نفحہ (۳) قال المولیٰ تبارک و تعالیٰ ۔

یاایہا الذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علے اھلھا ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون فان لم تجد وا فیہا احدًا فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم ۔

نھی اللہ سبحانہ عن دخول الانسان فی بیت غیرہ بغیر اذنہ (تستأنسوا تستأذنوا) والمساجد بیوت ربنا عزوجل اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال

قال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان بیوت اللہ فی الارض المساجد وان حقا علے اللہ تعالیٰ ان یکرم من زارہ فیہ (ورواہ ابوبکر بن شیبۃ عن امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ من قولہ

وروی الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن ابی قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ۔

ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منھا فمن بنی للہ بیتا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ وعدم الاذن فی الدخول لشئی کما یکون برفع المقید کذالک

لہ فی الآیۃ امران الإستیذان والسّلام ۔ فالاستیذان فی المساجد کما نبیّن ۔ اما السّلام فاقیم مقامہ السّلام علے حبیبہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فإنہ حاضر دائما فی حضرتہ فامر کل من یدخل مسجدا ، او یخرج منہ أن یقول : بسم اللہ والحمد للہ و السّلام علی رسول اللہ إلی آخر الدعاء الوارد فی الاحادیث صحیحۃ شہیرۃ کثیرۃ ۱۲ منہ ۔

برفع القيد فمن اذن له بالدخول لشئ ودخل بغيره فقد دخل بغير الإذن وإليه يشير قوله صلى الله تعالى عليه وسلم

من سمع رجلاً ينشد ضالة فى المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا (رواه احمد ومسلم وابو داؤد وابن ماجة عن ابى هريرة رضى الله عنه)

ولهم جميعا عن بريدة رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم لاوجدته لاوجدته لاوجدته انما بنيت هذه المساجد لما بنيت له، ولعبد الرزاق عن ابى بكر بن محمد.

انه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رجلا ينشد ضالة فى المسجد فقال ايها الناشد غيرك الواجد ليس لهذا بنيت المساجد والاحاديث فى الباب كثيرة وهو بعمومه يشمل من ينشد مصحفا ليتلوه بل ومن ينشد امانة ضلت عنه مع ان انشادها واجب عليه " ان الله يامركم ان تؤدوا الامانات الى اهلها، فالانشاد مقدمة الوجدان والوجدان مقدمة الاداء والاداء واجب ومقدمة الواجب واجب. وكذالك عمم الفقهاء فقالوا كره انشاد ضالة، ولم يستثنوا منه نصلا وذالك ان اتيان الواجب وان كان من اعمال الآخرة فما لكل عمل الآخرة بنيت المساجد انما بنيت لما بنيت له - احمد ومسلم

عن انس رضى الله تعالى عنه عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ان هذه المساجد لا تصلح لشئ من القذر والبول والخلاء وانما هى لقراءة القرآن وذكر الله والصلاة . وللبخارى وابن ماجه عن ابى هريرة

رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما بنی لذکراللہ والصلوٰۃ ولاحمد فی الزھد عن ابی ضمرۃ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وانما بنیت للذکر۔

وفی مسند الفردوس عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کل کلام فی المسجد لغو الا القرآن وذکراللہ تعالیٰ ومسألتہ عن خیر واعطاؤہ۔

وقد علمت ان لیس الأذان خالص ذکر ولو کان المسجد یبنی لہ لاتی الشرع بایقاعہ فیہ ولنقل ولو مرۃ وکیف یعقل ان شیأ بنی لہ المسجد لایفعل فیہ قط علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم فیقال فیہ أیضا ان المساجد لم تبن لھذا، کیف والأذان للدعاء الی الحضرۃ، والحضرۃ لاتبنی لنداء الناس إلیھا وفیھا، واللہ الموفق۔ فھذا ما ظھر للعبد الضعیف من الکلام المجید والحدیث الحمید والفقہ السدید وحلّہ کما تری واضح بلا امتراء وإن کان آخرہ من قبیل المتابعات والشواھد، ولکن کلّہ لمن تحلی بالإنصاف۔ وھیھات لما یقنع المکابر ویقمع الاعتساف۔ ونسأل اللہ العفو والعافیۃ والرحمۃ الکافیۃ والنعمۃ الوافیۃ والعیشۃ الصافیۃ، والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ وبارک وسلم علی سیدنا محمد وآلہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔

الشمامة الرابعة من عود احراق الخلاف

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى۔ ليعلم سادتنا واخوتنا اهل الحق والهدى حفظنا الله تعالى وایاهم عن الردی ان الوهابية العنود ومن تبعهم من طلبة الهنودیة لو جهد هم ليخرجوا حدیثاً صحیحاً او نصاً فی الفقہ صریحاً یفید ان السنۃ فی ھذا الاذان کونہ فی جوف المسجد متصلاً بالمنبر کما تعودوہ ھھنا فلم یقدروا۔ وما كان الله ليرفع لباطل راساً۔ فجعلوا یتشبثون بکل حشیش فاریعۃ اشیاء اتفقوا علی الاحتجاج بها۔

(۱) نصوصهم ان هذا الاذان بين يدى الخطيب۔

(۲) وتعبير بعضهم فی مسئلۃ ان ایجاب السعی بالاذان الاول اوالثانی، هذا الاذان بالذی عند المنبر۔

(۳) وبعضهم بالذی علی المنبر

(۴) وزعموا ان کونہ داخل المسجد ملاصق المنبر هو التوارث۔

فمن احترس لنفسہ یحمل و یقول من القدیم و الذی نجم أیقول من لدن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائہ الراشدین رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

(٥) وزعموا ان علیہ التعامل فی جمیع البلدان واجمع علیہ جمیع اهل الاسلام و تفرد بعضهم من بعض بشبهات اخرذات عجر و بجر، والعبد الضعیف بتوفیق الملك اللطیف عزجلالہ یرید ان یمر علیها طردًا طردًا و یبین عوارها فردا فردًا ، فلنبتدی بالاول ، ثم نتبعها الباقی الاذل وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب ۔

نفحہ (١) قد بینا بالحدیث والفقہ ان السنۃ فی هذ الاذان کونہ بین یدی الخطیب اذا جلس علے المنبر ولکن لیس فی لفظۃ بین یدیہ ۔ مایقرّ أعینهم ولا ما یمیل الیہ انما مفادها ان یکون بحذاء المنبر تبالۃ وجہ الخطیب من دون حائل یحجبہٗ عنہ وهذا یشمل داخل المسجد وخارجہ الی حیث تبقی المحاذاة والمشاهدة ، لیس فی مفاد اللفظ اکثر من هذا ، غیر ان الفقہ دلنا علے ان الاذان لایکون فی جوف المسجد ولا بعیدًا منہ بحیث لایعد النداء ثمہ نداءً الی هذا المسجد بل فی حدودہ وفنائہ والیہ ارشدنا الحدیث نتعین هذا محلًا لہ ولنکشف الستر عن وجہ التحقیق فی مفاد هذا اللفظ ۔

فاقول وباللہ التوفیق ۔ اللفظ مرکب ومعناہ الحقیقی بحسب اجزائہ الترکیبیۃ وقوع الشی فی الفضاء المحصور بین هذین العضوین من المضاف الیہ سواء کان امامہ او خلفہ اولا ولا والفضاء محققا او متخیلا

فانك اذا ارسلت يديك فليس بينهما الاجنباك ونخذاك وان بسطهما قبالة وجهك اووراء ظهرك فكل ما وقع فى الفضاء المحصور بهما فهو بين يديك وهو امامك فى الاول وخلفك فى الثانى وليس امامك ولاخلفك فى صورة الارسال، وانت تعلم ان هذا المعنى لامساغ له هنا بل الامر ان المركب ربما لايلاحظ الى معانى اجزائه التفصيلية ويصير باجماله دالاً على معنى اٰخر لغة اوعرفا فهو وان كان مجازا له بالنظر الى مفصّله يكون حقيقة لغوية اوعرفية فيه باعتبار اجماله وذالك فى لفظنا هذا معنى الامام واقد ام امامطلقاً من دون تخصيص بالقرب اومع لحاظه وحينئذ يفسر بالحاضر المشاهد لان شرط الرؤية العادية القرب والمقابلة فكل مرئى حين هو مرئى محاذ قريب وهذا منتهى مفاد اللفظ فى نفسه واختلاف حدود القرب تنشؤمن خصوصيات المقام لانه امر اضافى مشكك متفاوت غاية التفاوت - فيلاحظ لكل مقام مايستدعى دلالة عقلية من الخارج لامن اللفظ ثم توسع فيه على الوجهين واستعير ظرف المكان للزمان فاريدبه الماضى امامطلقا اوقريبا لان جهة المضى جهة الظهور كالامام اوالمستقبل كذالك لان كل آت قريب وانت متوجه الى المقابل فكانه لك مقابل وعلى هذين الوجهين ورد فى القرآن العظيم والمحاورات وبهما فسرته ائمة اللغة والتفسير الاثبات ووجدت اللفظة وردت فى القرآن الكريم فى ثمان وثلثين موضعا - فى عشرين منها لادلالة على القرب وفى واحد جاء على حقيقة اجزائه التركيبية وفى سبعة عشرا فيد القرب على تفاوت عظيم فيه من الاتصال الحقيقى الى فصل

مسيرة خمسمائة سنة، جعلنا ما الادلة فيه على القرب فريقا والبواقي فريقًا۔

فمن الاول ـ (١) قول ربنا عزوجل فى سورة البقرة (٢) فى طه (٣) فى الانبياء (٤) فى الحج ۔ «يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ» (٥) فى مريم «له مابين ايدينا وماخلفنا وما بين ذالك»۔

فعلم الله تعالىٰ وملكهٗ لايمكن اختصاصه بقريب اوبعيد سواء اخذ الظرف مكانيا أوزمانيا، أو لوحظ معنى عام كما هو الأنسب بالمقام الأفخم ـ (٦) فى سورة البقرة «فانه نزله على قلبك مصدقا لما بين يديه» (٧) فى آل عمران نزل عليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه (٨) فى سورة الانعام وهذا كتاب انزلناه مبارك مصدق الذى بين يديه (٩) فى يونس وما كان هذا القرآن ان يفترى من دون الله ولكن تصديق الذى بين يديه (١٠) فى يوسف ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذى بين يديه وتفصيل كل شئ (١١) فى سبأ ـ وقال الذين كفروا لن نومن بهٰذا القرآن ولا بالذى بين يديه (١٢) فى الملٰئكة والذى اوحينا اليك من الكتاب هوالحق مصدقا لما بين يديه (١٣) فى حٰم السجدة وانه لكتٰب عزيز لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه (١٤) فى الاحقاف قالوا يٰقومنا انا سمعنا كتبًا انزل من بعد موسىٰ مصدقا لما بين يديه ـ

فالقرآن الكريم مصدقا لكل كتاب الٰهى نزل قبله قريبًا او بعيدًا ولا يخالفه[1] شئ من كتب الله تعالىٰ والكفرة[2] بشئ لايومنون ـ

[1] انظر الى الأية الثالثة عشر ١٢ منه عليه الرحمه [2] انظر الى الأية الحادية عشر ١٢ منه

(١٥) ومن ذالك فی اٰل عمران عن عبدہ عیسیٰ علیہ الصّلٰوۃ والسّلام ومصدقا لما بین یدی من التوراۃ ‹‹ (١٦) فی المائدۃ وقفینا علےٰ اٰثارھم بعیسی ابن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ (١٧) فی الصف مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد، فما فسروہ الا بالقبیلۃ حملا لہ علی نظائرہ فی القراٰن العزیز وھو الذی یسبق الی الفہم وان امکن حملہ ھھنا علی الحضور (١٨) فی سورۃ البقرۃ فجعلنٰھا نکالاً لما بین یدیھا وما خلفھا۔ علی التسفیر بما قبلھا وما بعدھا من الامم اذ ذکرت حالھم فی زبر الاولین واشتھرت قصتھم فی الآخرین (بیضاوی) (١٩) وفی حٰمٓ السجدۃ اذ جاءتھم الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم۔ عن الحسن انذروھم من وقائع اللہ فیمن قبلھم من الامم وعذاب الاٰخرۃ اھ (نسفی) او من قبلھم ومن بعدھم اذ قد بلغھم خبر المتقدمین واخبرھم ھود وصالح عن المتاخرین داعین الی الایمان بھم اجمعین (بیضاوی) (٢٠) فی الاحقاف (اذ انذر قومہ بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیہ) ای من قبل ھود (ومن خلفہ) من بعدہ الی اقوامھم (ان لا تعبدوا الا اللہ (جلال)

ومن الثانی۔ (٢١) فی الاعراف وھو الذی یرسل الریٰح بشراً بین یدی رحمتہ (٢٢) فی الفرقان ھو الذی ارسل الریٰح بشراً بین یدی رحمتہ (٢٣) فی النمل امن یھدیکم فی ظلمٰت البر والبحر ومن یرسل الریٰح بشراً بین یدی رحمتہ۔ فانھا تدل علی قرب المطر (٢٤) فی الاعراف

لاٰتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم
فلابد للموسوس من القرب - والعیاذ باللہ تعالیٰ منه (۲۵) فی الرعد له
معقبٰت من بین یدیه ومن خلفه - فان شان الحافظ القرب (۲۶) فی سبا
افلم یروا الیٰ مابین ایدیهم وما خلفهم من السماء والارض یرید سماء الدنیا
المرئیة لنا الاقرب الینا (۲۷) فیها - ومن الجن من یعمل بین یدیه
باذن ربه (الیٰ قوله عزوجل) یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل
وجفان کالجواب وقدور رٰسیٰت - فان المقصود من العمل بین یدی
الملك ان یکون بمرأی منه علی وفق مایشاء (۲۸) فیها - وما بصاحبکم
من جنة ان هو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید - دل علی قرب
القیامة (۲۹) فی یٰس وجعلنا من بین ایدیهم سدا ومن خلفهم
سدا - هذا علی الاتصال الحقیقی لیورث العمٰی والعیاذ باللہ تعالیٰ -
(۳۰) وفیها (واذا قیل لهم اتقوا ما بین ایدیکم) من عذاب الدنیا
کغیرکم (وما خلفکم) من عذاب الاخرة (جلال) (۳۱) فی حٰمٓ
سجدة (وقیضنا لهم قرناء فزینوا لهم ما بین ایدیهم) من امر الدنیا
واتباع الشهوات (وما خلفهم) من امر الاٰخرة (جلال) (۳۲) فی
الحجرات - یاایها الذین اٰمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسوله - فان
المفاد النهی عن قطع امر قبل حکم اللہ ورسوله وتصویر شناعة هذا
المحسوس وهو تقدم العبد علیٰ مولاہ فی المسیر وانما یستهجن من قرب ما
(۳۳) فی الحدید، یوم تری المومنین والمومنٰت یسعیٰ نورهم بین
ایدیهم وبایمانهم - کلمة یسعیٰ تدل علےٰ ارادة ماینورلهم فالمدلول

القرب اما النور فمتصل حقیقة (۳۴) فی المجادلة - یاایّھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة (۳۵) فیھا - ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقات - فان المقصود تعظیم الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا یظھر الا بالقرب

(۳۶) فی الممتحنة (ولا یاتین ببھتان یفترینہٗ بین ایدیھن وارجلھن) ای بولد ملقوط ینسبہٗ الی الزوج و وصف بصفت الولد الحقیقی فان الاُمُّ اذا وضعتہ سقط بین یدیھا ورجلیھا اھ (جلال) فھذا علی الحقیقة الترکیبیة (۳۷) فی التحریم - نورھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم -

(۳۸) فی الجن (علم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احد الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک) یجعل ویسیر (من بین یدیہ) ای الرسول (ومن خلفہ رصدًا) ملئکة یحفظونہ حتی یبلغہ فی جملة الوحی (جلال) ھٰذہ واضحات -

ومنھا "جعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا" علی الاظھر الاشھر ای الامم التی فی زمانھا وبعدھا (جلال) او لما بحضرتھا من القریٰ وما تباعد عنھا - او لاھل تلک القریة وما حوالیھا (بیضاوی)

- وکذا "اذ جاءتھم رسلھم من بین ایدیھم ومن خلفھم" علی معنی الوھم من کل جانب وعملوا فیھم کل حیلة اھ (مدارک، بیضاوی)
- واما تفسیر ائمة اللغة والتفسیر، ففی الصحاح، والقاموس، ثم مختار الصحاح، وتاج العروس وغیرھا "بین یدی الساعة" ای قدامھا اھ
- وفی الصراح - "بین یدی پیش روئے او - "

- وفی التاج ۔ یقال بین یدیک بکل شی اماملک ۔اھ
- وفی معالم التنزیل من الحجرات ۔ معنی بین الیدین الامام والقدام
- وفی الخازن من آل عمران ۔ ما بین یدیہ ھو ما امامہ اھ ۔
- وفی ابی السعود من یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ بین یدیہ ای امامہ اھ
- وفی الجلال من الرعد ۔ بین یدیہ قدامہ اھ ۔
- وفیہ من مریم ۔ ما بین ایدینا ای امامنا اھ ۔
- وفیہ فی غیرہ من البقرہ وغیرھا ۔ مصدقا لما بین یدیہ قبلہ من الکتب
- ثم فی الانموذج الجلیل تحت الکریمۃ السادسۃ والعشرین ۔ ما بین یدی الانسان ھو کل شئ یقع نظرہ علیہ من غیران یحول وجھہ الیہ اھ ۔
- وفی الکرخی ثم الفتوحات الالٰھیۃ ایضا تحتھا ۔ من المعلوم ان ما بین یدی الانسان ھو کل ما یقع نظرہ علیہ من غیران یحول وجھہ الیہ ۔ اھ
- وفی تکملۃ مجمع البحار ۔ نعلتہ بین یدیک ای بحضرتک اھ ۔
- وفی عنایۃ القاضی من آیۃ الکرسی ۔ اطلاق ما بین ایدیھم علی امور الدنیا لانھا حاضرۃ والحاضر یعبر عنہ بذالک ۔ وامور الآخرہ مستترۃ کما یستتر عنک ما خلفک اھ ۔
- وفی الجمل منھا ۔ (ما بین ایدیھم) ای ما ھو حاضر مشاھد لھم اھ
- وفی الخطیب الشربینی ثم الجمل (بین یدی اللہ ورسولہ) معناہ بحضرتھما لان ما یحضرہ الانسان فھو بین یدیہ ناظر الیہ الخ دیا لی تمامہ ۔

فاستبان لك بالقرآن العظيم والحديث ونصوص ائمة القديم والحديث ان لا دلالة اصلا لقول الفقهاء " يوذن بين يدى الخطيب" على كون الاذان داخل المسجد فضلا عن كونه لصيق المنبر۔

فاولاً لا يتعين فى افادة القرب كما يظهر من عشرين آية تلونا اولاً وهما ذكرنا من كتب اللغة والتفسير سابقا فانما غرضهم افادة ان السنة فى هذا الاذان محاذاة الخطيب كما قال فى الفاتح شرح القدوری (اذن الموذنون بين يدى المنبر) اى فى حذائه اھ فهذا هو المقصود بالافادة ههنا اما ان الاذان لا يكون فى جوف المسجد ولا بعيدا عنه بل فى حدوده وفنائه فمسألة اخرى معلومة فى محلها وبها تتعين محل هذه المحاذاة كما قدمنا۔

وثانيا۔ سلمنا القرب فهو امر اضافى وقرب كل شئ بحسبه الاترى

(۱) الى الآية الحادية والعشرين دلت على قرب المطر لكن ليس ان تهب الرياح فينزل بل كما قال عز وجل حتى اذا اقلت سحابا ثقالا سقنٰه لبلد ميت فانزلنا به الماء۔

(۲) فى السادسة والعشرين جعل السماء بين ايدينا وبيننا وبينها مسيرة خمسمائة سنة۔ وهذا ترجمان القرآن علامة الكتاب من افصح العرب واعلمها باللسان عبد الله بن عباس رضى الله عنهما يقول فى تفسير آية الكرسى يعلم ما بين ايديهم يريد من السماء الى الارض وما خلفهم يريد فى السمٰوات (رواه الطبرانى فى كتاب السنة)

(۳) وفى السابعة والعشرين ذكر عمل الجن بين يدى سيدنا سليمٰن

وهٰؤلاء الجن هم الشياطين كما قال تعالیٰ۔ ومن الشياطين كل بناء و غواص وما كان لهم ان يدخلوا الحضرة السليمانية ليعملوا ثمه محاريب وتماثيل وجفانا كالجواب وقد ورد ان اسيات تكفي واحدة منها الف رجل وروى ابن ابى حاتم فى تفسيره عن سيدنا سعيد بن جبير قال "كان يوضع لسليمان عليه الصلوٰة والسلام ثلثمائة الف كرسى فيجلس مومنوا الانس مما يليه ومومنوا الجن من ورائهم ثم فما كانت الشياطين الاوراء كل ذالك۔

(۴) وفى الثامنة والعشرين ارشد الى ان بعثة نبينا صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بقرب القيامة كما قال صلى الله تعالیٰ عليه وسلم "بعثت انا والساعة كهاتين" (رواه احمد والشيخان عن سهل بن سعد وهم والترمذی عن انس رضی الله تعالیٰ عنهما) وقد امهل الله الامة المرحومة الى وقتنا هذا الفا وثلثمائة وخمسا واربعين سنة وسنزيد والحمد لله الحميد ولم يناف ذالك الاٰية ولا قوله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم بعثت بين يدى الساعة بالسيف حتى يعبد الله تعالیٰ وحده لا شريك له (رواه احمد وابو يعلى والطبرانى فى الكبير بسند حسن عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالیٰ عنه وعلقه البخارى)

(۵) الانجيل بين يدى القرآن وبينهما فى النزول اكثر من ستمائة سنة والتوراة بين يدى الانجيل وبين عيسى وموسى علٰى ما فى الجمل الف وتسعمائة خمس وسبعون سنة وكذا هى بين يدى الفرقان وبين نزوليهما نحو من ثلثة الاف سنة۔

(۶) لا يرتاب احد ان لمواجه المغرب حين تدلت الشمس للغروب ان يقول

ان الشمس بين يدى» وبالفارسية «آفتاب پيش روئے من است» او بالهندية «سورج ميرے منہ کے سامنے ہے» مع ان بينهما مسيرة ثلثة الاف سنة وكذا يقول للثريا اذا واجهها وبينهما مسيرة ثمانية الاف سنة

(۷) فى الكريمة التاسعة والعشرين اريد الاتصال الحقيقى لان العمى لا يحصل الا بذالك فظهران القرب المدلول بلفظ بين يديه له عرض عريض منبط من الاتصال الحقيقى الى مسيرة ثمانية الاف سنة - وانما اصله الحاضر المشهود والاختلاف لاختلاف المحل والمقصود -

فمثلاً (۱) الثريا ترى من مسيرة كذا (۲) الشمس من كذا (۳) السماء من مسيرة خمسمأة سنة فكان هى القرب فيها (۴) وفى العملة من حيث يرون فلا يفتروا ولا يزيغوا (۵) المصلى ما مور بقصر نظره على موضع سجوده فهذا هو موضع شهوده فلم يكن المرور بين يديه الا اذا مر بحيث لو صلى صلوٰة الخاشعين يقع عليه نظره وهو المراد بموضع سجوده كما افاده المحققون (۶) فى قولك جلست بين يديه يحتاج الى قرب اكثر مما يفيد مجرد الابصار فانه يكون للمكالمة والسمع اقصر مدى من البصر واليه اشار فى الكشاف المدارك والشربينى وغيرها بقولهم «حقيقة قولهم جلست بين يدى فلان ان تجلس بين الجهتين المسامتين ليمينه وشماله قريبًا منه فسميت الجهتان يدين لكونهما على سمت اليدين مع القرب منهما توسعا كما يسمى الشئ باسم غيره اذا جاوره اھ»

وهذا هو تمام عبارة الخطيب الموعود قلت - وفى قولهم اولاً حقيقة قولهم وآخراً توسعًا اشارة الى ما قدمت من انه مجاز باعتبار

معانی الاجزاء التفصیلیة حقیقة باعتبار الاجمال (٧) یرید رجل
قرأة القرآن العظیم وهو محدث فیقول لعبده قم بالمصحف بین
یدی فیدل علی القرب بحیث یمکنه القرأة منه ویختلف باختلاف نظره
حدیداً اوکلیلاً واختلاف خط المصحف دقیقا وجلیلاً وهذا ما قالوا فی مصحف
موضوعٍ بین یدی المصلی، أو رحل وهو لا یحمل ولا یقلب انما یقرأ منه
بالنظر فیه لا تفسد الصلوة عندهما، وعنده تفسد. کما فی الهندیة وغیرها۔
(٨) تضع شیئاً بین یدی أحد لأکله فهذا علی ما تصل یده إلیه لحدیث البخاری
عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنهما۔ جئت بقلیل رطب ووضعته
بین یدی النبی صلے الله تعالیٰ علیه وسلم فأکل۔ (٩) متقابلان علے
صحفة یاکلان منها فیاخذ أحد منهما شیئاً منها ویضع بین یدی صاحبه
فهذا اعلیٰ جانب الصحفة الذی یلی صاحبه لحدیث البخاری عن انس رضی الله
تعالیٰ عنه فجعلتُ اتبع الدباء واضعهٗ بین یدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم
(١٠) جعلنا من بین ایدیهم سداً علی الإتصال الحقیقی کما علمت۔ و
بالجملة کل هذه الاختلافات انما تنشؤ من اختلاف المقامات ولادلالة
علیٰ شئ منها للفظ بین یدیه۔

واذا کان الامر علیٰ ما وصفنا بطل الاستدلال به علی الاتصال او
القرب الاخص حتیٰ یستفاد منه کون الاذان داخل المسجد فضلاً عن
کونه لصیق المنبر وهم المستدلون فلیأتوا ببرهان ان کانوا صادقین
وانی لهم ذالك واذ قد عجزوا ولله الحمد فیسألونا ان نتبرع ونفید هم
ان القرب المدلول هو ان یکون ظاهراً مشاهداً لا یحتاج معه فی رؤیته

الی تحویل الوجہ کما قدمنا التنصیص بہ عن الائمۃ ھذا ھو القدر المشترک والزیادۃ تستفاد من خصوص المقام کما علمت وھی ھٰھنا کون الاذان فی حدود المسجد وفنائہ فتم الامر وحصل النصر فظھر امر اللہ وھم کارھون والحمد للہ رب العٰلمین۔

ثالثًا۔ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم الحکم العدل وما کان علٰی عہدہ فھو الفصل المستمع من الحدیث الصحیح ان ھذا الاذان کان یکون بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی باب المسجد فعلم ان ھذا القدر من القرب ھو المراد ھٰھنا فمن زاد ونقص فقد تعدّٰی وظلم ای من زاد فی القرب فادخل الاذان فی المسجد بالمعنی الاول فقد تعدی فی سنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن نقص منہ فجعل ھذا الاذان خارج المسجد بالمعانی الثلثۃ فقد ظلم ومن جعلہ داخل المسجد بالمعنیین الاٰخرین وخارج المسجد بالمعنی الاول فھو الذی بالحق حکم وحکم اللہ ورسولہ اجل واحکم جل وعز وتعالٰی وتکرم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نفحہ (۲) ظھر مما زھر وللہ الحمد سفاھۃ من تشبث ھٰھنا بقول الراغب فی مفرداتہ یقول:

یقال ھذا الشیئ بین یدیک ای قریب منک اھ

وبکلام الکشاف والمدارک:

حقیقۃ قولھم جلست بین یدی فلان الخ

اولا۔ لا ننکر ان اللفظ ربما یلاحظ فیہ القرب ولکن قد علمت ان للقرب

عرضًا بعيدًا ۔

وثانيًا ۔ لم يدران الزيادة فی جلست بين يديہ مستفاد من خصوص الجلوس كما بينا ولہ ايضًا عرض عريض فالوزير الاعظم وسوقی حظرافامر السلطان بالجلوس، كلاهما يقول جلست بين يدی الملك ولكن شتان ماقرب الوزير وقرب من فی صف النعال اولعلہ لم يجلس الاعلی عتبۃ الباب فينقلب السند علی من استند اذ صدق علی من فی الباب كونہ بين يدی من فی صدر المجلس والمحراب ۔

ثالثًا ۔ حفظت شيأوغابت عنك اشياء ۔ ايُّها الراغب إلی قول الراغب هل تظنہ مخالفا للنصوص التی قدمنا عن ائمۃ اللغۃ وجها بدۃ التفسير ام لا ؟ فعلی الاول ماالذی راغبك عنهم الی من شذ وهم الجم الغفير وعلی الثانی الم يكفك ما للحاضر المشاهد من القرب فان الرويۃ العاديۃ مشروطها القرب ام زعمت ان القرب حد معين لاتشكيك فيہ فاذن لايجاوزك الامثلك سفيہ وهذا ربنا تبارك وتعالٰی قائلا وقولہ الحق ۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر ۔ بل قال عزوجل اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلۃ معرضون ۔ والحساب بعد قيام الساعۃ بنصف اليوم، واليوم كان مقدارہ خمسين الف سنۃ ۔

ورابعًا ۔ ذكر الامام القدوری فی الكتاب حرز الاشياء بوجهين منهما حرز بالحافظ فقال فی الجوهرۃ النيرۃ ۔ هذا اذا كان الحافظ قريبًا منہ ای بحيث يراہ اما اذا بعد بحيث لايراہ فليس بحافظ اھ ۔ فانظر جعل مايرٰی قريبًا ومانأی بحيث لا يرٰی بعيدا فهذا هو معنی القرب

فی کلام الراغب موافق لما نص علیہ الائمۃ الاطائب ۔
وخامسًا ۔ یقول لك الراغب أراغب انت عن بقیۃ کلامی یاغفول فان کلامہ ھکذا ۔
یقال ھذ الشئ قریبامنك وعلیٰ ھذا قولہ لہ مابین ایدینا ومصدقا لما بین یدی من التوراۃ الخ وقولہ قال الذین کفروالن نومن بھذا القرآن ولابالذی بین یدیہ ای متقدما لہ من الانجیل ونحوہ
اھ (باختصار)
فانظر علیٰ ما حمل القرب وقد جعل مفرعًا علیہ لہ مابین ایدینا اتراہ یقول ان مراد الملئکۃ تخصیص ملك اللہ تعالیٰ بمایلیھم ۔
وسادسًا ۔ فرع علیہ مصدقا لما بین یدی من التورات وبینھما المفاسنۃ فاذا لم یمنع ھذا الفصل الکثیر الزمانی من القرب لم یمنع منہ الفصل القلیل المکانی بین المنبر وحرف المسجد وربما لایبلغ مائۃ ذراع بل ولا فی کثیر من المساجد عشرین ۔
وسابعًا ۔ ثم قال الراغب : أأُنزل علیہ الذکر من بیننا ۔ ای من جملتنا ۔ وقولہ : لن نومن بھذا القرآن ای متقدمًا لہ من الانجیل ونحوہ انتھی فھذا تفسیر آخر لبین یدیہ ۔ اقتصر فیہ علی التقدم من دون تقیید بالقرب فقد افاد کلا الوجھین واقتصرت علی الاول بالشین والمین ۔
وثامنًا ۔ سلمنا لك ان مراد الراغب ماترید ولکن ھذا صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم السائب بن یزید العربی صاحب اللسان یقول کان یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

علیٰ باب المسجد، اھو اعلم باللسان ام انت وراغبك وبالجملة الحدیث فی جبھة حجاجکم کیة لاتمحی فللہ الحمد۔

تاسعًا ۔ اعترف ھذا المستدل بان بین یدیہ فی بعض المواضع بحسب المقام تکون خالیاً عن معنی القرب دالاً علی مجرد المحاذاة ۔ قال کما مار واقعا فی بعض الاٰیات القراٰنیة ایضا لکن ھھنا ای فی مسئلة الاذان لم یصرح بھذا فی کتاب (اھ مترجما) فقد اقران بین یدیہ یستعمل علی کلا الوجھین وانہ ورد فی القراٰن العظیم ایضا بالوجھین ثم یقول لم یصرح بہ ھھنا فی کتاب ۔ یامسکین انت المستدل واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فما ینفعك عدم التصریح بہ انما کان علیك ان تبدی تصریحا بنفیہ ولکن الجھل بسالك الاحتجاج یاتی بالعجائب ۔ ثم قولہ لما لایریدہ ولایرضاہ کما مار واقعا فی بعض اٰیات القراٰن ایضاً ۔ یلمح الی شیئ اصعب فان مثل ھذا الکلام فی مثل ھذا المقام یقال لما وقع سھواً او خطأً علیٰ خلاف الجادة نسأل اللہ العفو والعافیة

عاشرًا ۔ اذ قد ثبت فی القراٰن العظیم فلم انت راغب عنہ الیٰ قول الراغب وتزعم ان المفاد ھو الذی قالہ لاما وقع فی القراٰن الکریم فان زعمت ان ما انت فیہ لیس محلہ کان علیك ابداء ما ھو محلہ وانہ فی القراٰن لاھھنا واثبات کل ذالك بالبینة والا فلم تقربانہ فی القراٰن المجید ثم انت عنہ تحید ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العزیز الحمید۔

نفحہ (٣) نص ائمتنا فی الاصول اَنّ ۔ عند للحضور"

قال الامام الاجل فخر الاسلام البزدوی فی اصولہ ۔ والامام

صدر الشريعة فی التنقیح و التوضیح ۔ و اقرہ العلامۃ سعد التفتازانی فی التلویح ۔ (عند للحضرۃ)

و فی تحریر المحقق علی الاطلاق و شرحہ التقریر لتلمیذہ المحقق الحلبی ۔ (عند للحضرۃ)

الحسیۃ نحو فلما راٰہ مستقرا عندہ ۔ و المعنویۃ نحو قال الذی عندہ علم من الکتٰب اھ

وقال الامام الاجل ابو البرکات النسفی فی المنار و شرحہ کشف الاسرار و العلامۃ شمس الدین افناری فی الفصول البدائع فی الاصول الشرائع و العلامۃ مولیٰ خسرو فی مراٰۃ الاصول و شرحہ مرقاۃ الوصول ۔ (عند للحضرۃ الحقیقۃ اوالحکمیۃ اھ)

و فی مسلم الثبوت للمدقق البھاری و شرحہ فواتح الرحموت لملک العلماء بحر العلوم عبد العلی (عند للحضرۃ الحسیۃ) نحو عندی کوز (و المعنویۃ) نحو عندی دین لفلان اھ)

ومعلوم ان کل حاضر بالمرأی وکل ما بالمرأی قریب فلا القرب ینکر ولا فی الاتصال نحصر فمفاد عند اوسع من مفاد ۔ بین یدیہ ، فضلاً عن ان یزید ضیقا علیہ ۔ وقد فرقوا بین لدی و عند بان عند یستعمل فی القریب والبعید ولدی مختص بالقریب ۔

قال الرضی فی شرح الکافیۃ : ۔ عند اعم تصرفا من لدی لان عند یستعمل فی الحاضر القریب وفیما ھو فی حوزتک وان کان بعیداً

بخلاف لدی فانہ لا یستعمل فی البعید ام " والقرب کما علمت ذو وسع بعید ولنوضح ھھنا ایضًا بآیات الکلام الحمید ۔

(۱) قال اللہ عزوجل ۔ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ (الآیۃ) ۔ ومرت فی النفحۃ الاولی القرآنیۃ امرکل من فی مشھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغض الصوت ولا یختص بالذی یلیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فسواء فیہ من لدیہ ومن علی الباب کلھم عند رسول اللہ بلا ارتیاب صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یحل لاحد ان یصیح ویصرخ فی حضرتہ اویرفع صوتا فوق ضرورتہ ولوکان مفاد عند " مایزعمون لشمل ھذا الوعد الجمیل بمغفرۃ واجرعظیم من قام بحضرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی فصل عدۃ اذرع فجعل یصیح مع اٰخر صیاحًا شدیدًا منکرًا فاذا کان منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفصل شبر مثلًا او تکلم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضّ صوتہ وھذا لایقول بہ مسلم لہ عقل ۔

(۲) قال جل وعلا ۔ ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا " وھذا اوسع من ذالک یشمل کل من فی خدمتہ وان لم یکن الاٰن فی حضرتہ ۔

(۳) قال تبارک وتعالٰی ۔ یقولون طاعۃ فاذا برزوا من عندک بیت طائفۃ منھم غیرالذی تقول واللہ یکتب مایبیتون " ھذا فی المنافقین وما کانوا یلونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المجلس انما کان ذالک لابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما ثم لا یختص بمن کان اقرب منھم بالنسبۃ الی الاٰخر بل یشمل ھم جمیعًا ۔

(۴) قال المولیٰ سبحانه وتعالیٰ ۔ ان المتقین فی جنٰت ونهر فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر ۔ عمت کل متق ولکن این احاد الصلحاء من العلماء والعلماء من الاولیاء والاولیاء من الصحابة والصحابة من الانبیاء والانبیاء من سید الانبیاء صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فرق لایقدر ولایقدر بشران یتصور اعظم بالوف آلاف مرات ممابین الفلك الاعلیٰ وما تحت الثریٰ وقد شملت کلهم عند ۔

(۵) مثل قوله عزوجل ۔ ان للمتقین عند ربهم جنٰت نعیم ۔ فی آیات اُخر ۔

(۶) وقال العلی الاعلیٰ تبارك وتعالیٰ ۔ اذ قالت رب ابن لی عندك بیتاً فی الجنة ، ومعلوم ان الله تعالیٰ قد استجاب لها وقد فرج لها فی الدنیا عن بیتها کما فی حدیث سلمان وحدیث ابی هریرة بسند صحیح رضی الله تعالیٰ عنهما وما کانت لتطلب اقرب المنازل وان تفضل علی الانبیاء والرسل علیهم وعلیها الصلوٰة والسلام ۔ بل قرباً یلیق بها وان لم یسا وِما لخدیجة وفاطمة وعائشة رضی الله تعالیٰ عنهن فضلا عن الانبیاء الکرام علیهم الصلوٰة والسلام ۔

(۷) وقال عزوعلا فی الشهداء ۔ بل احیاء عند ربهم ۔ واین رجل من احاد الشهداء من سیدهم حمزة رضی الله تعالیٰ عنه بل من نبی الله یحییٰ وغیره ممن استشهد من الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام ۔

(۸) قال جل ذکره فی الملٰئکة ۔ ان الذین عند ربك ، وتفاوتهم فیما بینهم معلوم غیر مفهوم وما منا الا له مقام معلوم ۔

(۹) قال عز من قائل۔ وقد مکروا مکرهم وعند الله مکرهم، وما کان لمکر الکفار ان یکون له قرب من العزیز الجبار لا مکانا لاستحالته ولا مکانة لاستهانته وانما هو للحضور ای حاضر بین یدیه لایخفی علیه فیرجع الی معنی العلم۔

(۱۰) قال سبحانه ما اعظم شانه "ثم محلها الی البیت العتیق" یعنی البدن قال فی المعالم "ای عند البیت العتیق یرید ارض الحرم کلها قال فلا یقربوا المسجد الحرام کله اھ" جعل جمیع اجزاء الحرم اذ کلها منحر عند البیت العتیق ومعلوم ان کثیرا منها علی فصل فراسخ من البیت الکریم۔

(۱۱) تری التابعین یقولون فی احادیثهم کنا عند عائشة رضی الله تعالی عنها فلا ادری علی ای قرب یحمله المبطلون۔

(۱۲) یقول الحاجب جئت من عند الملك وما کان الاعلی الباب۔

(۱۳) یقول مکی بیتی عند باب السلام وربما کان بینهما اکثر من مائتی ذراع۔

(۱۴) یقول التلمیذ جلست عند شیخی ثلث سنین کوامل وان لم یکن قیامه الا فی مسجده وجلوسه الا فی اخریات مجلسه۔

(۱۵) اتوخذ لفظة عند من کلام بعض الفقهاء ولا یوخذ ما ابانوا من معنی عند، قال فی الکتاب الهدایة والکنز والتنویر وغیرها واللفظ للکنز۔

من سرق من المسجد متاعا وربه عنده قطع اھ

فقال علیه فی شروحها المجتبی وفتح القدیر وبحر الرائق والدر المختار وغیرها والنظم للد ر۔

عنده ای بحیث یراه اھ

نظهران معنى عند لايزيد على ما بينا من مقد بين يديه ولا دلالة لشئ منهم ان الاذان داخل المسجد فضلاً عن كونه لصيق المنبر ولكن اذا رسخ فى القلب وهم فكلما يراه يتخيله اياه وكلما يسمع يتوهمه بمعناه كما قيل سغبان واحد مع واحد كم يصير قل خبزان ۔

نفحه (۴) استبان مما بان ولله الحمد جهالة من تمسك هنا بقول الراغب "عند" لفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل فى المكان وتارة فى الاعتقاد نحو عندى كذا وتارة فى الزلفى والمنزلة اھ" وقول المبسوط "عند عبارة عن القرب" وبان ترجمته بالفارسية نزد وبالهندية پاس وقد افدناك من موارد القرب ما يغنى عن اعادته وجميع الآيات التى تلوناها انما ترجموا "عند" فيها بالسائين بلفظة "نزد، پاس" مع ما فيها من العرض العريض كما بينا وكذالك فى "اقتربت الساعة" وفى "اقترب للناس حسابهم" وغير ذالك مما لا يخفى على الصبيان وقد سئلناهم مراراً عن مسئلة فقهية فلم يجب احدٌ منهم الى الآن وكيف يجيبوا وما لهم به يدان واذا بزغ الحق كل اللسان ۔

صورتها زيد صنع منبرا تبلغ قيمته ديناراً عشرة دراهم او اكثر وهو خفيف بحيث يذهب به رجل واحد لا ينوئه ولا يؤده شئ من حمله و اذهابه فاذا جاء فى المسجد حين المنبر كان المتولى يستعيره من مالكه ثم اذا فرغ يرده اليه وذات يوم قضيت الصلٰوة وانتشر وا فى الارض والمنبر بعد فى مكانه و مالكه قام بحذائه على باب المسجد او فى فنائه اذ دخل وهابى من باب آخر مسترقا وخانت التقاته من زيد فاخذ المنبر وشرد

فهل يقطع هٰذا الوهابی السارق شرعًا امر لا۔ فان قالوا لا فقد خالفوا نصوص الائمۃ اذ قالوا۔

"من سرق من المسجد متاعًا وربہ عندہ بحیث یراہ قطع"

وان قالوا نعم فقد کان شرط القطع ان یکون ربہ عندہ لیکون محرزًا بالحافظ اذ المسجد لیس بحرز فقد اعترفوا ان القائم علی باب المسجد او فی حدودہ او فنائہ حذاء المنبر قائم عند المنبر فثبت ان الاذان فی فناء المسجد بحذاء المنبر اذان عند المنبر و ذالک ما اردناہ وللہ الحمد حمدًا کثیرا طیبًا مبارکًا فیہ کما یحبہ ویرضاہ۔

نفحہ (۵) لئن نزلنا الی مثل مدارکھم فلا شک ان عند ظرف زمان ومکان قال تعالٰی "خذوا زینتکم عند کل مسجد" ای ثیابکم وقت کل صلاۃ۔

والوقت یضاف الی الامکنۃ والاجسام ایضا اذا کان لہ اختصاص بھا۔ قال تعالٰی "یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم" وانما حنین اسم مکان وکذا یوم بدر یوم احد یوم الدار لیلۃ عقبۃ لیلۃ المعراج لیلۃ الغار فی الصحیحین "من لھا یوم السبع" سبع بسکون الباء مکان المحشر او بضمتھا الحیوان المفترس وعلیہ الاکثر ولا شک ان لھذا الوقت اختصاصًا بالمنبر فعند المنبر ای وقتہ وحینہ۔

نفحہ (۶) احتجوا بقول بعضھم "علی المنبر" فمن ھؤلاء من یفسرہ بعند وقد علمت ان لیس فی عند ما یقر اعینھم واجھلھم یقول "علی" ھھنا بمعنی الباء یرید ان الباء للالصاق فکان الاذان

ملاصق المنبر مع ان الالصاق الذى فى الباء ليس قطعا بمعنى الاتصال الحقيقى تقول مررت بزيد اذا مررت بحيث تراه وان كان بينكما اكثر مما بين المنبر والباب قال تعالى

وكاين من اٰية فى السموات والارض يمرون عليها وهم عنها معرضون ۔ ههنا لفظة علٰى نفسها وانت لا يبلغ الاسباب اسباب السمٰوات حتى تلتصق باٰياتها انما المعنى تمر بحيث تراها ۔

وامثلهم طريقة يقول ان بعض الفقهاء اتى بعلٰى تاكيدًا للقرب يريد ان المراد المبالغة فى العقرب حتى كانه عليه فوقه وكل هذا من هوساتهم ۔

فاولا ۔ قد اجمع العقلاء ان اللفظ متى احتمل الحقيقة لا مجاز عنها الى المجاز ومعلوم ان على بمعنى عند او بمعنى الباء او للمبالغة كل ذالك مجاز وهى حقيقة فى اللزوم ۔ ففى اصول الامام شمس الائمة ثم كشف الامام البخارى ۔

" اما على فللالزام باعتبار اصل الوضع "اھ

وفى تحرير الامام ابن الهمام وتقريب الامام ابن امير الحاج

" وهو اى اللزوم هو بمعنى الحقيقى "اھ

وفى الرضى الكافية :

" منه سر على اسم الله تعالٰى اى ملتزما "اھ

قال ربنا عزوجل ــــ فجاءته احدٰهما تمشى على استحياء اى ملازمة للحياء ۔ ولا شك ان هذا الاذان ايما كان لازم ملازم للمنبر نافى

توفكون۔

وثانیًا : أیست " علی " للمصاحبة ۔ قال الإمام الجلیل الجلال السیوطی فی الاتقان ۔ علی حرف جر لہا معان (الی ان قال) ثانیہما المصاحبة کمع نحو واٰتی المال علی حبہ ای مع حبہ ۔ وان ربك لذو مغفرة للناس علی ظلمهم اھ وفی الحدیث " زکاة الفطرة علی کل حر وعبد " قال فی النہایة " قیل علی ھٰھنا بمعنیٰ مع لان العبد لا تجب علیہ الفطرة وانما تجب علیٰ سیدہ اھ " وفی القاموس ۔ والمصاحبة کمع واٰتی المال علیٰ حبہ اھ وفی الفتوحات الالٰہیة تحت قولہ تعالی " تمشی علی استحیاء " علی بمعنی مع ای مع استحیاء اھ " ولا شك ان ھٰذا الاذان مصاحب المنبر لا یتقدمہ ولا یتأخر عنہ فان کانت حقیقة فی المصاحبة فذاك والا بطل مجازکم باحتمال مجاز اٰخر اذ انتم المستدلون ۔

ثالثًا ۔ قال ربنا عزوجل ، (واتبعوا ما تتلو الشیٰطین علی ملك سلیمان) قال فی الاتقان والفتوحات الالٰہیة ـــــ (ای فی زمن ملکہ) وفی مدارك الامام النسفی ـــــ (ای علی عہد ملکہ وفی زمانہ) اھ

ولاشك ان ھذا الاذان علی عہد المنبر وفی زمانہ ۔ فرجعت الی معنی عند الزمانیہ ۔

ورابعًا ۔ اصل الکلام انہم اختلفوا فی الاذان المعتبر لایجاب السعی وترك العمل ھل ھو الاذان الاول کما ھو الاصح وبہ قال الحسن بن زیاد عن سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالی عنہ ام اذان الخطبة لانہ لم یکن عند نزول الکریمة غیرہ وبہ قال الامام الطحاوی رحمہ اللہ

تعالیٰ و نقل الشمنی فی شرح النقایہ کلامہ ھکذا قال الطحاوی ۔

انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اھ

وفی مرقاۃ علی القاری قال الطحاوی :

انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وزمن الشیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔ اھ

وھذا کما تری لا مثار لوھم فیہ ۔ وکان بعض المتاخرین اختصروا مقالہ ولیراجع اصل لفظہ رحمہ اللہ تعالیٰ فانی ارجو ان لا یکون فیہ ما اوقعہم فی الوھم وکیف ما کان فانما استدل بانہ الذی کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وھکذا ذکر فی دلیلہ من عبرہ بالاذان علی المنبر او عند المنبر کالکافی ، والکفایۃ والمبسوط وغیرھما ۔ ومعلوم قطعًا انہ لم یکن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوق المنبر ولذا احتاج ھؤلاء ایضا الی تاویل علی بعند أو الباء ، أو المبالغۃ فاذن یجب حملہ علی ما کان علیہ فی زمنہ الکریم وکما لم یثبت کونہ فی عہدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوق المنبر ، کذالک لم یثبت کونہ ملاصق المنبر او عند المنبر بالمعنی الذی یزعمون ۔ وانما ثبت کونہ علی باب المسجد فیجب ان لا یحمل الا علی ما یوافقہ عند کان او علی ، ولکن الانصاف قد عزفی الاخلاف ۔

نفحه (۷) لئن تنزلنا لهم عن جميع هذه التحقيقات التى ذكرنا بتوفيق ربنا على الاعلىٰ فى " عند وعلىٰ "

فاولا - ماقولهم " المعتبر الاذان على المنارة اوالاذان على المنبر اوعند المنبر " إلاحكاية حال للتعريف ويعرف كل احد حتى الصبيان انه ليس بحكم وقولهم " لايوذن فى المسجد، ويكره الاذان فى المسجد " حكم والعبرة بالحكم لا بالحكاية -

وثانيًا - الاذان الذى كذ ابيان علامة له فلا يدل على جوازه فضلًا عن استنانه قال الامام الاجل ابوزكريا النووى فى شرح صحيح مسلم ثم العلامة المحدث طاهر فى مجمع بحار الانوار -

ان العلامة تكون بحرام ومباح - اه

ارأيت ان اجتمع فى صعيد السلطان والامراء والناس ممن لايعرف السلطان سأل عالما " من فيهم الملك الذى يفترض علينا طاعته فى المعروف " فقال الذى على راسه تاج الذهب - هل يكون ذالك حكمًا منه بجواز لبس الذهب للرجال كلاّ ، علماؤنا قد ارشدوا الى الحكمان لا يؤذن فى المسجد وانه مكروه فى المسجد ومع ذالك لاشك ان لوفعل فيه كمايفعل هٰؤلاء لكان موجبا للسعى وترك البيع على قول الامام الطحاوى فلوفرض ان الناس أحدثوه هكذا فعرفوه به بيانا لحكم السعى كان ماذا -

ثالثًا - الحكم الضمنى فى الوصف العنوانى حكم منطقى والحكم المنطقى ان كان تصديقيا لم يلزم ان يكون شرعيًا فكيف اذا كان ضمنيًا الم تسمع الى ماقاله العلماء فى حديث " عليك السلام تحية الموتىٰ " -

ورابعًا - بعد التيا والتی ان کان فمن باب "الاشارة" و قولهم لايوذن فی المسجد ويكره الاذان فی المسجد "عبارة" وقد نصوا قاطبة ان العبارة مرجحة على الاشارة وان الحكم و الفتيا بالمرجوح جهل وخرق الاجماع - كما فی تصحيح القدوری والدر المختار -

وخامسًا - فی معانيه انواع الاحتمال، والنصان صريحان والمحتمل لايعارض الصريح واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال -

وسادسًا - مع قطع النظر عن كل ما مر غايته تعارض حاظر ومبيح فيترجح الحظر بل الأمر اذا تردد بين السنة والكراهة كان سبيله الترك كما نص عليه فی رد المحتار والبحر وغيرهما - لأن درء المفاسد اهم من المصالح - وفی معراج الدراية للامام القوام الكاكی ثم منحة الخالق غض البصر مكروه والجماعة سنة فترك السنة أولی من ارتكاب المكروه اھ فعلی كل حال ما النصر الا لنا ولا الدائرة إلا عليهم ولله الحمد -

• فهذه عشرة أجوبة عن "عند" وعشرة عن "علی" والحمد لله العلی الاعلی - وانت خبير ان كل ما ذكرنا فی هذه النفحة الأخيرة فانما هو علی غاية التنزل وارخاء العنان وجری علی سنن المناظرة والاحققنا كلام الفقهاء الكرام بما لا يبقی معه للمنصف كلام ولا للمجادل مجال جدال واما المكابر فداءه عضال نسأل الله العفو والعافية -

نفحہ (٨) اعلم ان السنة عند السادة المالكية فی اذان الخطبة ايضًا ان يكون علی المنارة وصرحوا ان كونه بين يدی الخطيب بدعة

ومکروهة وقال الامام محمد العبدری الفاسی المالکی فی المدخل۔

ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبران یکون الموذن علی المنارة کذالك کان علی عهد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرًا من خلافة عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانًا آخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عهد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك ثم لما تولی هشام بن عبد الملك اخذ الاذان الذی فعله عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ بالزوراء وجعله علی المنار ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرًا من خلافة عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بین یدیه۔ قال علماؤنا رحمہ اللہ تعالٰی علیہ وسنة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولٰی ان تتبع (اھ باختصار)

وفی حواشی الجواهر الزکیة شرح العشماویه للعلامة یوسف السفطی المالکی۔

الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیہ اهل المغرب الی الآن وفعله بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزلی وقد نهی عنہ مالك فعله علی المنار والامام جالس هو المشروع اھ سکندری اھ

وفی المواهب اللدنیة للامام احمد القسطلانی وشرحها للعلامة محمد الزرقانی المالکی رحمهما اللہ تعالٰی۔

قال الشیخ خلیل ابن اسحاق فی التوضیح شرحہ علی ابن الحاجب :

اختلف النقل حل کان یوذن بین یدی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم او علی المنار الذی نقلہ اصحابنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالک فی المجموعۃ ونقل ابن عبد البر فی کافیہ عن مالک رضی اللہ تعالی عنہ ان الاذان بین یدی الإمام لیس من الامر القدیم الخ ،

وسیاتی تمامہ بعونہ تعالی ۔ فھذہ نصوص الامام مالک واصحابہ علی ان کون الاذان بین یدی الخطیب بدعۃ من راسہ فضلاً عن کونہ فی المسجد وانما السنۃ فیہ ایضا کاذان سائر الصلوات کونہ علی المنار فظھران ادعاءھم اجماع المسلمین علی الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فریۃ منھم وای اجماع قوم مع خلاف امام دار الھجرۃ وجماھیر اصحابہ رضی اللہ تعالی عنہ وعنھم ولکن اکذب من ادعی اجماع المذاھب الأربعۃ ولعل مالکا لیس عندہ من الأربعۃ ۔ ھذا اذا لم یصرح ائمتنا الحنفیۃ بکراھۃ الاذان داخل المسجد فکیف وقد صرحوا ۔ ولا نعلم خلافا فیہ عن غیرھم فلا یبعد ان الاجماع علی خلاف ما ھم علیہ وباللہ التوفیق ۔

نفحہ (۹) وبہ ظھر بطلان زعمھم تعامل جمیع المسلمین فی جمیع بلاد الاسلام بایقاع ھذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر المزعوم السکندری ثم السفطی ان الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الآن اھ‍ ، ونری فی معظم بلادنا الجوامع السلطانیۃ مبنیۃ فیھا دکۃ لھذا الاذان بعیدۃ عن المنبر وعلیھا یفعل الی الآن

سہ دکہ

وقد قد منا انہ اذان خارج المسجد لکن العوام لایعلمون۔ یعلمون ظاهرًا من الحال وعن الحقیقۃ ھم غافلون۔ واذ لم یھتدوا الہا طنوہ اذا نا فی المسجد فعن ھذ انشأ وفشا فیہم ھذا ثم قاسوا علیہ اذان سائر الصلوات۔ اذلا فارق ولا قائل بالفرق فتری ھم فی کل صلاۃ یقوم احد ھم اینما شاء من بیت اللہ فیرفع عقیرتہ بالاذان۔ واذا قیل لہ اتق اللہ قابل بالعناد والطغیان فصار عمل السنۃ عند ھم منسیا وتصریحات الفقہ شیأً فریا احدثوا تعاملا فیما بینہم علی خلاف الشریعۃ ثم جعلوہ لابطال حکم الشرع ذریعۃ والی اللہ المشتکی وھو المستعان۔

ولم یعلموا ان مثل ھذ التعامل لاحجۃ فیہ والا لکان الکذب والغیبۃ والنمیمۃ اجدر بالجواز فانہا اکثر تعاملاً وافشی فی الناس شرقًا وغربًا بعد قرون الخیر قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ "ثم یفشو الکذب"۔ قال فی فتاوی الغیاثیۃ اواخر کتاب الاجارۃ عن السید الامام الشھید رحمہ اللہ تعالٰی۔

انما یدل علی الجواز مایکون علی الاستمرار من صدر الاول فاذا لم یکن کذالک لایکون فعلھم حجۃ الا اذا کان من الناس کافۃ فی البلدان کلہا الاتری انھم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لایفتی بالحل اھ

وفی جمعۃ رد المحتار:

المتعارف انما یصلح دلیلاً علی الحل اذ کان عاما من عھد الصحابۃ والمجتھدین کما صرحوا بہ اھ

وفی جنائزہٖ نقلاً عن بعض المحققین من الشوافع بالتقریر مانصہ:

هذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیته عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل ذالك منذ ازمنة

وفی المکتوب الرابع والخمسین من المجلد الثانی من المکتوبات الشیخ احمد السرهندی الشهیر بمجدد الالف الثانی ماترجمته :

غمرت الدنیا فی بحر البدعات واطمأنت بظلمات المحدثات من یستطیع دعوی رفع البدعة والتکلم باحیاء السنة اکثر علماء الزمن حماة البدع

ومحاة السنن یحسبون شیوع البدع تعاملا فیفتون بجوازها بل استحسانها ویدلون الناس علی اتیانها یظنون ان الضلال اذا شاع والباطل اذا تورف صار تعاملا ولایدرون ان مثل هذا التعامل لیس دلیلا علی حسنه انما العبرة بتعامل جاء من الصدر الاول اوحصل اجماع جمیع الناس علیه ثم احتج بعبارة الغیاثیة المذکورة ثم قال

ولاشك ان العلم بتعامل الناس کافة وعمل جمیع القری والبلدان خارج عن وسع البشر اه

واکثر المخالفین لنا فی المسئلة الدائرة انما یفتخرون بانهم من غلمان هذا الشیخ وقد قرأ علیهم قوله هذا مرارًا فلا یسمعون ولاینتهون عن ادعاء التعامل ولایرعوون انما اتخذوا شیخهم هواهم. فهم بفتوی الهوی یعملون۔ نسأل الله العفو والعافیة ۔

قال العلامة الشامی فی ردالمحتار من الاجارات وفی رسالته

« تحرير العبارة » وفی کتابه « العقود الدريه » کلاهما عن العلامة « تنالی زاده » [ـه]

ان مسألة البناء والغرس على ارض الوقف كثيرة الوقوع في البلدان واذا طلب المتولي او القاضي رفع اجارتها الى اجر المثل يتظلم المستاجرون ويزعمون انه ظلم، وهم ظالمون. وبعض الصدور والاكابر يعاونونهم ويزعمون ان هذا تحريك الفتنة على الناس وان الصواب ابقاء الامور على ما هي عليه وان شر الامور محدثاتها ولا يعلمون ان الشر في اغضاء العين عن الشرع وان احياء السنة عند فساد الامة من افضل الجهاد واجزل القرب اهـ

وفی تحرير الغيات :

نعلم بهذا ان هذه علة قديمة ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم اهـ

وفی رد المحتار :

اذا تكلم احد بين الناس بذلك يعدون كلامه منكرا من القول وزورا وهذه بلية قديمة . اهـ

وفيه وفی العقود الدرية :

« وهذا علم في ورق »

وهذه لعمرك حال الناس في تهالكهم على هذا المحدث وهذه هي اعذارهم في ابقاعه والقاء السنة - والله المستعان - ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم .

ـه هكذا في رد المحتار طبع في قسطنطنيه وفي تحرير العبارة قنلی زاده بغير الالف وفي العقود الدريه منلی زاده بالميم

نفحه (۱۰) اذ قد ظهران لا تعامل الى الآن نما ظنك بالتوارث الذى به يلهجون واذا اخذوا بالحديث والفقه نهم يتلجلجون ويا سبحان الله انما التوارث التعامل فى جميع القرون - فاذا لم يتحقق الى الآن كيف يثبت من سالف الزمان واذ قد ارشد الحديث الصحيح ان الذى فى عهد الرسالة والخلافة الراشدة كان على خلاف ما يزعمون فانى يصح التوارث والى من يسندون وعمن يرثون قال المحقق حيث اطلق فى فتح القدير مسألة الجهر فى الاولين والاخفاء فى الاخريين -

قوله - هذا هو المتوارث ، يعنى انا اخذنا عمن يلينا الصلاة هكذا فعلاً وهم عمن يليهم كذالك وهكذا الى الصحابة رضى الله عنهم وهم بالضرورة اخذوه عن صاحب الوحى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلا يحتاج الى ان ينقل فيه نص معين - اھ

فهذا معنى التوارث المحتج به شرعاً مطلقا المستغنى عن ابداء سند خاص وانى لهم بذالك وكيف يصح فيما قد علمنا عن صاحب الوحى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعن خلفائه الراشدين رضى الله تعالىٰ عنهم خلافه

اقول وتحقيق المقام ان الاحوال اربع

(۱) العلم بعدم الحدوث

(۲) وعدم العلم بالحدوث

(۳) والعلم بالحدوث تفصيلاً اى مع العلم بانه حدث فى الوقت الفلانى

(۴) والعلم به اجمالاً ان علمنا انه حادث ولا نعلم متى احدث ومن احدث فالشئ اذا كان ناشيا متعاملاً به فى عامة المسلمين ، وعلمنا انه

هو الذی کان علیٰ عهده صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم فهو القسم الاول ۔ وهو المتوارث الاعلیٰ واذ لم یعلم کیف کان الامر علی عهد النبی صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم ولا علم انہ حادث بعده صلی الله علیہ وسلم فیحمل علی ان کل قرن اخذہ عن سابقہ ویجعل متوارثا تحکیما للحال حملا علی الظاهر والاصل ۔ اذ الاصل فی الامور الشرعیۃ هو الاخذ عن النبی صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم ۔ والعمل بالسنۃ هو الظاهر من حال عامۃ المسلمین ۔ وهذا هو القسم الثانی ، وهذا مایقال فیہ انہ لایحتاج الی سند خاص اما اذا علم حدوثہ فلا یمکن جعلہ متوارثا عن النبی صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم سواء علمنا وقت حدوثہ اولا ۔ لان عدم العلم بوقت الحدوث لیس عدم العلم بالحدوث فضلا عن العلم بعدم الحدوث فرب حادث نعلم قطعا انہ حادث ولا نعلم متی حدث کاهرام مصر ، بل والسماء والارض فی الحدوث المطلق ومعالیق الحجرۃ الشریفۃ التی تعلق حولها من قنادیل الذهب والفضۃ ۔ ونحوهما ۔ فی الحدوث المقید قال السید السمهودی فی خلاصۃ الوفاء ۔

ولم اقف علی ابتداء حدوثها الخ

وحینئذ ینظر هل یخالف هذا سنۃ ثابتۃ فی خصوص الامر اولا ۔ علی الثانی یحال الامر علی حال الشیئ فی نفسہ فان کان حسنا داخلا تحت قواعد الحسن یحسن علی تفاوتہ من الاستحباب الی الوجوب حسب ماتقتضیہ القواعد الشرعیۃ ۔ وقد یطلق علیہ "المتوارث" اذا تقادم عهدہ کذکر العمین الکریمین فی الخطبۃ ۔ وهذا ادنی اقسامہ ۔ ولا اطلاق لہ علی مادونہ ۔ اللّٰهم الا لغۃ ۔ کتوارث التقیۃ فی الرافضۃ ۔ والکذب

فی الوهابیۃ ۔

وان کان قبیحًا داخلا تحت قواعد القبح فقبیح علی تفاوتہ من الکراھۃ الی التحریم اولا ولا فلا ولا بل مباح عـــه والخروج عن العادۃ شہرۃ ومکروہ کما نصوا علیہ ۔ وورد " خالقوا الناس باخلاقھم " وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم " بشروا ولا تنفروا ۔

وعلی الاول یرد ولا یُقبل وان فشا ما فشا ، وقد اجار اللہ الامۃ عن الاجتماع علی مثلہ الا ان یکون شئ تغیر فیہ الحکم بتغیر الزمان کمنع النساء عن المساجد وھذا فی الحقیقۃ لیس مخالفًا للسنۃ الثابتۃ بل موافق لھا ۔ وان خالف الواقع فی عھدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لان الواقع کان لشئ کان وبان والحادث لشئ لو کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم لکان ۔

فھذا ھو التحقیق ومعلوم ان مسئلتنا ھذہ من القسم الرابع فی التقسیم الاول ۔ والقسم الاول فی التقسیم الثانی ای نعلم انہ حادث وان لم نعلم متی حدث ۔ ونعلم ان الواقع علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان علی خلاف ذالک ولیس ولیس شیأً یتغیر فیہ الحکم بتغیر الزمان ومع ھذا تظافرت النصوص عن ائمۃ الفقہ بنھی عام ھو داخل فیہ ۔ بل ارشد الائمۃ الی النھی عن خصوصہ ۔ ودلت الادلۃ علی قبحہ وشناعتہ کما تقدم کل ذالک ، فثبت انہ یستحیل جعلہ متوارثا ۔ بل ھو من المحدثات المردودۃ قطعًا ۔ والحمد للہ ۔

وبہ استبان ان الجھل بمبدأہ لا یجعلہ قدیما للعلم بحدوثہ بل الجھل بالمبدء یوخرہ جدا ۔ لان الحادث انما یضاف الی اقرب الاوقات

عـــه بیاض فی الاصل

وزعمه انه حدث من زمن سيدنا عثمٰن رضی الله عنه فرية بلامرية۔
واحتجاج التانوی الوهابی له بانه لما قال فی الهدايه "اذا صعد
الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بين يدی الامام بذالك جری التوارث" اھ
قال عليه امام العينی فی البناية "ای فی زمن عثمان" اھ۔
ولا يمكن ان يراد بقوله بين يدی المنبر مجرد المحاذات لثبوتها من زمن
الرسالة فلابد ان يراد به كونه لدی المنبر متصلا به ليصح جعله متوارثا من
زمن عثمان لا قبله اھ
وما زعم الوهابی المفتری وهذه فرية فوق فرية، ولقد صدق رسول
الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم۔ اذا لم تستحی فاصنع ما شئت فان عبارت
البناية هٰكذا۔

م بذالك ش ای بالاذان بين يدی المنبر بعد الاذان الاول
علی المنارة م به جری التوارث ش من زمن عثمان بن عفان
الی يومنا هذا اھ

فالاشارة الی التاذين بعد التاذين۔ لا الی التاذين بين يديه۔
ولكن الوهابية قوم يفترون ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم۔
وكذا زعمه بعد التنزل حدوثه من زمن هشام بن عبدالملك
وهذا انما قاله بعض المالكية فی التاذين بين يدی الامام لقولهم انه
محدث وانما كان هذا الاذان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم
وخلفائه الراشدين رضی الله تعالٰی عنهم علی المنار ايضا كما تقدم وقد
رده محققوهم وبينوا ان هشاما لم يتغير هذا الاذان شيئا انما غير الاذان

الاول الذی احدثه عثمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یفعل بالزوراء فنقله هشام الی المسجد علی المنارة ۔ قال العلامة الزرقانی المالکی رحمة اللہ تعالیٰ علیه فی شرح المواهب (عبارة ابن الحاجب من المالکیة ، یحرم الاشتغال من السعی عند اذان الخطبة وهو المعهود) فی زمانه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم زمن کان عثمان وکثروا امر بالاذان قبله علی الزوراء اھ ثم نقله هشام الی المسجد وجعل الاخر بین یدیه) بمعنی انه ابقاه بالمکان الذی یفعل فیه فلم یغیره بخلاف ما کان یفعل بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار اھ باختصار ۔

ولئن فرضنا ان هشامًا هو الذی غیر السنة فمن هشام وما هشام حتی یعتبر بتغییره ویوخذ بفعله وتترك سنة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وخلفائه الراشدین لاجله لا یرضی به احدٌ من اهل الدین ۔ ونسبة الوهابی ایاه الی ائمة الهدی مالك وابی حنیفة وغیرهما رضی اللہ تعالیٰ عنهم انهم اتبعوا هشامًا فیه وترکوا السنة لاجله افتراء منه علیهم وسبة غلیظة فی حقهم حاشاهم عن ذالك ولکن اذ قد الخبیث اذ قد سب محمدًا وسب رب محمد جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وطبعه واشاعه فمن بقی نعوذ باللہ من حال کل مرتد وشقی ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم ۔

نفحه (١١) واذ قد طولبوا مرارًا انکم تدعون التوارث عن المصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فهل نص علیه احد ، او عندکم علیه من دلیل ام انتم شاهدتم زمنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ، ام کل ما ترونه فی زمنکم فهو مستمر من زمنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم احیاء هم اضطرار

عــه فی الاصل هکذا ولعله الجار

الغريق الى التثبث بكل حشيش فتمسكوا بمنقول ومعقول، اما المنقول فقول الهداية والهندية -

«اذن المؤذنون بين يدى المنبر وبذالك جرى التوارث»

وهذا كما ترى نزغة من جهلهم بمعنى بين يديه كما عرفت مفصلاً فقول الهداية حق وهداية، وفهمهم منه ان الاذان داخل المسجد متوارث من زمنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم جهل وغواية -

واما المعقول فهوانه لم يذكر فى شئ من التواريخ ان هذا الاذان سرى اليه التغير بعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعلم انه كما يفعل الآن كان هٰكذا يفعل على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم -

وهٰذا قول من ليس له من العلم الا الاسم - فلا التواريخ التزمت ذكر جميع الحوادث الجزئية المتعلقة بالمسائل الشرعية، ولا كل كتب التواريخ وجد المدعى، ولا كل ما وجد طالعه برمته، ولا عدم الوجدان عدم الوجود ولا عدم الذكر ذكر العدم - ولو تنزلنا عن كل هذا فاذ قد ثبت بالحديث الصحيح ان الذى كان على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خلاف ماشاع فى هٰولاء فالتغير ثابت لا مرد له افتردون الحديث الصحيح، ام تكذبون العيان الصريح، بان التواريخ لم تتعرض لبيان التغير، ولكن الجهل اذا تملك لم يخش الفضوح والتعيير ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم.

نفحه (۱۲) لا حجة فى توارث البعض اذا خالف الحديث والفقه - الاترى ان اجل توارث واعظمه واهيبه وافخمه توارث اهل الحرمين المحترمين زادهما الله تعالىٰ عزا وتعظيما واهلهما فضلاً وتكريما لاسيما

فی القرون الاول ومع ذالك لم یسلمه امامنا الاعظم وجمیع ائمة الفتوی فی مسألة الاذان الفجر من اللیل لمجی الحدیث بخلافه قال فی الهدایة لایوذن لصلاة قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل وقال ابویوسف وهو قول الشافعی رحمهما الله تعالٰی یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اهل الحرمین والحجة علی الکل قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال رضی الله تعالٰی عنه لاتوذن حتی یستبین لك الفجر هکذا ومد یدہ عرضًا اھ، قال الامام الاکمل البابرتی فی العنایة۔

قوله والحجة علی الکل ای علی ابی یوسف والشافعی واهل الحرمین یعنی ان الحدیث حجة علی الاخذ والماخوذ منه اھ۔

فاذا کان هذا فی توارث اهل الحرمین التابعین وتبع التابعین وهم ماهم فما ظنك بتوارث تدعیه الاٰن فی بعض البلدان وما فیکم ولا فیمن ولی کم اوولی من ولی کم من یکون فعله اوسکوته حجة فی الشرع فضلًا عن ان یکون حجة علی الشرع والله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

نفحه (۱۳) ظهر بهذا ولله الحمد وهن تمسکه بفعل موذن الحرمین الشریفین نعم ان هذا الاذان فی مکة زادها الله شرفا علی حاشیة المطاف وما کان مسجد الحرام علی عهد سید الانام علیه افضل الصلوٰة والسلام الاقدر المطاف کما فی المسلك المتقسط لعلی القاری وغیرہ فاذن محل الاذان الاٰن هو محله القدیم وان احاط به المسجد بالزیادة کما ارساط بئر زمزم۔ وفی المدینة المنورة صلی الله تعالٰی علی من نورها

دیارك وسلم علی دكة بازاء المنبر فامر قد مت وقد تم الامر لما قد منا
ان الدكك ومنزنة خارجة عن المسجد بالمعنی الاول غیر ان الشان
فی احداثها كما تقدم فكیف یحتج به والله الهادی ۔ اذ علمت ان امامنا
رضی الله تعالیٰ عنہ وجمیع ائمة الفتوی بعدہ لم یقبلوا توارث التابعین
وتبعهم من اهل الحرمین الشریفین لمخالفة الحدیث فما ظنك بفعل
موذن الزمان وهل یسوغ لحنفی ان یستبیح الجهر بكلام لمستمع الخطبة ولو كان
صلوٰة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیہ وسلم او ترضیا للصحابة او دعاء للسلطان
اعز الله نصرہ وخذل اعداءہ اولسیدنا الشریف حفظہ الله تعالیٰ ۔ الیس قد
اجمع ائمتنا علی تحریم الكلام اذ ذاك ولو دینیا وفوق ذالك بكثیر امر
التمطیط فی التكبیر قد اقام علیہ النكیر المحقق فی فتح القدیر ولم یستبعد
فساد صلاة من یفعله ای وكذا صلوٰة من یصلی تبكیرہ وتبعه علیہ فی
الحلیة والنهر والدر وغیرها وجزم بفساد الصلاۃ بہ السید العلامة اسعد
مفتی المدینة المنورة تلمیذ العلامہ شیخی زادہ صاحب مجمع الانهر
معاصر المدقق العلامہ محمد الحصكفی صاحب الدر المختار رحمهم العزیز
الغفار وقد حكی فی اوائل فتاواہ من هذا ما یفضی الی العجب فراجعها
ان شئت ۔ وبالجملة دلائل الشرع محصورة ولا حجة فی فعل كل احد
لاسیما من لیس بعالم ولا تحت حكم العلماء ولكن العجب كل العجب من
هولاء الوهابیة الملاحدة الزنادقة السابة لله ولرسوله صلی الله تعالیٰ
علیہ وسلم، كیف یحتجون بفعل الموذنین ویرمون حضرات سادتنا
علماء الحرمین الشریفین نفعنا الله تعالیٰ ببركاتهم، فی كتبهم وخطبهم

بشنائع فظيعة قد براهم الله تعالیٰ عنها۔ والوهابية قوم يكذبون ثم لا يقتدون بعلماء الحرمين فی عقائدهم الحقة فضلاً عن اعمالهم الحسنة كمجلس الميلاد الشريف والقيام فيه لتعظيم من عظم الله تعالیٰ شانه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم۔

نفحه (۱۴) قدمنا من الخطبة ثم فی الاجمال فی بحث التوارث الباطل المظنون (وانه كيف يسری الی الظنون) ما يكفی ويشفی وبينا الحق ورفعنا اللوم عن اساتذتكم واشياخكم بل وعنكم ايضاً يا مخالفين ان رجعتم الی الحق بعد ما ظهر ولم تنكروا الصبح حين نهر فراجعه فانه مهم ومن لم يرجع فهو جبل واقع بهم ومن الدليل علی ما ذكرت ان العالم ينكر فلا يسمع ما قدمت الآن عن رد المحتار من تعطل نفاذ الامر بالمعروف والنهی عن المنكر منذ ازمنة وعلیٰ ما ذكرت ان العالم يسكت حينئذ۔ قوله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم اذا رأيت الناس قد مرجت عهودهم وخفت اماناتهم وكانوا هكذا وشبك بين انامله فالزم بيتك واملك عليك لسانك وخذ ما تعرف ودع ما تنكر وعليك بخاصة امر نفسك ودع عنك امر العامة، رواه الحاكم عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وصححه واقره الترمذی وابن ماجة عن ابی ثعلبة الخشنی رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم۔

ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنكر حتی اذا رأيت شحا مطاعاً وهوی متبعاً ودنيا موثرة واعجاب كل ذی رأی برايه ورأيت امراً لابد منه فعليك نفسك ودع امر العوام (الحديث)

ونظير ما ذكرت من شيوع امر من قبل السلطنة ما فی الهداية فی تكبيرات

العیدین۔

ظهر عمل العامة الیوم بقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما لامر بینه الخلفاء فاما المذهب فالقول الاول ۔اھ

وما ذکرت من سکوت العلماء علیه سکوتهم وهم صحابة متوافرون وائمة اجلاً تابعون علی زخرفة الولید المسجد الشریف النبوی حتی انفق علی جدار القبلة وما بین السقفین خمسة واربعون الف دینار مع ان بعضهم قد انکر علی امیر المومنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنه حین بناه بالحجارة مکان اللبن وقصصه وسقفه بالساج مکان الجرید قال الامام العینی فی العمدة ۔

" اول من زخرف المساجد الولید بن عبد الملک بن مروان و ذالک فی اواخر عصر الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم وسکت کثیر من اهل العلم عن انکار ذالک خوفا من الفتنة اھ "

ولابن عدی فی الکامل والبیهقی فی الشعب عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ۔

اذا رأیتم الامر لا تستطیعون تغییره فاصبروا حتی یکون اللہ الذی یغیره والدلیل علی ما ذکرت من اشتباه الامر فی ذالک علی المتاخرین حتی العلماء بالتعامل ما اسلفت عن الشیخ المجدد وقد کان فی ما قررنا ابانة اعذار لمن عبر ومن غبر فان لم یرض به المخالفون فهم الذین یقضون علی اساتذتهم ومشایخهم اما بالجهل او بالسکوت عن الحق وقد کانت لهم مندوحة عنه الم یعلموا

ان الخليفة الراشد امیرالمومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کم من سنن احیاها وظلمات بدع اجلاها فکان له الاجر الجزیل والذکر الجمیل والفخر الجلیل ولم یکن عتب قط علی من قبله من الصحابة الکرام واکابر ائمة التابعین الاعلام رضی اللہ تعالیٰ عنهم انهم جهلوا الحق اوسکتوا عنه ولا قیل لامیرالمومنین انك تقحمت ما اجتنبوه او انکرت ما اقروه اانت اعلم منهم بالسنة او اتقی منهم للفتنة وعلی هذا ادرج امر کل مجدد فانه لایبعث الا لتجدید ما خلق وتشیید ما وهی وربما کان من قبله اعلم منه واتقی وکذالك غیر المجددین من کل عالم تصدّی لاحیاء السنة او اخماد بدعة فانه یحمد ویوجر ولایذم من مضی قبله ولایعیر بخلاف من غبر بل من المثل الدائر السائر کم ترك الاول للاٰخر وهذا سیدنا الغوث الاعظم القطب الاکرم سید الاولیاء وسند الائمة والعلماء صلی اللہ تعالیٰ علی ابیه الاکرم وعلیه وعلی اصولها وفروعه ومشائخه ومریدیه وکل من انتمی الیه روی عنه الائمة الکبار باسانید صحیحة مفصلة فی البهجة الشریفة وغیرها من الکتب المنیفة۔

انه قیل له رضی اللہ تعالیٰ عنه ما سبب تسمیتك محی الدین قال رجعت من بعض سیاحاتی مرة فی یوم جمعة فی سنة احدی عشر وخمسمائة الی بغداد حافیا فمررت بشخص مریض متغیر اللون نحیف البدن فقال لی السلام علیك یا عبد القادر فرددت علیه السلام فقال ادن منی فدنوت منه فقال لی اجلسنی فاجلسته فنما جسده وحسنت صورته

وصفالونه نخفت منه فقال اتعرفنی فقلت لا قال انا الدین
وکنت دثرت کما رأیتنی وقد احیانی الله تعالیٰ بك وانت
محی الدین فترکته وانصرفت الی الجامع فلقینی رجل
ووضع لی نعلاً وقال یاسیدی محی الدین فلما قضیت الصلوٰۃ
اهرع الناس الی یقبلون یدی ویقولون یامحی الدین ۔ وما
دعیت به من قبل اھ کلامه الشریف

قلت وهذا وان بلغ اشده وبلغ اربعین سنة رضی الله تعالیٰ عنه فلو ان الاسلام لم یبلغ فی عهده رضی الله تعالیٰ عنه الی ان یعد میتا فما الذی احیاه وعلام سمی محی الدین وان کان بلغ الی تلك الغایة فما ظنك بائمة اجلاء علماء واولیاء کانوا قبله اهم کانوا عنه غافلین او ترکوا نصره حتی بلغ الی ذالك الضعف المبین ۔ ام تزعمون ان الارض کانت خلت عن ولی الله وعالم امین کل ذالك من اجلی الاباطیل لا یذهب الیه عاقل ذو دین وانما الامر ما وصفنا ان لمن احیا لاحقا اجره ولمن سکت سابقا عذره ۔ والاشیاء مقسومة بید التقدیر القدیر ان الفضل بید الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم ۔

وبالجملة انما هم الشریعة یردون وباب احیاء السنة یسدون اذ کلما قام عبد الله یحی سنة اویمیت بدعة یقال له المیك قبلك علماء بالدین اکانوا جاهلین ام غافلین ام انت اعلم منهم اجمعین وما هو الا تصدیق قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ۔

لیاتین علی الناس زمان یکذب فیه الصادق ویصدق فیه

الکاذب وحدیث یکون المعروف منکرًا والمنکر معروفًا کما قدمنا فہذا بما یریدون والذین یکیدون وما یکیدون الا انفسہم ولکن لایشعرون نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

واذ قد فرغنا بحمد اللہ تعالیٰ عن ابطال ما توافقوا علیہ فلنأت علی ما انفرد بہ بعضہم عن بعض وباللہ التوفیق۔

نفحہ (۱۵) ذکر بعضہم اثرا جعلہ من روایۃ جویبر فی تفسیرہ عن الضحاک عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر موذنین ان یوذنا للناس الجمعۃ خارجا من المسجد حتی یسمع الناس وامران یوذن بین یدیہ کما کان فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم قال عمر نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین۔

فدل بمفہومہ ان الاذان بین یدیہ لم یکن خارج المسجد ودل بقولہ کما کان انہ کان فی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایضًا داخل المسجد۔

اقول اولا۔ قد اعطیناک فی النفحۃ التاسعۃ الفقہیۃ من معانی المسجد ما یغنیک ویعینک علی کل ما یاتیک من امثال ہذا التشکیک فامر موذنین ان یؤذنا خارج المسجد بالمعنی الثانی او الثالث ایضًا کما فعلہ امیر المومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذن اذانًا علی الزوراء عند کثرۃ المسلمین ویشیر الیہ فی نفس الاثر قولہ حتی یسمع

الناس. وقوله "نحن ابتدعناه" لكثر المسلمين فلا يدل ان دل الا على كون الاذان بين يديه داخل المسجد باحد هذين المعنيين وهو عين مرادنا فلينظر هل يذهبن كيده ما يغيظ۔

وثانيًا - انظروا الى ظلم هولاء يردون حديث صحيح ابى داؤد لاجل محمد بن اسحٰق الذى اجمع عامة ائمة الحديث والفقه على توثيقه ويحتجون باثر جويبر و ماجويبر من ابن اسحٰق الا كالعتمة من الاصباح - رجل لم يذكر فى تهذيب الكمال ولا تذهيب التهذيب ولا تقذيب التهذيب ولا ميزان الاعتدال ولا اللآلى المصنوعة ولا العلل المتناهية ولا خلاصة التهذيب مع الزيادات توثيقًا له عن احد من ائمة التعديل انما ذكروا عنهم جرحه۔ قال النسائى وعلى بن الجنيد والدارقطنى متروك، قال ابن معين ـــ " ليس بشئ ضعيف" قال ابن المدينى ـــ " ضعيف جدا " وذكره يعقوب ابن سفيان " فى باب من يرغب عن الرواية عنهم " وقال ابوداؤد - هو على ضعفه - وقال ابن عدى ـــ الضعف على حديثه ورواياته بين وقال الحاكم ابواحمد ذاهب الحديث قال الحاكم ابوعبدالله - انا ابرأ الى الله من عهدته - وقال ابن حبان - يروى عن الضحاك اشياء مقلوبة - وقال فى اللآلى هالك تالف متروك جدا - ونقل فى ذيلها عن لسان الميزان ـــ متروك الحديث عند المحدثين - وقال فى التقريب ـــ ضعيف جدًا - وقال احمد بن سيار - حاله حسن فى التفسير وهو لين فى الرواية - وعده يحيىٰ ابن سعيد ـــ ممن لا يوثقونه فى الحديث - اولا يحمل

حدیثه ویکتب التفسیر عنه ۔ وقال فی الاتقان بعد ذکر ان الضحاک عن ابن عباس منقطع ۔ وان کان من روایة جویبر عن الضحاک فاشد ضعفا لان جویبر شدید الضعف متروک ۔ اھ
ولکن اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ۔

وثالثا ۔ من ظلمهم الدندنة علی حدیث ابن اسحاق بالعنعنة وما فی عنعنة المدلس الا احتمال الانقطاع ثم عادوا یتمسکون بهذا الاثر وفیه مکحول عن معاذ منقطع قطعا ۔

ورابعا ۔ من خیانتهم ان اثروا هذا الاثر عن فتح الباری وترکوا قوله ۔ هذا منقطع بین مکحول ومعاذ ۔

وخامسا ۔ ترکوا قوله ۔ ولا یثبت لان معاذا کان خرج من المدینة الی الشام فی اول ما غزوا الشام واستمر الی ان مات بالشام فی طاعون عمواس ۔

وسادسا ۔ ترکوا قوله ۔ وقد تواردت الروایات ان عثمٰن هو الذی زاده فهو المعتمد اھ۔

فقد افاد ان الاثر منقطع ومعلول ومنکر لمخالفته لاحادیث صحیح البخاری وغیره الکثیرة المشهورة فترکوا کل ذالک خائنین

وسابعا ۔ ان کان فیه شیء فلیس الا مفهوم ورده عند ائمتنا معلوم لاسیما مفهوم اللقب الذی هو اضعف المفاهیم لم یقل به الا شرذمة قلیلة من الحنابلة ودقاق الشافعی وابن داد المالکی ۔

وثامنا ۔ جاء الملک ثلثة سفراء ووصل احدهما الی باب

تجاه الملك واثنان متاخران سأل عنهم الملك فقال الحاجب احدهم بين يدی الملك واثنان خارج الحضرة فهل يفهم منه ان الذی بين يديه قد دخل جوف الدار وليس على الباب ولكن الجهل ياتی بالعجب العجاب۔

نفحہ (۱۲) ظهرلك الجواب ولله الحمد عن اثر النسائی عن طلق بن علی فخرجنا حتی قدمنا بلدنا فكسرنا بيعتنا ثم نضحنا مكانها واتخذناها مسجدًا فنادينا فيه بالاذان۔

واثر الترمذی عن مجاهد

قال دخلت مع عبد الله بن عمر مسجدًا وقد اذن فيه ونحن نريد ان نصلی فيه فثوب المؤذن فخرج عبد الله (الحديث) اثر اٰخر عن ابی الشعثاء قال خرج رجل من المسجد بعد ما اذن فيه بالعصر وقال ابوهريرة رضی الله تعالٰی عنه اما هذا فقد عصی ابا القاسم صلی الله تعالٰی عليه وسلم فانهما علی وزان اثر اقوی لم يهتد اليه وهو اثر مسلم عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔

ان من سنن الهدی الصلاة فی المسجد الذی يوذن فيه

كما قدمنا فی النفحة التاسعة الفقهية وقد كفانا المؤنة الامامان الجليلان فی فتح القدير وغاية البيان اذ قال فی المسجد ای فی حدوده لكراهة الاذان فی داخله. والعجب ان المحتج باثر ابن عمر هذا قد احتج بعبارة اختلقها علی صلوٰة المسعودی لا اثر لها فيها ولم ير فی صلاة المسعودی انه ذكر هذا الاثر هكذا۔

ان عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما دخل مسجداً ليصلی فخرج المؤذن فنادیٰ بالصلوٰة (الحديث)

وعن الاصلاة الامام السرخسی وصلاة الامام ابی بکر خواهرزاده رحمهما الله تعالیٰ ومثله فی الضعف بل اضعف واضعف التمسك بحديث مرفوع لم يهتد واله ايضاً وانماد للناهم عليه فتعلق به بعضهم و هو حديث ابن ماجة عن امير المومنين عثمٰن رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلے الله تعالیٰ عليه وسلم -

من ادرك الاذان فی المسجد ثم خرج لايخرج لحاجة وهولايريد الرجعة فهو منافق .

فان فی المسجد ظرف الادراك دون الأذان الاترىٰ الى المنادى فی التيسير اذ يقول فی شرحه -

(من ادرك الاذان) وهو (فی المسجد)

بل كفى الحديث شرحاً للحديث فللامام احمد بسند صحيح عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال امرنا رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم. اذا كنتم فی المسجد نودی بالصلاة فلا يخرج احدكم حتی يصلی .

لكن السفيه كل السفيه والبليد كل البليد من تمسك بحديث ابی داؤد رأيت رجلاً كان عليه ثوبين اخضرين فقام على المسجد فاذن، وروايۃ ابی الشيخ فی هذا الحديث) على سطح المسجد فجعل اصبعيه فی اذنيه واذن -

ورأى ذالك عبدالله بن زيد فى المنام - وحديث ابن سعد فى طبقاته عن نوار ام زيد بن ثابت رضى الله تعالىٰ عنهما قالت -

كان بيتى اطول بيت حول المسجد فكان بلال يوذن فوقه من اول مايوذن الى ان بنى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المسجد فكان يوذن فوقه من اول مايوذن إلى ان بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم المسجد فكان يوذن بعد على سقف المسجد وقد رفع له شى فوق ظهره -

فان فى هذه تصريحات بكون الاذان خارج المسجد بالمعنى الاول والجهول لايميز بين المنافع والضار وقد اسلفنا عدة روايات لهذا محتجين بها والسفيه يبحث عن حتفه بظلفه -

نفحه (۱۷) تعلق سفيهان منهم برواية ابن ماجة عن عبدالله بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه فيها - قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان صاحبكم قد رأى رويا فاخرج مع بلال الى المسجد فالقها عليه وليناد بلال فانه اندى صوتا منك قال فخرجت مع بلال الى المسجد فجعلت القيها عليه وهو ينادى بها وهذا كما ترىٰ اشبه بالهذيان -

فاولاً - اين الخروج الى المسجد عن الدخول فى المسجد

ثانيًا - لم يكن لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مجلس غير مسجده الكريم ولا بين المسجد والحجرات الشريفة شئ انما كانت على حافة المسجد الشرقية واتيان عبدالله بن زيد اليه صلى الله عليه وسلم

کان من آخر اللیل قریبا من الصباح کما جمع بہ بین روایۃ ابی داؤد "فلما اصبحت واتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" وروایۃ ابن ماجۃ "فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلاً" ولم یکن ھذا ابّان خروجہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مسجدہ الکریم ولا دخول احد علیہ فی الحجرۃ الکریمۃ فلم یکن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ ذاک الا فی المسجد الشریف او الحجرۃ المنیفۃ۔ وعلٰی کل کان عبداللہ حین اتاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المسجد ھذا ھو الظاھر ولو لم یکن ظاھراً لکفانا الاحتمال لقطع الاستدلال ومعلوم ان من کان فی المسجد اذا قیل لہ اخرج الی المسجد یستحیل ان یراد بہ اخرج حتّٰی تدخل المسجد وانما یراد بہ اخرج الی منتھٰی حد المسجد وحینئذٍ تکون الحکمۃ فی التعبیر بالٰی الارشاد الی ان یؤذن فی حدود المسجد لا فیہ لابعیداً منہ کما اراہ النازل من السماء علیہ الصّلٰوۃ والسلام فکان الحدیث دلیلاً لنا علیھم والجھلۃ یعکسون ومما یشھد لہ ان النازل من السماء اراہ الاذان خارج المسجد اذ قام علی حصۃ الجدار فوق السطح وما کان امر النازل[1] الا للتعلیم فلذا امران یخرج من المسجد الی حدودہ وللہ الحمد۔

---

[1] واذا انضم الی ذالک قول الشرنبلالی فی مراقی الفلاح (یکرہ اذان قاعد) لمخالفۃ صفۃ الملک النازل لکان حدیث الملک علی کثرۃ روایاتہ التی قدمنا کثیرا منھا دلیلا براسہ علی کراھۃ الاذان داخل المسجد فانھم منہ حفظہ ربہ ۱۲

وثالثًا - لو تنزلنا عن الكل فقد ذكرنا الجواب العام التام الشافی الکافی ان المراد بالمسجد احد المعنیین الاخیرین ولله الحمد۔

نفحہ (۱۸) حاول بعض الوھابیۃ الفجرۃ ان یثبت مطلوبہ الباطل بآیات القرآن العظیم وحاشا القرآن ان یکون لباطل ظھیرًا قال قال اللہ عزوجل:

واذن فی الناس بالحج، واخرج سعید بن منصور وآخرون عن مجاھد قال لما امر ابراھیم ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام فنادی بصوت اسمع ما بین المشرق والمغرب یاایھا الناس اجیبوا ربکم۔

واخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم عن مجاھد قال تطاول بہ المقام حتی کان کاطول جبل بالارض فاذن فیھم بالحج فاسمع من تحت البحور السبع۔

واخرج ابن جریر عن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قام ابراھیم خلیل اللہ علی الحجر فنادی یاایھا الناس کتب علیکم الحج فاسمع من اصلاب الرجال وارحام النساء قال قال۔

ونحن ندعی ان ھذا الحجر کان حین نادی علیہ خلیل اللہ داخل المطاف قریب جدار الکعبۃ لان علیا القاری قال فی شرح اللباب۔

قال فی البحر والذی رجحہ العلماء ان المقام کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملصقًا بالبیت قال ابن جماعۃ ھو الصحیح وروی الازرقی۔

ان موضع المقام هو الذی بہ الیوم فی الجاھلیۃ وعھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما اھ

والاظھر انہ کان ملصقا بالبیت ثم اخر عن مقامہ لحکمۃ ھنالک تقتضی ذالک اھ

وذالک لان ابراھیم صلوات اللہ تعالٰی علیہ نبی الکعبۃ قائما علیہ فاستمر منذ ذاک متصل الکعبۃ کما فی تاریخ القطبی وسائر کتب السیر وکان ابراھیم علیہ الصلوات والسّلام یبنی واسماعیل علیہ الصلاۃ والسّلام ینقل لہ الحجارۃ علی عاتقہ فلما ارتفع البنیان قرب لہ المقام فکان یقوم علیہ ویبنی اھ۔

فثبت انہ کان حین اذن علیہ للحج متصل جدار الکعبۃ واستمر کذالک الی زمانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم انتقل عنہ بوجہ قال ولئن سلمنا ان محلہ منذ القدیم حیث ھو الاٰن فالمدعٰی ثابت ایضًا لانہ الاٰن ایضا داخل المطاف لان المطاف ھو الموضع المفروش بالرخام ومقام ابراھیم داخل فیہ فثبت ان التاذین فی المسجد جائز مطلقًا ولا کراھۃ فیہ اصلا ولیس بدعۃ بل ھو سنۃ ابراھیم علیہ الصلوۃ والتسلیم (انتھٰی)

(کلامہ الردی السقیم مترجمًا)

اقول۔ انعم بہ من برھان تزری بالھذیان ویغبط بہ المجانین والبلہ والصبیان۔

فاولاً۔ کیف لزم من کون المقام ملصقًا بجدار البیت علی

عهد رسول الله صلے الله تعالیٰ علیہ وسلم و فی الجاهلیۃ کونہ کذالك علیٰ عهد ابراهیم علیہ الصّلاة والتسلیم و تحکیم الحال لایجری فی شئ منقول غیر مرکوز وان فرض نظاهر والظاهر حجۃ فی الدفع لا للاستحقاق وانت مستدل لادافع ۔

وثانیًا ۔ مانقل عن تاریخ القطبی فای رائحۃ فیہ لما ادعاہ من انہ استمر مذ ذاك متصل الکعبۃ فالاستناد بہ جهل ۔

وثالثًا ۔ بل فیہ فلما ارتفع البنیان قرب لہ المقام فدل علےٰ ان محلہ کان بعیدًا انما قرب الاٰن للحاجۃ والعادۃ ان الشئ اذا نقل لحاجۃ یرد الی محلہ الاول بعد قضائها کما هو مشاهد فی السلالیم و فی منبر یوضع لدا باب الکعبۃ یوم دخول العام ۔

ورابعًا ۔ ان فرض کونہ لصیق الجدار الجمیل علے عهد خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بالتجیل کان ایضاً زعم انہ کان کذالك حین اذن علیہ للحج رجما بالغیب بلادلیل غایتہ انہ لم ینقل انہ نقل حینئذ وعدم النقل لیس نقل العدم والاستصحاب غیر واف للمستدل عند الاصحاب ۔

وخامسًا ۔ بل قدورد مایدل علیٰ انہ کان فی غیر هذ المحل حین اذن علیہ وکفیٰ بہ قاطعا لشقشقتہا اخرج الازرقی عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنہ قال سألت عبد الله بن سلام عن الاثر الذی فی المقام فقال لما امر ابراهیم علیہ الصلاۃ والسّلام ان یؤذن فی الناس بالحج قام علی المقام فلما فرغ امر بالمقام ان یوضع

قبلۃ فکان یصلی الیہ مستقبل الباب (الحدیث)
وسادسًا - ان شئت قطعت راس الشبھۃ من راسھا وذالك
لان روایتہ قیامہ علیہ الصلاۃ والسلام حین الاذان علی المقام
روایۃ اسرائیلیۃ کما رأیت وسیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنھما کان یاخذ عنھم کما ھنا روی ابن ابی حاتم عن الربیع بن انس
قال سمعنا عن ابن عباس انہ حدث عن رجال من علماء اھل الکتاب
ان موسیٰ دعا ربہ (الحدیث) فی قصۃ ملاقاتہ الخضر علیھما الصلاۃ
والسلام واقرھا واخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنھما قال سئلت کعبًا ما سدرۃ المنتھی قال سدرۃ ینتھی الیھا علم
الملئکۃ وسئلتہ عن جنۃ الماویٰ فقال جنۃ فیھا طیر خضر ترتقی
فیھا ارواح الشھداء واخرج ابن جریر عن شمر -
قال جاء ابن عباس الی کعب فقال حدثنی عن سدرۃ المنتھی
(الحدیث) وقد صح عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ
انہ اذن علی ثبیر روی عبد الرزاق وغیرہ عن معمر قال قال
ابن جریج قال ابن المسیب قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ -
لما فرغ ابراھیم من بنائہ بعث اللہ جبریل فحج بہ حتی
اذا رأی عرفۃ قال - قد عرفت وکان اتاھا قبل ذالك مرۃ فلذالك
سمیت عرفۃ حتی اذا کان یوم النحر عرض لہ الشیطان فقال احصب
فحصبہ بسبع حصیات - ثم الیوم الثانی فالثالث فلذلك کان رمی
الجمار قال اعل علی ثبیر فعلاہ فنادیٰ یا عباد اللہ اجیبوا اللہ یا عباد اللہ

اطيعوا الله فسمع دعوته من بين الابحر السبع (الحديث)

وهذا كما ترىٰ سند صحيح على اصولنا فهذا نص عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حكما لان الامر لا دخل فيه للرأى وما كان امير المومنين على ليا خذ عن اهل الكتاب فلم يكن الا سماعًا عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ۔ فثبت ان الاذان كان على جبلٍ بمزدلفة وسقط انه كان داخل المسجد على المقام ولك ان تقول لاخلف فان شبيرًا من الحرم وقد افاد ابن عباس نفسه ۔ ان المقام ابراهيم الحرم كله ۔ اخرجه عنه عبد بن حميد وابن ابى حاتم بل اخرج هذا عنه قال ۔ مقام ابراهيم الحج كله ۔

وسابعًا ۔ اضطربت الرواية عن ابن عباس ففى بعضها ۔ اذن على المقام ۔ وفى بعضها ۔ على ابى قبيس رواه عنه ابن ابى حاتم رضى الله تعالىٰ عنه قال لما امر الله ابراهيم ان ينادى فى الناس بالحج صعد ابا قبيس فوضع اصبعيه فى اذنيه ثم نادىٰ ان الله تعالىٰ كتب عليكم الحج فأجيبوا له الحديث، وفى أُخرىٰ له عنه رضى الله تعالىٰ عنه قال صعد ابراهيم ابا قبيس ۔ فقال الله اكبر الله اكبر اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان ابراهيم رسول الله ايها الناس ان الله امرنى ان انادى فى الناس بالحج ايها الناس اجيبوا ربكم ۔

وفى بعضها على الصفا رواه عبد بن حميد عن مجاهد قال امر ابراهيم ان يوذن بالحج فقام على الصفا فنادى بصوت سمعه ما بين المشرق والمغرب يا ايها الناس اجيبوا ربكم ۔

وروی هو وابن المنذر عن عطاء قال۔

صعد ابراهیم علی الصفا فقال یا یها الناس اجیبوا ربکم

ومعلوم ان الروایۃ عن مجاهد روایۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهم فالاضطراب بالتثلیث والاشتراک فی التثنیۃ فکان من هذا الوجه ایضا حدیث امیرالمومنین احق بالاخذ ولذا مشیٰ علیه القطبی فی تاریخه ولم یلتفت لما سواه فاندحضت الشبهۃ عن راس والحمد للہ رب الناس۔

وثامنًا۔ بعد اللتیا والتی ان کان شریعۃ من قبلنا فلا تکون حجۃ الا اذا قصها اللہ تعالیٰ او رسوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من دون انکار کما نص علیه فی اصول الامام البزدوی والمنار وسائر المتون الاصولیۃ والشروح قال الامام النسفی فی کشف الاسرار

انا شرطنا فی هذا ان یقص اللہ تعالیٰ اورسوله من غیر انکار اذ لاعبرۃ بقول اهل الکتاب وبما ثبت بکتابهم لانهم حرفوا ولا بما ثبت بقول من اسلم منهم لانه تلقی ذالک من کتابهم او سمع من جماعتهم اھ

ومثله فی کشف الاسرار للامام البخاری۔ وفی فواتح الرحموت لبحرالعلوم

فان قلت لم لم یعتمد علی اخبار عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنه فانه لا یحتمل کذبه قلت هب لکن التحریف وقع قبل وجوده فهو لم یتعلم الا المحرف اھ

وهذا شئ لم یقصه ربنا ولا نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذ لم یرد

فی حدیث مرفوع فالاحتجاج به راسًا مدفوع - هذا علی التسلیم والا فقد عنمت ان الذی یدعیہ هذ الوهابی من انه اذن علیه فی جوف المسجد لم یقصه مسلم ولا کتابی ولا کافر سواہ فاحتجاجه به لیس الاحتجاجا بهواہ -

وتاسعًا - ان تعجب فعجیب قوله ان المقام الاٰن ایضًا داخل المطاف وهذ اشئ یردہ العیان ویشهد بکذبہ کل من رزق حج البیت الحرام -

وعاشرًا - اعجب من الاحتجاج علیه بانہ مفروش بالرخام وکان فی باله ان کل ما فرش فیہ الرخام صار المطاف الذی کان قدر المسجد الحرام علی عهد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلید خل ماحول زمزم ایضًا فیہ ولو کان فرش بعض الملوك سائر المسجد الشریف ورواقاته بالرخام لحکم هذ الجاهل بان المسجد کان الی الرواقات علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم - واذا بلغ الجهل الی هذا النصاب سقط الخطاب وانما المطاف هی دائرۃ الرخام حول البیت الحرام وعلی حرفها باب السلام ولا شك ان قبۃ المقام خارجۃ عنها وما کان اهل مکۃ سفهاء کهٰذا لیبنوا قبۃ فی نفس المطاف ویضیقوا المحل علی اهل الطواف نعوذ باللہ من الجهل والاعتساف -

نفحه (۱۹) ثم تمسك بقوله تعالیٰ

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیها اسمه -

وقوله تعالیٰ -

ومسجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرا۔

وقولہ تعالیٰ۔

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ۔

وحدیث الصحیحین۔

ان ھذہ المساجد لا تصلح لشئ من ھذا البول والقذر انما ھی لذکر اللہ والصلٰوۃ وقرأت القراٰن۔

اقول اولاً۔ قضینا الوتر عن کشف ھذہ الشبھۃ فی النفحۃ الاولی القراٰنیہ وبینا ان الاذان لیس ذکراً خالصًا۔

وثانیًا۔ منع الاذان فی المسجد منع رفع الصوت فیہ ومنع رفع الصوت بالذکر لیس منع الذکر فقد ثبت عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی بعض المواطن اذقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ایھا الناس اربعوا علیٰ انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا تدعون سمیعًا بصیرًا۔

وما کان ینہاھم عن ذکر اللہ تعالیٰ۔ وقد قدمنا عن الدر والاشباہ وغیرھما کراھۃ رفع الصوت بالذکر فی المسجد وفی مسلک المتقسط لعلی القاری۔

قد صرح ابن الضیاء ان رفع الصوت فی المسجد حرام ولو بالذکر اھ وصرح فی الکافی الامام الحاکم الشھید الذی جمع فیہ کلام الامام

ـ تبع فیہ صاحب المشکوٰۃ وانما عزاہ المخرجون لمسلم وحدہ ۱۲ منہ

محمد و فی المحیط والفتح والبحر وشرح اللباب ورد المحتار وغیرها بکراھۃ رفع الصوت بالقرآن فی الطواف فھل تراھم (والعیاذ باللہ) داخلین فی ھذا الوعید الشدید حاشاھم عن ذالک بل انت فی ضلال بعید ۔

وثالثاً ۔ انما یعود ھذا التشنیع الشنیع الی الائمۃ الاجلاء الذین نھوا عن الاذان فی المسجد ونصوا علی کراھۃ فیہ وقد اجارھم اللہ تعالی عن ھذا ومن شنع علیھم فعلیہ دائرۃ السوء وھو الملوم والمدحور۔

رابعاً ۔ ھؤلاء الوھابیۃ ھم الذین یتمسکون فی بحث البدعۃ باثر سنن الدارمی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فی انکارہ علی الذین اجتمعوا فی المسجد حلقا جلوساً ینتظرون الصلوۃ وفی کل حلقۃ رجل یقول کبروا مائۃ ، ھللوا مائۃ ۔ سبحوا مائۃ فیفعلون فقال والذی نفسی بیدہ انکم لعلی ملۃ ھی اھدی من ملۃ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم او مفتحی باب الضلالۃ قالوا واللہ یا ابا عبد الرحمن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیر لن یصیبہ (الحدیث) وقد اجبنا عنہ فی المجلد الحادی عشر من فتاوٰنا باجوبۃ شافیۃ ۔ لکن این ذھب ھذا منھم ھھنا امید خلون عبد اللہ بن مسعود ایضاً فی وعید من اظلم نعم لا غرو فقد سبوا اللہ وسبوا رسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۔

نفحہ (۲۰) قدمنا فی النفحۃ الثامنۃ العودیۃ ان امام دار الھجرۃ عالم المدینۃ سیدنا مالکا رضی اللہ تعالی عنہ وجماھیر اصحابہ ذھبوا الی ان جعل ھذا الاذان بین یدی الامام بدعۃ مکروھۃ وانما السنۃ

فیہ ایضا المنارۃ وھذا مابلغ ھم ولکن نطق حدیث ابی داؤد الصحیح ان فعلہ بین یدی الامام ھو السنۃ من لدن سید الانام علیہ وعلیٰ الٰہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔

فبعض محققی اصحابہ رحمھم اللہ تعالیٰ ومنھم الحافظ ابو عمر بن عبد البر خالف فی ذالک ووجہ الکلام الی بعض الاصحاب مع ذکرہ فی الکافی الفقہی عن صاحب المذھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکانہ وجد عنہ روایۃ اخریٰ او سہا والانسان للنسیان۔ فقال فی الاستذکار مانقلہ الشیخ خلیل فی التوضیح وعنہ فی المواھب وھذا نصھا مع شرحھا للعلامۃ الزرقانی المالکی۔

فی الاستذکار، اسم الشرح الصغیر علی الموطاء لابن عبد البر" ان ھذا اشتبہ علی بعض اصحابنا فانکران یکون الاذان یوم الجمعۃ بین یدی الامام کان فی زمنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وابی بکر وعمر وان ذالک حدث فی زمن ھشام وھذا قول من قل علمہ، بالاحادیث وکانہ یعنی الداؤدی۔ ثم استشھد۔ فی الاستذکار۔ بحدیث السائب بن یزید المروی فی البخاری ثم قال: وقد رفع الاشکال فیہ ابن اسحاق عن الزھری عن السائب بن یزید قال کان یوذن بین یدی النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ وابی بکر وعمر اہ

فانظر ان السادۃ المالکیۃ صاروا فرقتین جمھورھم علی ان الاذان بین یدی الامام بدعۃ وانما سنتہ علی المنارۃ۔ ونازعھم بعضھم بالحدیث فاستشھد بحدیث ابن اسحٰق ولابد اذ لا ذکر لبین

يديه الا فى حديثه فحديث ابن اسحٰق هو السند بهولاء وبه ردوا
على جمهورهم لا انهم ردوا عليه ايضًا كما ردوا على قول جمهورهم
ولكن اشتبه المراد بالردود على العلامة على فقال -

اما الذى نقله بعض المالكية عن ابن القاسم عن مالك انه
فى زمنه عليه الصلوٰة والتسليم لم يكن بين يديه بل على المنارة -
ونقل ابن عبد البر عن مالك ان الاذان بين يدى الامام ليس من
الامر القديم وما ذكره محمد بن اسحٰق عند الطبرانى وغيره فى هذا الحديث
ان بلالاً كان يوذن على باب المسجد فقد نازعه كثيرون ومنهم جماعة
من المالكية بان الاذان انما كان بين يديه عليه الصلوٰة والسلام
كما اقتضته رواية البخارى هذه اھ

وليس فى رواية البخارى مايقتضى من ذالك شيئًا -

اقول - قد صدق ان رواية البخارى لا يقتضى شيئا من كونه بين
يديه او على المنارة ولكن الاستشهاد كان برواية ابن اسحٰق وانما
ذكر اسم البخارى ايذانًا بان اصل الحديث عنده واوضحه رواية
ابن اسحٰق كما هو صريح لفظ الاستذكار وكيف يرد على حديث ابن
اسحاق بان الاذان انما كان بين يديه صلى الله تعالى عليه وسلم
مع ان حديث ابن اسحاق هو المصرح بهذا افيرد على الشئ بنفس الشئ
ولكن الامرانه كتب هذا المحل معتمدًا على ما فى الصدر ولو راجع
كلام المنازعين لعلم انهم لا يقولون ان حديث البخارى يقضى
بالرد على جمهورهم والراى انهم لاينازعون حديث ابن اسحٰق

بل به يستشهدون وبه على جمهورهم يردون ولا بعد ان كونه بين يديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مصرح به فى حديث ابن اسحٰق نفسه بل لا نعلم التصريح به الا فيه فكيف يرد عليه بمفاد نفسه ولكن نسئ ولم يتفق له مراجعة الحديث ولا مراجعة كلام المنازعين والله يفعل ما يريد ولما سبق الى خاطره ان القائلين بكونه بين يديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينازعون حديث ابن اسحاق ولا تمكن المنازعة الا اذا اريد بباب المسجد فى حديثه باب ليس وجاه المنبر خطر بباله ان المراد باب الشرقى او الغربى وايد هذا الخطور انه لم يمكن فى زمنه رحمه الله تعالىٰ بل منذ نحو مائة وخمسين سنة من قبله باب شمالى فى المسجد الكريم كان الناس بنوا هنالك دورهم كما ذكره السيد العلامة السمهودى رحمه الله تعالىٰ فحق له ان يدخل حديث ابن اسحٰق فيما ينازعه القائلون بكونه بين يديه فكر عليهم بالرد بانه لا مستند لهم فى انكار على الباب ولا يقتضى حديث البخارى شيأ من ذالك فقوى الى هنا امر جمهور المالكية وتم الرد على المنازعين لا نعدام ما يثبت كونه بين يديه ـ

لكن كان هذا هو مذهبه ومذهب ائمته الكرام فحاول التوفيق بما يرجع الى ما هو مذهبه بالتحقيق ـ فقال ـ

لكن يمكن الجمع بين القولين بان الذى استقر فى اٰخر الامر هو الذى كان بين يديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ اى لم يكن الاذان بين يديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى اول الامر بل على الباب الشرقى

او الغربی (وهذا ما فی حدیث ابن اسحاق وکلام مالك) ثم استقر الامر اخیراً علی کونه بین یدیه (وهو مراد المنازعین فیه)

اقول۔ انت تعلم انه مبنی علی ما شبه له وتوجیه کلام مالك بما ذکر توجیه بما لا یرضی به فقد اسلفنا عنه انه رضی الله تعالٰی عنه نهی عن الاذان بین یدی الامام۔ ثم حاول التطبیق بوجه آخر بعید سحیق فقال

اوبان اذان بلال علی باب المسجد کان اعلاماً فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن ام

یشیر الی الاثر المذکور عن تفسیر جویبر وقد کان قدمه ورده وذکر تمه توفیقا ینبغی نقله لیتضح به مرامه بهذا التطبیق قال بعد ما ذکر ان عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه هو الذی احدث الاذان الاول ما نصه۔

ولا یعارض ان عثمٰن هو المحدث لذالك ما روی ان عمر هو الامر بالاذان الاول خارج المسجد یسمع الناس ثم الاذان بین یدیه ثم قال نحن ابتدعنا ذالك لکثرة المسلمین لانه منقطع ولا یثبت وانکر عطاء ان عثمان احدث اذانا وانما کان یامر بالاعلام ویمکن الجمع بان ما کان فی زمن عمر من مجرد الاعلام واستمر فی زمن عثمٰن ثم رأی ان یجعله اذانا علی مکان عالی ففعل واخذ الناس بفعله فی جمیع البلاد اذ ذاك لکونه خلیفة مطاعًا ام

اقول۔ ولا یذهب عنك ان هذا تمع لا جمع اذ قد آل الامر الی انه جعله اذانا فقد احدث اذانا وعطاء ینکره فاین الجمع بل السبیل ما سلك فی فتح الباری وغیره ان المثبت مقدم علی النافی وقد ثبت

احداث عثمٰن الاذان وانه هو الذی احداثه لاامیر المومنین عمر باحادیث صحاح لامرد لها فلا حجة فی انکار عطاءٍ ولا فی روایة تفسیر جویبر ولهذا الشیخ لما جمع بان عمر رضی الله تعالیٰ عنه احدث اعلامًا واستمر الی زمن عثمان رضی الله تعالیٰ عنه وجعله بعد اذانا فالی هذا یشیر بقوله . فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن ۔ ولما کان یرد علیه ان علیٰ تطبیقکم هٰذا یکون تقدیم الاعلام علی الاذان ثابتا من زمن الرسالة فکیف یقول الفاروق نحن ابتدعناه لکثرة المسلمین ۔ حاول ان یرفو هذا الخرق فقال ۔

ولعله ترک ایام الصدیق اواواخر منه علیه الصلوٰة والسلام ایضا فلهذا سماه عمر بدعة وتسمیته تجدید السنة بدعة علیٰ منوال ما قال فی التراویح نعمت البدعة هی ام

اقول ۔ ولا یخفیٰ علیک ان الشیخ انما یبدی هذه الاشیاء بیمکن ولعل ومایبدہ سند علیٰ شیٔ من هذا ولا له فیه سلف ولا به حصول مارام من التوفیق فان مآل ترجیاته واحتمالاته انه کان علیٰ عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اعلام بالجمعة علی باب المسجد ثم اذان بین یدیه اذا جلس علی المنبر ثم ترک الاعلام فی اواخر عهده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم او فی زمن الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه ثم جدده عمر لکثرة المسلمین وابقاه عثمٰن ثم حوله الی الاذان فالاذان الذی فی حدیث ابن اسحٰق انه کان علی الباب وفی کلام مالک انه لم یکن بین یدیه هو هذا الاعلام اما الاذان فما کان الا بین یدیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وانت تعلم انه اولًا ۔ لایلائم قول مالک فانه رضی الله تعالیٰ عنه ینهی عن الاذان

بين يدى الامام لا عن اعلام اٰخر قبله ولا كان فى عهده رضى الله تعالىٰ عنه اعلام بين يدى الامام غير الاذان حتى ينكره ويقول انه محدث ليس من الامر القديم فاين التوفيق ۔

وثانيًا ۔ لايلائم حديث ابن اسحٰق لانه ذكر ان الذى كان على باب المسجد كان هو بين يديه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين يجلس على المنبر فكيف يفرق بين الشئ ونفسه ويقال ان ما على الباب كان اعلامًا وما بين يديه كان اذانًا ۔ فان كان الاذان فى حديثه بمعناه فالذى كان على الباب كان اذانًا وان كان بمعنى الاعلام فالذى بين يديه كان اعلامًا فكيف التفريق واين التطبيق ۔

وثالثًا ۔ اجمعت الامة ان الذى كان عند جلوسه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على المنبر كان هذا الاذان المعروف وتظافرت الروايات واجمع من يعتد باجماعهم انه لم يكن على عهده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للجمعة شئ غير هذا ولا على عهد الصديق رضى الله تعالىٰ عنه وانه لم يكن على عهده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم تثويب فى شئ من الصلوات الا الفجر على جعل قوله الصلوات خير من النوم تثويبًا ۔ فلو كان هذا اعلامًا حملاً لحديث ابن اسحٰق عليه المصرح فيه بكونه اذا جلس على المنبر بقيت الجمعة على عهده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بدون الاذان المعروف وهو خلاف الاجماع ۔

ورابعًا ۔ اذا ترك هذا الى اواخر عهده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم او فى زمن الصديق رضى الله تعالىٰ عنه بقيت الجمعة من دون اذان

لا اعلام واذان وهذا خلاف الاجماع۔

وخامسًا۔ اذن لایستقیم قول عمر نحن ابتدعناه لکثرة المسلمین لا احداثا ولا تجدیدًا لان الذی یفعل عند جلوس الامام لم یزل مستمرًا من زمنه علیه افضل الصلوٰة والسلام۔

وسادسًا۔ اذن کان اذان الخطبة هو المحدث فکان احق بقول عمر نحن ابتدعناه۔

وسابعًا۔ کیف یکون هذا اصلا لاعلام عمر وعثمان فانه ان کان قبل جلوس الامام وهذا عند جلوسه علی المنبر۔

وبالجملة فیه مفاسد اظهر من ان تظهر واکثر من ان تحصر وانما الامر ما وصفنا انه رحمه الله تعالیٰ کتب البحث من دون مراجعته[1] للحدیث ولا لکلام المتنازعین۔ ولا لکلام مالك واصحابه الاکثرین والالم تعرض تلك الاوهام ولم یستقم له تاویل حدیث ابن اسحٰق ولا ما ینکر علیه مالك بالاعلام۔

نظهران تعلق بعض جهلة الزمان بهذا البحث الذی لیس له روح لیعیش انما هو تشبث الغریق بالحشیش وتقدم بعض ما یلیق به فی النفحة التاسعة الحدیثیة ثم لیس فیه علی ما قررنا ما یقرا عینهم اذ لیس فیه

---

[1] ولذا النسبه للطبرانی مع وجوده فی افضل السنن ابی داؤد وقال الزرقانی فی المقصد الثالث من شرح المواهب علی المؤلف المواخذة فی ترك الترمذی ان الحدیث اذا کان فی احد الستة لا یعزی لغیرها کما قال مغلطای انتهٰی ۱۲ منه حفظه ربه۔

ان الاذان کان علی عهده صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی جوف المسجد وفیہ الکلام واللہ المستعان وللہ الحمد۔

نفحہ (۲۱) قال القہستانی فی شرح النقایۃ عند قولہا (اذن ثانیا بین یدیہ)

ای بین الجہتین المسامتتین لیمین المنبر او الامام ویسارہ قریبا منہ ووسطہما بالسکون فیشمل ما اذا اذن فی زاویۃ قائمۃ او حادۃ او منفرجۃ حادثۃ من خطین خارجین من ہاتین الجہتین ولا بأس بشمولہ بحسب المفہوم ما اذا کان ظہر المؤذن الی وجہ ما یضاف الیہ الیدان، فان قرینۃ الاذان تدل ان وجہہ یکون الیہ لکن یشکل بما اذا کان ظہرہ الی ظہر المضاف الیہ الا اذا قیل باخراجہ بقرینۃ قولہ استقبلوہ مستمعین اھ

اقول۔ ہذا کلام تحیر ہؤلاء فی حلّہ وتناقضوا فی حملہ واستشہد بہ بعضہم لجہلہ ولیس فیہ الا مشتت لشملہ ومسفہ لعقلہ ثم ہو غیر محرر فی اصلہ فنذکر بتوفیقہ تعالیٰ اولا ما یشرحہ ثم لتکمیل الفائدۃ ما یزیفہ ویجرحہ ثم نتوجہ الی جہل ہؤلاء فنطرحہ ولنقدم لذالک مقدمات توضحہ۔

الاولیٰ۔ المنبر فی قولہم بین یدی المنبر مجاز عن الخطیب بالنقل والعقل المصیب اما النقل فقول العلامۃ المحقق البحر فی البحر۔

الضمیر فی قولہ بین یدیہ عائد الی الخطیب الجالس وفی القدوری بین یدی المنبر وہو مجاز اطلاقا لاسم المحل علی الحال کما فی سراج

الوھاج فاطلق اسم المنبر علی الخطیب اھ

واما العقل فلان المنبر لو کان عریضا یسع رجالا فقام الامام علی احد طرفیہ والموذن بحذاء طرفہ الاخر فقد اخطأ السنۃ لانہ لیس بین یدی الامام مع انہ بین یدی المنبر لاشک فعلم ان السنۃ ھو کونہ بین یدی الخطیب دون المنبر اذ العود غیر مقصود وقد مرت السنون لم یکن منبر فما کان یواجہ الا الامام امام الانام علیہ وعلی اٰلہ افضل الصلوٰۃ والسلام ھذا ظاھر جدا۔

الثانیۃ۔ فی المغرب الوسط بالتحریک اسم لعین ما بین طرفی الشیٔ کمرکز الدائرۃ۔ وبالسکون اسم مبھم لداخل الدائرۃ مثلاً ولذالک کان ظرفًا فالاول یجعل مبتدأ او فاعلا ومفعولا بہ وداخلا علیہ حرف الجر ولا یصح شیٔ من ھذا فی الثانی۔ تقول وسطہ خیر من طرفہ والسع وسطہ وضربت وسطہ وجلستُ فی وسط الدار۔ وجلست وسطہ بالسکون لاغیر ویوصف بالاول مستویًا فیہ المذکر والمونث والاثنان والجمع وقال اللہ تعالیٰ جعلنٰکم امۃ وسطا۔ وللہ علی ان اھدی شاتین وسطا الی بیت اللہ او اعتق عبدین وسطا اھ

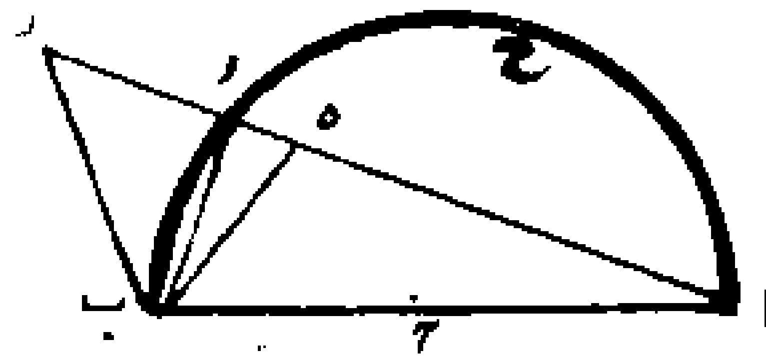
وفی الصحاح۔

کل موضع صلح فیہ بین فھو وسط بالتسکین کجلست وسط القوم وان لم یصلح فیہ فھو بالتحریک کجلست وسط الدار وربما سکن ولیس بالوجہ اھ

الثالثۃ۔ کل زاویۃ جعل منتصف وترھا مرکزًا او رسمت علیہ ببعد

احد طرفيہ قوس الى جهة الزاوية حتى وصلت الى الطرف الآخر فان الزاوية ان كانت قائمة تمر القوس براسها او منفرجة فوراء راسها او حادة فدونه.

و بالعكس ان مرت القوس براسها فهى قائمة او وقعت وراءه فمنفرجة او دونه فحادة وبعبارة اخرى كل خط نصف ورسمت على منتصفه ببعد احد طرفيہ قوس وصلت لطرفه الآخر فاذا جعلت هذا الخط قاعدة مثلث واقع الى الجهة القوس فان وقع راسه على نفس القوس فزاوية قائمة او ورائها فحادة او دونها فمنفرجة وبالعكس ان كانت زاوية الراس قائمة تقع على نفس القوس او حادة فورائها او منفرجة فدونها ـ



وليكن اب خطا رسمنا على نصفه ج ببعد ا قوس ا ح ب ثم جعلناه قاعدة مثلثات ا ء ب - ا ز ب - ا ه ب فزاوية الواقعة على القوس قائمة وه الواقعة ورائها حادة زه الواقعة دونها منفرجة ـ

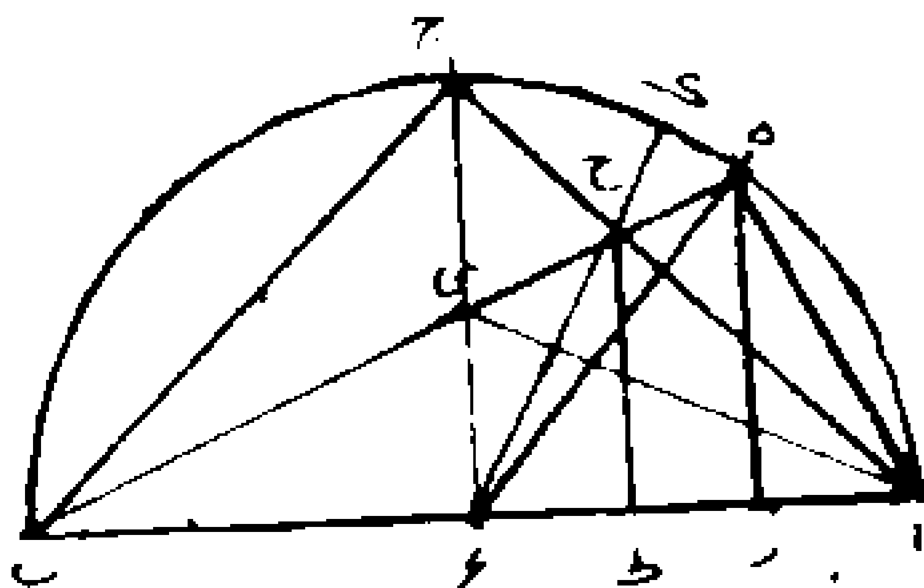
وان كانت الزاوية قائمة تقع على نفس القوس مثل ء او حادة تقع خارجها مثل ز او منفرجة فداخلها مثل ه

وذالك لان القوس نصف دائرة وقد وقعت فيها زاوية ء فهى قائمة بحكم ل من ثالثة الاصول فتكون ء حادة والا اجتمع فى مثلث ب ء ز قائمتان وهو محال بحكم لب من اولى الاصول ـ وكذا ب ه ء حادة لعين ذالك فب ه ا منفرجة بحكم ٦ من اولى ها ـ

ثم لتكن ر قائمة فلا موقع لها الا على نفس القوس اذ لو وقعت دونها مثل ه او دونها مثل ر وقد تبين ان ر ايضا قائمة لاجتمع فى مثلث قائمتان ولتكن ه منفرجة فلا تقع الا داخل القوس اذ لو وقعت عليها كانت قائمة او ورائها كانت حادة لما مر۔

ولتكن ر حادة فلا وقوع لها الا خارج القوس اذ لو وقعت عليها كانت قائمة۔ او داخلها كانت منفرجة لما سبق وذالك ما اردناه وبه تبين العبارة الاولى اصلا وعكسًا۔

الرابعة۔ كل زاويه غير حادة نزل من راسها عمود على قاعدتها فانه يكون نصف القاعدة ان كانت الزاوية قائمة متساوية الساقين والا اقل من نصفها سواء كانت منفرجة مطلقًا او قائمة مختلفة الساقين۔



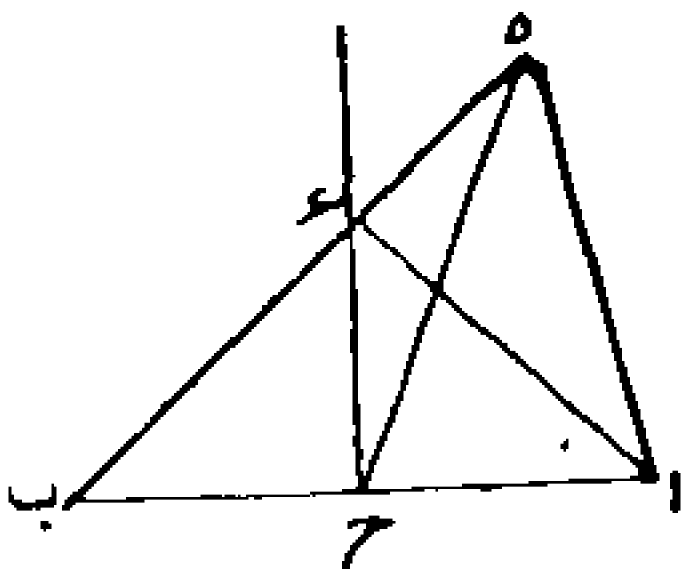
فلتكن ا ح ب قائمة متساوية الساقين فح أنصف أبَ بوجوه كثيرة منها ان زاويتى ح ا ب ح ب ا متساويتان بخامسة الاولى لتساوى الساقين وحيث ان ح قائمة فكلتاهما نصف قائمة يلب منها د ح ء ب قائمة بحكم العمودية فح ب نصف قائمة يلب فح ء ، ر ب متساويان بسادسة الاولى وكذا بعين البيان ح ر ، ء ا فيكون ا ر ، ر ب متساويين فكل منهما نصف اب مساويا لح ر

ثم لتكن ا ه ب قائمة مختلفة الساقين فنقول ه ر اصغر من

نصف اب اعنی نصف القطر لان ر لیس مرکزاً والا لکان فی مثلثی ا ر ہ
ہ ر ب ضلعا ا ر ، ر ب متساویین و ر ہ مشترک وزاویتا ر قائمتان
فبرابعة الاولی یتساوی ا ہ ، ہ ب ہف فلیکن المرکز ر وقلنا ہ ر نصف
القطر فلوکان ہ ر مساویا له تساوت بالمامونی زاویتا ر ، فاجتمع فی مثلث
قائمتان وان کان ہ ر اکبر من ہ ر کانت ر الموترة بالاکبر اکبر من ر القائمة
الموترة بالاصغر بحکم یح من الاولی فاجتمع فی مثلث قائمة ومنفرجة
فلاجرم ان ہ ر ، اصغر من ا ر ۔

والامر فی المنفرجة اظهر سواء کانت متساویة الساقین مثل
ا ی ب ۔ او مختلفتهما مثل اح ب لانها تقع داخل القوس فالعمود النازل
منها علی القطر ان مر بالمرکز مثل ی ر کان جزءً من نصف القطر ح ر وان
لم یمر به مثل ح ط اخرجناح الی ر لک کان ح ر الاصغر من ر ک نصف
القطر لکونه وتر القائمة اکبر من ح ط وتر الحادة بحکم ر ط من الاولی و
ذالک ما اردناه ۔

الخامسة ۔ کل خط اقیم علی نصفه عمود غیر محدود واخرج من طرفیه
خطان یحدثان معه زاویتین مجموعهما اصغر من قائمتین فان تساوت
الزاویان فملتقی الخطین علی نفس العمود والا فخارجة وعلی کل تحتمل
زاویة ملتقاهما ان تکون قائمة او حادة او منفرجة



فلیکن اب خطاً نصف علی ح واقیم علیه عمود ح ء غیر محدود فاخرج من جنبیه

خطا ا ر - ب الحادثتين زاويتي اب مساويتين فانهما يلتقيان على نقطة ر من العمود والا فيلتقيا خارجه مثلا على ه وصلناه ح ففي مثلثي ا ح ه ب ح ه نصفا ا ح ب ح متساويان بالفرض وكذا ا ه ب ه لخامسة الاولى لتساوي زاويتي اب بالفرض و ه ح مشترك فبثامنة الاولى تتساوى زاويتا ا ح ه - ه ح ب فبحكم ۶ منها كانتا قائمتين وقد كانت ا ح ر قائمة فتساوى الكل والجزء هف وليخرج عن جنبيه ا ه ب ه عن زاويتين مختلفتين فملتقى هما خارج العمود على ه و الا فيلتقيا على ر من العمود ففي مثلثي ا ح ر، ر ح ب نصفا ا ح، ح ب متساويان و ر ح مشترك و زاويتا ح قائمتان فبالرابع تتساوى زاويتا اب وقد فرضنا مختلفين هف فالحكم ثابت وذالك ما اردناه. اما احتمال الزوايا الثلث في الملتقى على كل تقدير فظاهر لان الزاويتين الحادثتين منهما لحادة سواء كانت الزاويتان على الخط الاول متساويتين او مختلفتين كل ذالك يلب من الاولى -

اذا عرفت هذا اعلمناك في النفحة الاولى العودية ان معنى بين يديه التركيبي الفضاء المحقق المحصور بالجارحتين عند بسطهما او الموهوم عند ارسالهما اعني الخط النافذ على الاستقامة من وسط احد كتفيك الى وسط الكتف الآخر ولا يمكن ارادته هنا وفي عامة استعمالات هذا اللفظ بل اريد فيها باليدين الجهتان الواقعتان على سمتهما اي تخرج من طرفي كتفيه خطين عمودين على ذالك الخط الواصل بين كتفيه فهذان الخطان هما الجهتان السامتتان ليمين من اضيف اليه اليدان وشماله كما قدمنا ثمه عن الكشاف والمدارك وغيرهما فكل ما وقع بين هذين الخطين بشرط

القرب اللائق بالشئ المتفاوت تفاوتاً شديداً بحسب المقام فهو بين يديه كما افدناك تحقيقه بما لامزيد عليه الى هنا تم معنى كلام القهستانى الى قوله قريبا منه - ثم اذا نصفت الخط الواصل بين الكتفين ونسميه الخط الكتفى واقمت عليه عموداً ثالثاً وايا ه نسمى العمود كان هو وما يقع عليه وسط الجهتين المذكورتين بينهما بالتحريك وما كان بينهما متجاوزا عن العمود فهو وسطهما بالسكون فالأن يريد الشيخ يفيد ان ليس شرط كون الشئ بين يديك وقوعه على العمود بل يكفى كونه بين خطى الجهة اينما كان فلذا قال ووسطهما بالسكون وهو عطف على قريبا منه لانه قريب منه او على بين الجهتين تفسيراً له ثم فرع عليه جواز قيام المؤذن فى زاوية قائمة او حادة اومنفرجة .

وبيانه انه لايمكن جعل الخط الكتفى وتر زاوية قائمة اومنفرجة يقوم فيها اى بين ساقيها المؤذن لان ما بين كتفى الانسان نحو ذراع فان جعل وتر زاوية غير حادة كان ما بينها وبين الكتفى شبرا او اقل بحكم القاعدة الرابعة وقدم الانسان اكثر من شبر ولذا تعتبر اهل الهيئة والمساحة ثلثى ذراع بالقدم حيث يقولون ان بارتفاع الناظر عن وجه الارض كذا تدما ينحط الافق كذا دقيقة كما ذكرنا ضابطته وتفاريعها النفيسة المحتاج اليها فى علم الاوقات فى تحريراتنا فى فن التوقيت وبالله التوفيق فلذا لم يخرج الخطين المحدثين زاوية مقام المؤذن بالتقائهما ونسميها خطى المقام عن يمين الامام وشماله بل عن موضع ما من امتداد خطى الجهتين وذالك قوله خارجين من هاتين الجهتين

وهما کماتری غیر محدودتین وانما یاتی التحدید من قبل قضیة المحل وهی هنا کما بینا بدلائل قاہرة ونصوص باہرة کونه خارج المسجد فی حدوده وفنائه فتعین هو وتر الزاویة المقام بحکم فقهاء الکرام وسنة الشارع سیدالانام علیه وآله افضل الصلوٰة والسلام فکان الشکل هٰکذا

خط الجهة المسامتة یمین الامام
عمود الوسط بالتحریک
خط الجهة المسامتة لیسار الامام

اب الخط الکتفی ا ر ب ہ خطا الجهتین المسامتین ح ط العمود ح ر حد المسجد دنا دُہ ـ اخرج من ح رخطا المقام ح ك ر ك فالتقیا علی العمود واحدثا قائمة ك او خطا ح ی ر ی فاحدثا ای المنفرجة اوخطا ح ل ر ل فاحدثا حادة ل ففی ایها اذن المؤذن کان بین یدیه والقیام فی ك غیر متعین علیه ـ

فان قلت ـ هذا کما یشمل الزوایا الثلث یشمل ما اذا کان ظهر المؤذن الی وجه الامام ـ

قلنا ـ نعم هو داخل فی مفهوم بین یدیه ولکن لیس کل مایشمله مفهوم اللفظ یکون مرادًا فان الاطلاق غیر العموم وقد دلت القرائن هٰهنا ان المراد المواجهة بین الامام والمؤذن لان الامام علی المنبر مستدبر القبلة والمؤذن بین یدیه وقد امران یستقبل القبلة فی الاذان فتعین ان یکون وجهه الی وجه الامام کما ان مفهوم بین یدیه یشمل

المتصل والمنفصل والخارج عن المسجد والداخل لكن دلت الدلائل ان داخل المسجد غير مقصود ولا البعيد بحيث لا يعد اذانه اذانا لهذا المسجد فتعين كونه فى حدود المسجد وفنائه مرادًا والاعتراض عليه بشمول مفهوم اللفظ جهل بعيد كشموله لمستدبر القبلة ۔

فان قلت - قرينة امر الموذن باستقبال القبلة لا تنفى ما اذا كان ظهر الموذن لظهر الامام بان قام الموذن بين الامام والقبلة متوجهًا لكعبة وربما يتركون مستعا كبيرًا بين المنبر والقبلة كما هو مشاهد فى مكة المكرمة وذالك لان الجهتين المسامتين تمتدان خلف اليدين ايضا كما تمتدان امامهما ۔

قلنا - نعم هذا مشكل الا ان يقال باخراجه بقرينة قول الماتن واستقبلوه فان الموذن داخل فى عموم هذا الجمع وفيه نظر لان عبارة المتن واستقبلوه مستمعين وهذا بيان حال الخطبة والاذان قبلها ولذا مرضه بقوله الا اذا قيل الخ هذا شرح كلامه حسب مرامه

اقول وفيه اولًا ۔

لا يظهر تفريع شمول الزوايا الثلث على تسكين الوسط بل لوكان بتحريكه لشملها ايضًا كما علمت فى الخامسة

الاترى عند تساوى زاويتى ح رتقع الكل على العمود لما تقدم فى الخامسة مع ان ى منفرجة ولك قائمة ول حادة الا ان يقال ليس المراد مجرد شمول الاقسام بل الافراد والزوايا الثلث كما تحدث على العمود كذا خارجة فانما يشملها بالسكون ۔

وثانيا الذى استشكله ليس بوارد اصلاً فانك ان اردت المعنى التركيبى فالكل خارج وان اردت الاجمالى فهو للامام والقدام كما نصوا عليه وقدمناه ولا يقال سمت وجهك الالجهة توجهك وان امكن مد الخط خلفاً وقداماً ووجه يديك الى جهة وجهك فلا يسامتهما الا الخط الممتد الى هذه الجهة فالصواب اسقاط هذا الاشكال ۔ والاصوب ان يقول ووسطهما بالسكون فتمل ما اذا كانت جهة الموذن على سمت جهة الخطيب او منحرفة عنهما الى احدى كتفيه مالم يخرج عن الخطين كما ان مستقبل القبلة مستقبل لها مالم يخرج عن الربع الذى الكعبة فى وسطه كما حققناه بتوفيق الله تعالى فى رسالتنا ہدایة المتعال فى حد الاستقبال ۔ هذا ما يتعلق بكلامه شرحاً وجرحاً۔

اما هؤلاء فنعرض لهذه العبارة منهم وها بيان ضلالان وأخران جاهلان وخامسًا من الطلبة۔ اما احد الضالين واضلهما فجعله دليلا على انه لاحاجة الى المحاذاة عينا بين الخطيب والموذن وجعله رداً على كلام اهل الحق من هذه الجهة وهذا اجهل منه شديد فان المحاذاة سنة لاشك ۔ وان اراد بها مسامتة جهتى الموذن والامام فلا المحاذاة

مقصورة عليه ولا كلام اهل الحق يومي اليه لكن الجهلة لا يفهمون -

والباقون استدلوا بها على ان هذا الاذان داخل المسجد لصيق المنبر فاما الضال الآخر فاقتصر على الاستدلال بقوله قريبًا منه - قد علمت ردة مرارًا وفسر قوله الجهتين المسامتين الخ بما بين جهتي الامام اما يمينه او يساره - اترى مثل هولاء الجهلاء اهلا للمخاطبة -

واما الذي يعد من الطلبة فزاد في الطنبور نغمة وفي الشطرنج بغلة فزعم ان القهستاني ذكر قوله اى قريبا منه بعد قوله عند المنبر وهذا افتراء منه عليه فليس هنا في كلام القهستاني لفظة "عند المنبر" اصلا ولا لفظة "اى" ولوكان لم يكن فيه ما يقر عينه فلا القرب ينكر ولا في جوف المسجد يحصر كما تبين مرارًا واما الجاهلان فاقتحما خوض بحار غرقهما فقال احدهما ان وتر المثلث عرض المنبر وقد علمت ردة ان المراد بالمنبر الامام وما بين كتفيه يستحيل ان يراد وترا وقال الآخر في تفسير كلام القهستاني يخرج خطان عن يمين الامام ويساره حتى يلتقيا على زاوية قائمة او حارة او منفرجة فيقوم الموذن في هذه الزاوية ويوذن قال وكان عرض منبر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذراعين وقدم الانسان شبر وربع شبر فان اخذ المثلث متساوى الاضلاع تحدث زاوية حارة ويكون الفصل ذراعين الا قليلاً وفي القائمة اقل منه وفي المنفرجة اقل من الاقل والحادة وان امكن اخراجها خارج باب المسجد لكن يسقط هذا الاحتمال قيد ان يوذ الموذن قائمًا في زاوية لان الباب ان يعد اربعين ذراعًا والوتر كما تقدم ذراعان

فالزاوية الحادثة خارج الباب تكون ضيقة جدا لا تسع عودا دقيقا فضلا عن الانسان مع ان المقصود القهستانى ان تمكن الزوايا الثلاث ثمه ولا امكان هناك لغير الحادة اھ

هذيانه المتعلق بالبحث الهندسى و قد علمت انه جهل منه وسوء فهم ۔

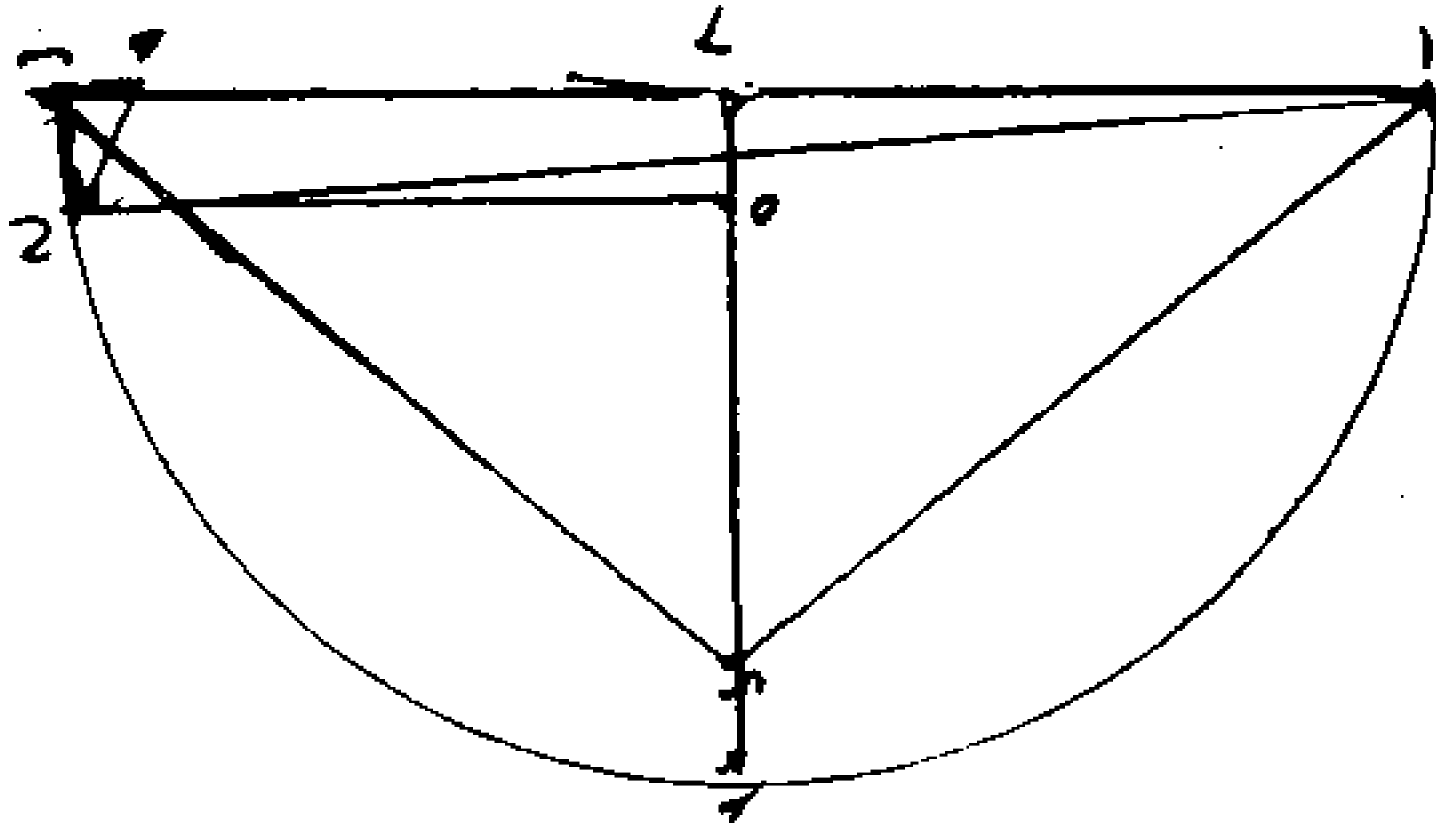
فاولاً ۔ لم يخرج القهستانى خطى المقام عن كتفى الامام بل عن خطى الجهتين لما مرّ۔

وثانيًا ۔ لو اخرجا من كتفيه استحال قيام المؤذن فى قائمة او منفرجة كما علمت ۔

وثالثا ۔ جرى على لسانه بعض الحق من حيث لا يدرى ان الملحظ ههنا يمين الامام ثم عاد الى الباطل الصرف فجعل عرض المنبر مطمح النظر وقد علمت بطلانه ۔

ورابعًا ۔ تخصيصه الحادة بالمثلث المتساوى الاضلاع من ضيق العطن ولم يقدر على تعيين قدر العمود فقال ذراعين الا قليلا والعلم ان نسبة الى ذراعين كنسبة ناشز ما الطبد الى المرفوع ولو علم لقال فى القائمة ذراع او اقل ثم لا يجب ان يكون الفصل فى المنفرجة اقل منه فى القائمة بل ربما يكون اكثر بكثير مثلا ادرنا على اب القوس واقمنا على نصفه ح عمود ح ر واخذنا ثمن ح ، فى الطرفين ح ه ، ر و وصلنا ا ر ب ركانت ا ر ب منفرجة عمودها ح ر ورسمنا من ه ۔ ه ح موازى ح ب وصلنا ا ح ب ح فكانت ا ح ب قائمة نزلنا منها عمود ح ط فكان مساديا لحه بحكم لد من

اولى الاصول وهو سبع ح ر بالفرض فكانت فصل المنفرجه سبعة امثال فصل القائمة ويمكن ان يكون الف ضعف والف الف ضعف كما لا يخفى.



خامسًا - من جهله الاشد حسبانه ان الزاوية القائمة اوالمنفرجة عند ملتقى خطيها تسع النانا بخلاف الحادة الذى ذكر ولم يدران التقاء الخطين على نقطه لاتتجزى ولا سعة هناك لحبة خردل ولا لعشر عشير معشارها مالم يبلغ الجوهرالفرد -

وسادسًا - رسم له قائمة ساقاها قدر شعيرة اونصفها مثل هذا وقل له تم فى زاوية اب ح هذه بحيث تسعك ولا يبقى شئ منك خارجها فان قال لا استطيع فقد كذب نفسه لانه كانت تسعه حادة المثلث المتساوى الاضلاع عند المنبر وهذه اكبر منها بقدر نصفها لانها قائمة والقوائم كلها متساوية فكيف لا تسعك الكبرت او تخلخلت ام تكاثفت القائمة وضاقت حتى صارت اصغر من اصغرمنها وحينئذ يصير جهله بمرأى عينيه فيعترف به اضطرار التجربته على نفسه ومشاهدته جهارًا ولاحول ولاقوة الا بالله العلى العظيم -

وسابعا - وزعمه ان لا امكان هنالك لغير الحادة شهادة منه بجهله

الشدید مبنی علی زعمه الطریل۔ ان الوتر عرض المنبر وقد حلمت مازما الحق بہ نظهر والحمد لله العلی الاکبر و لیکن هذا آخر الکلام وقد اتینا بحمد الله تعالٰی علی جمیع ما ابدوا من الاوهام ولم نترك الاما یستنکف الهذیان ان شبه به ، وقد تکفل بالرد علی قضها وقضیضها رسائل اولادی واصحابی فی هذه المسألة مثل " اذان من الله ، وقایة اهل السنة وسلامة الله لاهل السنة ، ونفی العار " وسیف القهار " و تعبیر خواب " وحق نما فیصله والطمات والاسواط۔ الی غیر ذالك مما تانت عشرًا ولم تبق لاحد عذرًا والحمد لله فی الاولٰی والاخرٰی فالمرجو من سادتنا واخوتنا العلماء الکرام ادام الله بهم نفع الاسلام ان ینظروا بعین الانصاف ولیسعوبرفع الخلاف و یظهر والحق لاجل الحق تعالٰی الحق وجل الحق۔

والحمد لله رب العالمین وافضل الصلوات واکمل السلام علٰی سید المرسلین خاتم النبیین واله الکریم وصحبه العظام وابنه الکرام و حزبه اجمعین عدد کل ذرة ذرة الف الف مرة فی کل آن وحین الی ابد الابدین استراح القلم واستنار الحق ان شاء الکریم الاکرم لعشر خلون من شوال المکرم ۱۳۳۳ھ من الهجرة القدسیة علی صاحبها الکریم واله الکرام اکرم الصلوٰة والتحیة آمین۔

والحمد لله رب العلمین سبحٰن ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العلمین قاله بفمه ورقمه بقلمه احد کلاب باب عبدالقادر احمد رضا المحمدی السنی الحنفی البریلوی غفر الله له وحقق له امله واصلح عمله بجاه المصطفٰی واهله صلی الله تعالٰی وبارك وسلم علیه وعلیهم ابدًا قد رحسنه وجماله وجوده ونواله ونعمه وافضاله آمین۔ والحمد لله رب العلمین۔

اضافات افاضات

اعلم ان العبد الفقیر کان ختم الکتاب بحول الوهاب بما فیہ غنیة لاولی الالباب ثم کتابة فی الاخریات کشفت عن وجهها النقاب وقد انطوی کتابنا ولله الحمد علی ما یقضی علیها بالتباب غیر ان زیادة خیر زیادة خیر للاحباب والتصریح احسن من التلویح لعامة الطلاب فاحببت اضافة افاضات تجلی الصواب وما توفیقی الا بالله علیه توکلت والیه مٰاب

نفحہ ۲۲ متقاص فی اللداد والعناد وشیمة الحساد بقی صامتا الی ان تمت ش ر دود علی کل مردود ننظر جمیع ذلك وحاول ان یستخرج لہ مخرجا من کل تلك المهالك نوسوس الیہ وسواسہ ان یفزع الی عرف عوام یخترعہ مخالفا اللغة والشرع واصطلاح الاصول جمیعا لیرد بہ جمیع ما سردنا من نصوص القرآن المجید والحدیث الحمید واقاویل ائمة التفسیر وشروح الحدیث وکبراء اللغة وعظماء الاصول فی تحقیق معانی " بین یدیہ " وعند "

نزعم ان کل ذالك بمعزل عما هو فیه فان کلامنا فی العرف العام وفیہ بین یدیہ وعند کلاهما للقرب ولیس فیہ القرب الا لذلك الوجہ المخصوص الذی یوجب التصاق الاذان بالمنبر۔

نتوهم بهذا النافذ قد خرج وشرد عن کل ما وردنا فان ما فی القرآن والحدیث والتفسیر والشروح کل ذالك معنی شرعی وما فی کتب اللغة معنی لغوی وما فی کتب الاصول عرف خاص علمی والکلام فی العرف العام

ولم يدر ان هذه حيلة هدمت كل ما بنى وضربت على راس نفسها فقضت عليها بالفناء

فاولاً۔ استندت بقول الراغب فانما كتابه فى لغة العرب والمحاورات الكريمة القرانية وقد عزلتهما معا وقوله يقال ويستعمل لا يخرجه عن لغة العرب الى العرف الجديد وان اخرج عندك فقد قال فى التاج" يقال بين يديك لكل شئ امامك" وفى الرضى" انه يستعمل فى القريب والبعيد"

وثانيًا۔ مانزعك الى الكشاف والمدارك اوليسا من التفاسير وانما ذكرا ماذكرا شرحا للمحاورة القرانية وهى عندك بمعزل عن الاستناد وقولهما "حقيقة قولهم" والضمير فيه للعرب والعرب لاتتكلم الابلغتها واللغة لاتثبت الابكلامها فهما مثلا زمان وفى الاصل ولا امكان لادعاء النقل الا بحجة وبرهان فصل كيف وان النقل خلاف الاصل

وثالثًا۔ لكن القران العظيم انما نزل بلسان عربى مبين قال تعالى

انا جعلناه قرانا عربيًا

وقال تعالى

انه لحق مثل ما انكم تنطقون

فمانيه الاما كانوا يتحاورونه فيما بينهم غير ماثبت فيه النقل الشرعى فثبوت معنى فى القران اول دليل واجله على محاورة العرب اللهم الا ان يثبت النقل الشرعى ودون ثبوته خرط القتاد وادعاؤه جزافا امر عظيم فى الفساد قال لمحقق على الاطلاق فى الفتح والبحر فى البحر والشافى فى رد المحتار ۔

الخطاب انما هو باللغة العربية ما لم يثبت نقل كلفظ الصلوٰة ونحوه فيصير منقولاً شرعيًا اھ

وقال بحر العلوم فی فواتح الرحموت

دعوی النقل دعوی علی اللّٰہ تعالیٰ فلابد لاثباتھا من قاطع ولیس ھٰھنا امارۃ ظنیۃ فضلا عن قاطع فلا یلیق بحال مسلم ان یجترأ علی اللّٰہ بما لم یعلم اھ

ورابعًا۔ کل کلام انما یحمل علی عرف المتکلم کما نصوا علیہ فی غیر ما مقام و سیدنا سائب بن یزید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما من اھل اللسان ولا یتکلم الا علی عرفھم ولم یکن لہ اصطلاح خاص علی خلاف العرف العام وقد اطلق "بین یدیہ" علی اذان کان علی باب المسجد ولکن الک بینا فی عند عدۃ محاورات عامۃ لا ینکرھا الا مکابر فادعاء ان العرف العام خص اللفظ بما یزعمونہ جھل بالعرف او فریۃ علیہ

وخامسًا۔ یاللعجب زعم ذاک المدعی فی رد کلمات ائمۃ الاصول المتواترۃ المتظافرۃ علی ان عند للحضرۃ بقولہ ان کل ذالک لغو لا یجدی شیئًا انما النظر الی الحقیقۃ العرفیۃ وکل من سمع باسم اصول الفقہ یعلم ان ما ینکر فیہ اصول للفقہ ولیس مصطلح الفقہ مخالفا لما ذکر من معانی الالفاظ فی الاصول و انما البحث ھٰھنا عن لفظ " عند " الواقع فی کلام الفقھاء فان فرض ان ھناک عرفا جدیدًا للعامۃ مخالفًا لعرف الفقہ و الاصول لم یکن فیہ ما یقر عینک فان کلام الفقھاء انما یحمل علی عرف الفقھاء دون العوام ولکن التعصب اذا اتملک اھلک۔

وسادسًا۔ ماذا یقول المعاند فی قول العلامۃ خیر الدین الرملی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ فی فتاواہ " فی رجل حلف بالطلاق الثلاث انہ لا یشتی عند

زوجته فی البلد نشتی فی جامعها لا تقع علیها الطلاق لان الشرط کون التشتیة فی البلد عندها ولم یوجد وعند للحضرة الا ان ینوی ذالك والله تعالی اعلم" اھ

فهذه مسئلة الحلف انما مبنی الحلف علی العرف وقد انضم فیها ان عند للحضرة نظهر ان ماذکر ائمة الاصول هو العرف وبالجملة فالحق ان لاخلف ههنا بین اللغة ولسان الشرع والاصول والفقه والعرف کل ذالك متوار دعلی ماذکرنا من معانی بین یدی وعند ولیس هنا نقل ولا اشتراك ولا تجوز بل معنی مطلق منشعب علی مصادیقه یتعین بعضها فی الکلام بقرائن المقام کما فصلناه ولله الحمد۔

وسابعًا۔ لئن تنزلنا عن هذا کله فالذی لجاء الیه الحیلة امران الاول بین یدی وعند للقرب وقد استندله بالراغب وغیره وقدمنا انه غیر مستنکر ولا یفیده ولا یضرنا والاخران القرب فی العرف العام خاص بما یلصق المؤذن بالخطیب کما یزعمون وهذا هو الذی فیه مرامه ولم یستند فیه بشئ سوی شقسقة اللسان وقد تقدم من المحاورات مایکذبه فلم یرجع سعیه الی طائل۔

وثامنًا۔ تنزلنا عن هذا ایضًا فرضنا ان ثمه عرفًا کما تدعی لکن ان کان ففی نفر مثلك من العوام فما لك لاتفرق بین عرف العوام والعرف العام لان الکلام ههنا فی عرف الفقهاء الکرام فهل عندك دلیل انهم یحصرون القرب فیما تزعم کلا بل کلامهم ناطق ببطلان ما تحکم ولنسرد علیك شیئًا منه فستهدی الی الحق ان اراد الله والا فیستهدی غیرك ممن هدی الله۔

فاقول :- وبالله التوفيق لا شك ان القرب امر اضافى فاذا ذكر الحاشيتان والتفاضل بينهما فلا يمترى غير مجنون ان القرب لا ينتهى الى حد لا يتجاوزه ما لم ينقطع العالم كله فكل بعيد من شئ مهما بعد اقرب اليه بالنسبة الى ما هو ابعد منه كالكرسى اقرب الى الارض من العرش مع انه ابعد الاجسام من الفرش بعد العرش بحيث لا يقدر بعده الا خالقه عزوجل ثم من علمه لكنه ربما تكون للشئ بالنظر الى آخر حالة يطلق عليه بالنسبة اليه لفظ القريب مطلقا بدون لحاظ اضافته الى شئ ثالث وله وجوه كثيرة مختلفة باختلاف المقام۔

منها :- "قرب التناول" ان يكون الشئ منك بحيث تصل يدك اليه كقوله تعالى "فراغ الى اهله فجاء بعجل سمين فقربه اليهم قال الا تاكلون"

ومنها :- "قرب السمع" ان يبلغه صوتك

ومنها :- "قرب السير" ان لا يلحقك كبير حرج فى الوصول اليه فلو خص الفقهاء القرب لقرب التناول صح كلامك وحصل مرامك لكنهم براء عنه قطعا اكبر كلما تهم تراهم يطلقون القرب ويعنون به احد الوجوه الثلثة الاخيرة حتى قانت عباراتهم فى تفسير القرب المطلق عشرا فيما يحضرنى الآن ولعل ما لم اتذكر نحوها او اكثر۔ وبيان ذالك فى مسائل۔

المسألة الاولى :- اطبقوا ان الماء ان كان قريبا لم يجز التيمم للمسافر وان كان بعيدا جاز واختلفوا ان اى ماء يسمى قريبا بالاتفاق على ان المراد قرب السير والاجماع على ان ليس المراد قرب التناول قال فى العناية

المنصوص عليه كون الماء معدوما وما ههنا معدوم حقيقة لكن نعلم بيقين ان عدمه مع القدرة عليه بلا حرج ليس بمجوز للتيمم والاجماع

لمن سکن بشاطی البحر وقد عدم الماء من بیتہ فجعلنا الحد الفاصل بین البعد والقرب لحوق الحرج اھ

وفی البنایۃ

لیس لہ ان یتیمم اذا کان الماء قریبا منہ اھ

وفیہا (م)

"المیل ھو المختار فی المقدار" (ش) ای مقدار بعد الماء وجہ کونہ مختارا ان المسافۃ القریبۃ جدا مانع من جواز التیمم والبعد یجوزہ فقدر البعد بالمیل لالحاق الحرج الی وصول الماء وعند محمد شرطہ ان یکون بینہ وبین المصر میلان وعن ابی یوسف لو ذھب الیہ وتوضأ تذھب القافلۃ وتغیب عن بصرہ یجوز التیمم وھذا احسن جدا وقیل اذا کان نائیا عن بصرہ واختلفوا فی النائی قیل قطع میل وعن محمد قطع میلین وقیل فرسخ وقیل جواز قصر الصلٰوۃ وقیل عدم سماع الاذان وقیل عدم سماع اصوات الناس وقیل لو نودی من اقصی المصر لا یسمع۔

وفی البدائع

ان ذھب الیہ لا ینقطع عنہ جلبۃ العیر ویحس اصواتھم واصوات دراء فھو قریب وقیل ان کان بحیث یسمع اصوات اھل الماء فھو قریب قال قاضی خان واکثر المشائخ علیہ وکذا ذکرہ الکرخی واقرب الاقوال اعتبار المیل فان قلت النص مطلق عن اشتراط المسافۃ فلا یجوز تقییدہ بالرای قلت المسافۃ القریبۃ مانعۃ بالاجماع والبعیدۃ غیر مانعۃ بالاجماع فجعلنا الفاصل بینھما المیل اھ

المسألة الثانية:- فی التنویر

لو کانت البیر او الحوض او النهر فی ملک رجل فله ان یمنع مرید الشفة من الدخول فی ملکه اذا کان یجد ماء بقربه (قال العلامة الشامی) قال العلامة المقدسی ولم ار تقدیر القرب وینبغی تقدیره بالمیل کما فی التیمم اه

ورایتنی کتبت علیه اقول فیه تامل فان العطشان ربما یتضرر بذهابه میلا ولا فی طلب الماء کذالک المحدث فینبغی احالة الامر علی حالته ولعلهم لذا لم یقدروہ ولم یقدروہ۔

المسألة الثالثة:- فی شهادات الدر المختار

یجب اداؤها بالطلب بشروط سبعة مبسوطة فی البحر وغیره منها عدالة القاضی وقرب مکانه اه

قال البحر ثم الشامی

فان کان بعیدا بحیث لا یمکنه ان یغدوا الی القاضی لاداء الشهادة ویرجع الی اهله فی یومه ذالک قالوا لا یاثم لانه یلحقه الضرر بذالک وقال الله تعالیٰ ولا یضار کاتب ولا شهید اه

المسألة الرابعة:- فی الذخیرة ثم العالمگیرة

اذا کان المدعی علیه خارج المصر فانه علی وجهین الاول ان یکون قریبا من المصر فیعدیه بمجرد الدعوی وان کان بعیدا لا یعدیه والفاصل بین القریب والبعید انه اذا کان بحیث لو ابتدأ من اهله امکنه ان یحضر مجلس الحکم ویجیب خصمه ویبیت فی منزله فهذا قریب وان کان یحتاج الی ان یبیت فی الطریق فهذا بعید ة

المسألة الخامسة :۔ قال امامنا الثانی ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی کتاب الخراج ۔

ثم حمل الاموال (ای الضحاک بن عبد الرحمٰن الاشعری) علی قدر قربہا وبعدہا فجعل علی کل مائۃ جریب زرع مما قرب دینارا وعلی کل الف اصل کرم مما قرب دینارا وعلی کل الفی اصل مما بعد دینارا (ومثلہ ذکر الفرق بین القریب والبعید من الزیتون) وکان غایۃ البعد عن مسیر الیوم و الیومین واکثر من ذالک ومادون الیوم فہو فی القرب وحملت الشام علی مثل ذالک وحملت الموصل علی مثل ذالک (فہذہ کلہا قرب السیر)

المسألۃ السادسۃ :۔ فی مختار الفتاوی ثم الہندیۃ

ان کان فی کرم وضیعۃ یکتفی باذان القریۃ والبلدۃ ان کان قریبا والا فلا وحد القریب ان یبلغ الاذان الیہ منہا ۔

المسألۃ السابعۃ :۔ قال المحقق فی الفتح ۔

یحرم فی الخطبۃ الکلام ان کان امرا بمعروف اوتسبیحا والاکل والشرب والکتابۃ (الی ان قال) ہذا کلہ اذا کان قریبا بحیث یسمع فان کان بعیدا بحیث لا یسمع اختلف المتأخرون فیہ فمحمد بن مسلمۃ اختار السکوت ونصیر بن یحیٰی اختار القراۃ ۔الخ

المسألۃ الثامنۃ :۔ فی الہندیۃ من تکبیرات العیدین عن المحیط عن محمد ۔

یری تکبیر ابن مسعود فکبر الامام غیر ذالک اتبع الامام الا اذا کبر تکبیرا لم یرہ احد من الفقہاء اھ (ثم نقل عن البدائع) لکن ہذا اذا کان بقرب الامام فیسمع التکبیر منہ فاما اذا کان یبعد منہ یسمع من المکبرین یاتی بجمیع ما یسمع وان خرج من اقاویل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لجواز ان الغلط من المکبرین فلو ترک

شيئا منها بما كان المتروك ما اتى به الامام

المسألة التاسعة:۔ فى جمعة البحر الرائق ذكر فى المضمرات قال الشيخ الاجل الامام حسام الدين۔

تجب على اهل المواضع القريبة الى البلد التى هى توابع العمران الذين يسمعون الاذان على المنارة باعلى الصوت

المسألة العاشرة:۔ فى التنوير الابصار

لا تقتل من امنه حرا او حرة لو فاسقا بشرط سماعهم ذالك من المسلمين فلا امان لو كان بالبعد منهم

المسألة الحادية عشرة:۔ وفى شرح الدرر وفيه

اذا احى مسلم او ذمى ارضا غير منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولا ذمى وهى بعيدة من القرية اذا صاح من باقصى العامر (وهو جهورى الصوت (بزازيه) لا يسمع بها صوته ملكها الخ

وفى الكفاية من الذخيرة

الفاصل بين القريب والبعيد مروى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى قال يقوم رجل جهورى الصوت من اقصى العمرانات على مكان عال وينادى باعلى صوته فالموضع الذى لا يسمع صوته فيه يكون بعيدا

المسألة الثانية عشرة:۔ فى الدر المختار

لو وجد قتيلا فى الشارع الاعظم والسجن والجامع لاقسامة والدية على بيت المال ان كان نائيا اى بعيدا من المحلات والا يكن نائيا بل قريبا منها فعلى قرب المحلات اليه (قال الشامى قوله قريبا منه) الظاهر ان المعتبر فيه سماع الصوت

المسألة الثالثة عشرة :۔ فی الهدایة
وان وجد فی بریة لیس بقربها عمارة فهو هدر، وتفسیر القرب ماذکرنا
من استماع الصوت ۔ فهذه کلها قرب السمع
المسألة الرابعة عشرة :۔ ماقدمنا فی النفحة الثانیة العودیة عن الجوهرة
النیرة هذا اذا کان الحافظ قریبًا منه ای بحیث یراه اما اذا بعد بحیث لایراه
فلیس بحافظ فهذا قرب البصر هذه مصادیق القرب المطلق فی عرف الفقهاء
الکرام فان کان الرسم لدیکم ان خطیبکم یاکل المؤذن او مؤذنکم یبتلع المنبر فنعم
لابد من قرب التناول والا فما المعین له والحامل علیه نسأل الله اراءة
الحق والهدایة الیه ۔ امین ۔
وتاسعًا ۔ قد اعترف الرجل ان فی العرف لعدّ فی کل محل حد علیحدة للقرب
بقرینة القیام فکان علیه ان یثبت بالدلیل ان قضیة مقام الاذان فی
القرب عن الامام الحد الفلانی لکنه ادعی وقنع بالادعاء اللسانی ولوکفت
الدعوی للثبوت لقام بالبرهان کل مبهوت فمالک تفر ولاتقر وتمیل
الی الحق ثم تفر ۔
وعاشرًا :۔ قال الله عزوجل "وزنوا بالقسطاس المستقیم" ولکل شیء
قسطاس وقسطاس الکلام له کفتان الشرع والعقل فمن رزق حظا منهما

ف۱ وفی الهندیة من الفتاوی الکبری وهی المسئلة الخامسة العشرة جری بینه
وبین امرأته تشاجر من قبل اخته فقال لها ان سببت اختی فانت طالق
ثلثًا ثم دخل الزوج علیها وهی تشاجر مع اخت الزوج ان سبتها وهی تراه طلقت لانها
سبتها بین یدیه وسبتها فسمع بین یدیه، منه غفرله

لا يحمله الا علیٰ ما يوافقهما اما الجاهل فلا بيده ميزان ولاهو يعرف
الاوران فاذا امره من يفترض عليه طاعته، ان تم فصل ركعتين ولاتتأخر لمحة
فلعله يقول امرني بالصلوٰة بغير وضوء اذلوذهبت اسكب الماء ثم توضأت ثم الی
محل الصلوٰة رجعت لفات الفور وقد نبأني ان لا تأخر لحظة، ولوحلف زيد والله
لايسكن هٰذه الدار فتاهب من فوره للخروج وجعل ينقل المتاع ولم يقصر ومكث
فی هٰذا يوما مثلا يظن الجاهل انه قد حنث لانه لم ينقل يوما لكن العالم ان قدر الوضوء
مستثنی فی الاول شرعا وقدر ما تيسرله فيه النقل مستثنی فی الثانی عقلا فلا ينتفی
بهما الفور فی الخانية ثم الهندية حلف لايسكن هٰذه الدار فخرج بنفسه واشتغل
يطالب دارا اخری لينقل اليها الاهل والمتاع فلم يجد دارا اخری اياما ويمكنه
ان يضع المتاع خارج الدار لايكون حانثا وكذا لوخرج واشتغل بطلب
دابة ينقل عليها المتاع فلم يجد اوكانت اليمين فی جوف الليل ولم يمكنه الخروج
حتی اصبح اوكانت الامتعة كثيرة فخرج وهو ينقل الامتعة بنفسه ويمكنه ان يستكری
دوابا فلم يستكر لايحنث فی جميع ذالك، هٰذا اذا نقل الامتعة بنفسه كما ينقل الناس فان نقل لاكما ينقل الناس يكون حانثا
وكذالك اذجلس عالم يفيد ويلقی الدرس او المسائل والناس جلوس
صفوفا حتی الباب فجاء احد من الطلبة اوسائلی المسائل فعاقته هيبة
المجلس عن الاقتراب بهم وجعل يستمع من بعد فامره العالم ان يقترب او
امر السلطان بعض حواشيه بالقرب فالجاهل يقول القرب مطلق والمراد
به فی العرف اقصی مايكون فيركب اكتاف الناس ويتخطی رقابهم حتی
يصل الی العالم ويجلس فی حجره ويطأ فراش الملك ويطلع سريره الی ان
يلزق جنبه بجنبه فيستحق التعذير فی الدنيا والتعذيب فی الاخرة والعياذ
بالله تعالیٰ والعاقل يعرف ان ليس المراد الا القرب السائغ شرعا وعرفا

فالسائل لينتهي عند الباب دون مجلس العالم والحاشية يتقدم الى منتهى منصبه، البواب الى الباب والوزير الى قرب السرير ثم يقف ويعلم ان الجاهل المستند بالعرف هو الذى اخطأ العرف فان المفهوم بالقرب المطلق هو القدر السائغ دون تحدى الحد.

وبالجملة اطباق الشرع والعقل والعرف جميعًا ان الشئ يذكر مرسلا ولايراد الا على ماعرف من شروطه وقيوده واٰدابه ومن يقطع النظر عن كل ذالك مقتصرا على القدر الملفوظ فاسم المجنون اخف القابه قال الامام الزيلعي فى ذبائح التبيين. الشئ اذا عرفت شروطه وذكر مطلقا ينصرف اليها فقال الله تعالى اقم الصلوٰة اى بشروطها.

واذا عرفت هذا فلئن فرضنا فرض باطل ان الفقهاء اذا اطلقوا القرب ارادوا به اقصى مايكون من القرب لم يكن فيه الا ما يسحق عين السفيه فانه لايراد الا اقصى قرب سائغ شرعا. وقد عرف من الشريعة المطهرة كراهة الاذان فى المسجد فمنتهى قرب المؤذن على حدود المسجد ثم فى الحد ايضا استماع واقرب مواضعه من المنبر ما كان على محاذاته لانا اذا اخرجنا من المنبر خطوطا الى اسفل المسجد كان الخط الذاهب على استقامة سمته وتر الحادة وسائرهن اوتار القائمة فان قدم المؤذن فى احد الطرفين كان بعيدا عن المنبر وان تام بحذائه كان قريبا منه بحيث لاقرب فوقه فكان هذا معنى قولهم عند المنبر وهو اقصى مايسوغ له من القرب.

فوضح الحق ولله الحمد وصلى الله تعالى على سيدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعين افضل صلوٰة المسلمين واكمل سلام المسلمين والحمد لله رب العالمين.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لئے ہیں۔
اور افضل ترین درود وسلام اس ذات گرامی پر جس کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی بلندیوں، اور زمینوں کی پستیوں میں فرمایا۔ اور روز قیامت کی بھیڑ میں اولین وآخرین سے منتخب فرما کر آپ کو اپنی مخصوص حمد وثنا، کی اجازت اور اذن دے گا۔

اور آپ کی آل واصحاب پر، اور آپ کے فرزند غوث اعظم پر۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساری امت پر۔ آمین۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد! یہ چند سطریں ہیں، بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں اذان خطبہ سے متعلق علوم وفنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے۔ ہم نے جس کا نام۔ ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے "، رکھا۔ جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہلسنت عموماً اور خصوصاً علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے (اللہ تعالیٰ انھیں توفیق خیر عطا فرمائے، اور قیامت تک ان سے مذہب حق کی حفاظت وحمایت کا کام لے) تاکہ ہم رسول انام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کی احیا میں ان سے مدد حاصل کریں۔

یہ بندۂ عاجز اپنے جلیل وبزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال، اور اس کے حبیب

لبیب کے چہرۂ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے کبھی جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں۔ اور ظلم و اختلاف کا ارادہ رکھیں۔ نہ کہ وہ جو رسم و رواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں، اور حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم

بندہ اپنے رب عظیم سے مدد مانگتے ہوئے (کہ وہی اچھا مددگار ہے) پھر اپنے حبیب رؤف و امین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین کی حمایت چاہتے ہوئے۔ حمد و صلاۃ سلام و تشہد پڑھتے ہوئے، عرض پرداز ہے۔

اے ہمارے سردارو۔ اور بھائیو! (اللہ تعالیٰ ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے، اور ہم سب کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے) آپ خوب جانتے ہیں کہ تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب ہے۔ اور تمام سیرتوں سے برتر سیرت رسول ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور سب چیزوں سے برے وہ نو ایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن و حدیث سے نہ ہو) پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے گی، چاہے لوگ اسے ناپسند کریں۔ اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی رہے گی، چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔

بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں۔ اہل حق اس پر نکیر بھی کرتے ہیں، لیکن یہ رد و قدح ضائع ہو جاتی ہے۔ جس کے چند اسباب ہوتے ہیں۔

① ان نو ایجاد امور کی اشاعت کیلئے حکومت اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی ہے۔

② سرکش نفوس اسے رواج دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

③ علماء، جو انھیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے، لوگ اتباعِ نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں۔ اور ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا

کر چکے ہیں۔ اب خاموش بھی رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ عالم یہ سوچ کر رشد و ہدایت چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے نشوونما پاتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے۔ چھوٹے لوگ اسے بڑھا دیتے ہیں اور بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ اور لوگ انہیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نو پید بات ہوتی ہے۔ اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنت مرضیہ کے خلاف اور خصائل حمیدہ کی ضد ہوتی ہے، اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتہ پوچھا جائے تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ لوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہو رہی ہے۔ حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی ہے نہ دلیل۔ سوائے اس امر کے پتہ نہیں کب سے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نو پید امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی۔ اور لوگ اسی کو سنت سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس وقت برائی اچھائی بن جاتی ہے۔ اور اچھائی برائی۔ حدیث شریف میں ہے:

ویکذب الصادق ویصدق الکاذب (ابن عساکر)

سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے۔

حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ صحیح حدیث بھی مروی ہے۔

فمن القی علیہم السنۃ فانما یحول جبلۃ او یحاول جبلا او یبتدع حکماً من عندہ قبلا۔ [عہ]

تو جو انہیں کسی سنت پر ابھارے، گویا انکی فطرت بدل رہا ہے۔ یا پہاڑ منتقل کرنے کا قصد کر رہا ہے یا اپنے پاس سے کوئی حکم گڑھ رہا ہے۔

عہ ابن ابی الدنیا۔ اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام سجزی نے کتاب الدیانۃ میں، امام ابن عساکر نے آگے۔

اور دل میں جب کوئی بات سما جاتی ہے۔ تو آدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی نہیں کرتا۔ اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتا ہے تو حلق کے نیچے نہیں اترتی۔ اور سنتا ہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی۔ جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ وہ تو یوں فرماتا ہے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب۔	ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سن کر اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت دی۔ اور وہی اہل عقل وبصیرۃ ہیں۔

تو راستہ تو سن کر انتفاع اور اتباع کا تھا۔ نہ کہ قناعت کر کے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔ یا سن کر ان سنی کر دینے کا۔ ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔ نفع تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو ارادہ قلبی اور سماع حضور کیساتھ سنتے ہیں۔

پس اے برادران محترم! غایت توجہ اور رعایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یکطرفہ فیصلہ کئے بغیر اس ارادے کہ حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا

تاریخ دمشق میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک گوارا سند کے ساتھ اس کو روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں، حاکم نے کنی میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں۔ امام بیہقی نے بعث میں۔ اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، اور نعیم بن حماد نے۔ فتن۔ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ اور سب نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی۔ ام المومنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق ویصدق فیہ الکاذب الحدیث اور یہ سب کے نزدیک حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ ۱۲ منہ

گمشدہ مال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے۔ ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔

پہلے تو ہم احادیث کریمہ، فقہ مستقیمہ، بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ پا سکتا ہے اسے اجمالاً بیان کرتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے۔ کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جاگزیں، اور ظن و تخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے، پوری تفصیل کے لئے تو صحیفے درکار ہیں۔ مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے۔ تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں، حدیث شریف میں ہے۔

ماقل وکفی خیر مما کثر والھیٰ ۔ جو کلام مختصر اور کفایت کرنیوالا ہو۔ طویل اور الجھا دینے والے بیان سے اچھا ہے۔

(ابویعلیٰ وضیاء مقدسی، فی المختارۃ عن ابی سعید الخدری)

فاقول وبہ استعین • سنن ابی داؤد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابو القاسم طبرانی کی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اذان خطبہ میں سنت یہ ہے کہ امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے حدود مسجد کے اندر (نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد ہائے مبارک و مسعود میں، اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام و زمانہ تابعین وائمہ مجتہدین میں ایسا ہی ہوتا رہا، کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں۔ اور معاذ اللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کر بھی کیسے سکتے تھے۔

اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ کی تفسیر میں اعتبار کیا۔ چنانچہ کشاف[1] میں زمخشری، مفاتیح الغیب[2] میں امام رازی، لباب[3] التاویل میں لالخازن، رغائب الفرقان[4] میں امام نیشاپوری، خطیب[5] وجمل[6] وغیرہ نے اسے ذکر کیا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیا۔ عبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں۔

◉ ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی کہ مکروہ ہے۔ فقیہ النفس[1] امام قاضی خان نے خانیہ میں۔ امام بخاری[2] نے خلاصہ میں، امام اسبیجابی[3] نے شرح طحاوی میں۔ امام اتقانی[4] نے غایۃ البیان میں۔ امام عینی[5] نے بنایہ میں۔ امام محقق علی الاطلاق[6] نے فتح القدیر میں۔ امام زندویستی[7] نے نظم میں۔ امام سمعانی[8] نے خزانۃ المفتین میں۔ مختار زاہدی[9] نے مجتبیٰ میں۔ محقق زین ابن نجیم[10] نے بحرالرائق میں۔ محقق ابراہیم حلبی[11] نے غنیہ میں۔ برجندی[12] نے شرح نقایہ میں۔ قہستانی[13] نے جامع الرموز میں۔ سید طحطاوی[14] نے مراقی الفلاح میں نیز اصحاب فتاویٰ عالمگیریہ[15] فتاویٰ تاتارخانیہ[16] اور مجمع البرکات[17] نے اس کی تصریح فرمائی۔

ان حضرات نے نہ تو کسی جزئے کا استثنا کیا، نہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایا۔ تو غیر مخصوص کی تخصیص کا ارادہ ایک ناقص رائے، اور وہمی خیال آرائی ہے۔

◉ اس مسئلہ میں مزید چند امور بھی قابل غور ہیں۔

(۱) جوف مسجد میں اذان دینا، دربار الٰہی کی بے ادبی ہے۔ اس پر قرآن و حدیث اور عہد قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔

(۲) جوف مسجد میں اذان، مشروعیت اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔

(۳) جوف مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں۔ اگر کہیں علامت یا اشارۃ النص یا احتمال و مجاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص، اور صریح و حقیقت کے معارض نہیں ہو سکتے۔

(۴) اندرون مسجد اذان گو آجکل بعض مقامات میں شائع و ذائع ہو، مگر پورے عالم اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے۔ نہ عہد رسالت سے اس کا توارث ثابت ہے۔ پس ایسے امر کا جواز نہ تو محتمل ہے، نہ قابل قبول، اور جو فعل شرعاً ناپسندیدہ ہو، گو لاکھ معروف

وشہور ہو۔ گوہم اس کے ایجاد کا زمانہ متعین نہ کرسکیں۔ مقبول ومعروف شرعی نہیں ہوسکتا۔

اے سرداران امت، علمائے اہلسنت! اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ اور آپ کے رسول گرامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں[۱] میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے۔ اس پر سو شہیدوں کے اجر[۲] اور دار آخرت میں اپنی ہم نشینی[۳] کا وعدہ فرمایا ہے۔

سنت کا احیار جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کرڈالا ہو۔ اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عمل درآمد ترک کر دیں۔ اور اس وقت کے علمار مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خموشں رہے ہوں۔ پس جو ایسی سنت زندہ کرے، اسے اس کا اجر ملیگا۔ اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہد قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے۔ اس لئے لوگوں کے عمل یا عادت، یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علمار کی خموشی سے استدلال۔ اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلاف شرع ہوتا، تو اس پر ان علمار کی

---

[۱] ترمذی نے حضرت بلال، محمد وابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین سے انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی من احیا من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورہم شیئاً۔ جس نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیا، اسے تمام عمل کرنیوالوں کے اجر کے برابر ملے گا۔ ان کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

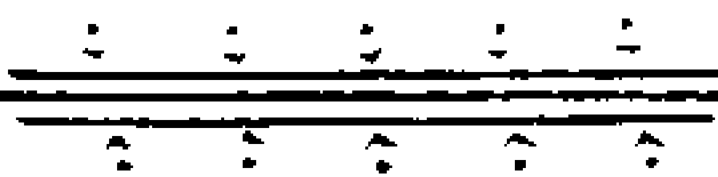
[۲] امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے عمل کیا۔ اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

[۳] امام سجزی نے کتاب الابانہ میں حضرت انس اور انھوں نے حضور سے روایت کی من احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ جس نے میری سنت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ اور جس نے مجھ سے محبت رکھی میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ امام ترمذی نے لفظ احبنی کے بجائے لفظ احب روایت فرمایا۔ یا اللہ ہم سب کو آپ کی محبت عطا فرما۔ ۱۲ منہ

خموشی ان کے لئے باعثِ عار ہوتی ۔

یہ سب خیال کھلی جہالت، اور واضح رسم پرستی ہے۔ اور احیائے سنت کا سدباب ہے۔ حالانکہ حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احیائے سنت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اور اس پر عظیم انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے ۔

اب ہم مہکتے شماموں اور لپکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمارے حبیب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے۔ آمین



عنبرِ حدیث کا شمامۂ اولیٰ

نفحہ ۱ ہمارے شیخ، شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زینی ابن دحلان مکی قدس سرہٗ نے مکہ مکرمہ میں ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا۔ ان سے شیخ حسن دمیاطی ازہری نے ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبد اللہ شرقاوی شافعی ازہری نے ح

ہم سے علامہ مولانا مفتی عبد الرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبد اللہ ابن عمر کے واسطہ سے بیان کیا ح

ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا۔ اور احمد بن زید جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح فلانی اور سید عبد الرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد زجاجی اور سید احمد قاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح

ہمارے شیخ سید امام، عارف باللہ شاہ آل رسول احمدی نے جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں ہمکو خبر دی، انھیں شاہ عبد العزیز دہلوی نے انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح

ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابوداؤد تک متصل ہیں۔ انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن مسلمہ، محمد ابن اسحٰق، زہری عن سائب

ابن یزید رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔

قال کان بلال یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لیجاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔

یہ حدیث حسن وصحیح ہے۔ اس کے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ، نہایت سچے، اور امام ہیں۔

- ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابوزرعہ، اور ابن حجر نے فرمایا۔

"صدوق" یہ بہت سچے ہیں"

- امام عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں۔

"ہم نے انھیں صدوق پایا۔ ہم نے انھیں صدوق پایا، ہم نے انھیں صدوق پایا"

- امام عبداللہ بن مبارک۔ امام شعبہ، اور سفیانین ثوری وابن عیینہ، اور امام ابویوسف نے ان سے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں، اور ان کی شاگردی اختیار کی۔

- امام ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا۔

"اجلہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے۔ اور آپ کو اہل علم نے آزمایا، تو اہل صدق وخیر پایا"

- ابن عدی نے کہا،

"آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، اور آپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں"

- امام علی ابن المدینی نے کہا:

بکسی امام یا محدث کو ابن اسحاق پر جرح کرتے نہیں دیکھا!

- امام سفیان ابن عیینہ[۱] فرماتے ہیں :

. میں ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت میں رہا۔ اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا۔ نہ ان پر کچھ تنقید کی ۔

- امام ابو معاویہ نے فرمایا

. ابن اسحاق سب لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے ،

---

[۱] سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہوگیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ۔ حضرت سفیان ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے ، خدا کی پناہ انھوں نے تو ابن اسحٰق کی شاگردی اختیار کی ہے اور ان کی طرف سے مدافعت کی ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ میں نے امام زہری کو دیکھا، کہ ابن اسحٰق سے پوچھا آپ کہاں تھے۔ انھوں نے جواب دیا۔ کوئی آپ کے یہاں باریابی بھی تو پائے (یعنی دربان روکے ہوئے تھا) تو امام زہری نے اپنے دربان کو بلاکر فرمایا، آئندہ ابن اسحٰق کو اندر آنے سے کبھی بھی مت روکنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھا انھوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ یہ اس کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں !

حضرت علی ابن المدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان سے پوچھا کہ ابن اسحٰق فاطمہ ابن منذر کے پاس بیٹھتے تھے ؟ تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے خود محمد بن اسحٰق نے کہا کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور میں ان کے پاس گیا (تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان سے حدیث سنی) ابن عیینہ نے تو ابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کا وہ شاندار قول نقل کیا کہ یہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں (کیا جرح ایسی ہی ہوتی ہے؟) ہاں آپ نے ابن اسحٰق کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونیکا الزام لگایا ہے۔ لیکن کیا یہ جرم ہے اگر یہ جرم ہو تو بخاری شریف ایسے مجروح راویوں سے بھری پڑی ہے اس کے بہت سے راویوں پر قدر کا الزام ہے۔

اگر یہ جرح ہوتی تو ابن عیینہ کا ابن اسحٰق سے حدیث روایت کرنا تو بڑی بات ہے۔ ان کا ساتھ ہی چھوڑ دیتے لیکن انھوں نے نہ تو ان کا ساتھ چھوڑا نہ انکی شاگردی ترک کی۔ نہ ہی عوام کے الزام کی تصدیق کی یہ تہمتیں بے اصل ہیں۔ مزید ابن نمیر کا کلام آرہا ہے ۱۲ منہ

- امام ابو اللیث نے فرمایا۔

"یزید بن حبیب سے روایت کرنے والوں میں ابن اسحاق سے زائد ثبت کوئی نہیں"

ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث، حیوٰۃ ابن شریح، سعید بن ایوب، اور خود لیث بن سعد یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں۔ اور پانچویں یحییٰ ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور رجال شیخین میں سے ہیں۔ اور عبداللہ ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی۔ اور عبداللہ بن عیاش ہیں۔ یہ دونوں مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ، یہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین سے ہیں اور عبدالحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں تو بقول امام ابو اللیث ابن اسحاق ان سب سے افضل ہوئے۔

- امام شعبہ نے فرمایا

"میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحاق کو محدثین پر حاکم بناتا۔ یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں"

ایک روایت میں ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ تو حضرت شعبہ نے فرمایا۔ ان کے حفظ کی وجہ سے۔ دوسری روایت میں ہے۔ حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہو سکتا ہے تو وہ محمد ابن اسحاق ہیں۔

- علی ابن المدینی سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں۔ پھر ان سب کے نام گنوائے۔ اور فرمایا اس کے بعد ۱۲ آدمیوں میں دائر ہوئیں۔ اور ابن اسحاق اُن بارہ میں ہیں۔

- امام زہری فرماتے ہیں۔

. مدینہ مجمع العلوم رہے گا۔ جب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے "
آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پر ہی بھروسہ کرتے تھے۔ ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاذ تھے۔ بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے۔

- ابن اسحاق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایا۔

جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں۔ دنیا میں علوم باقی رہیں گے۔

- عبد اللہ ابن قائد نے کہا۔

. ہم لوگ ابن اسحٰق کی مجلس میں ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے، اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔

- ابن حبان نے کہا۔

. مدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یا دیگر علوم و فنون کی۔ ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی۔ اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے:

- ابو یعلی خلیلی نے فرمایا۔

. محمد ابن اسحٰق بہت بڑے عالم حدیث تھے۔ روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے "

- یحیٰی ابن معین یحیٰی ابن عجلی ابن عبد اللہ المدینی استاد امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہا۔

. محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔

- حضرت ابن البرقی نے فرمایا:

. علم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ان کی حدیث حسن ہے "

- حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ

. ابن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں "

- محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا۔

ابن اسحٰق ثقہ ہیں، ثقہ ہیں، اس میں نہ ہمیں شبہ ہے۔ نہ محققین محدثین کو شبہ ہے۔ محمد ابن اسحاق کی توثیق حق صریح ہے۔ اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیا۔

اور امام بخاری نے تو جزء القراۃ میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایا۔ اور ان کا تذکرہ اپنی کتاب ضعفاء میں بھی نہیں کیا۔ اور ان کی جرح میں امام مالک کا جو کلام نقل کیا گیا ہے۔ اس کی صحت سے انکار کیا ہے۔ اور حضرت علی سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے، اس کا بھی انکار کیا ہے۔

ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے۔ اور ان سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفےٰ رضا خاں نے (سلمہ اللہ تعالیٰ) اپنی کتاب، وقایہ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ، میں جو وہابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے۔ بیان کیا ہے۔ کہ انھوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی۔ اور اہل دیوبند پر تو ہمارے سادات علمائے حرمین طیبین نے کفر کا فتویٰ دیا ہے، اور ان کے کفر میں شک کرنے والوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے۔

- . . . امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بے سند تنقیدوں کا کیا خوب رد فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

> ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے، جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابراہیم کا کلام، حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کا کلام اہل علم میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک جرح صریح اور مدلل نہ ہو، اور ایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پر اثر نہیں پڑتا۔

امام احمد، امام یحییٰ بن معین، اور محمد بن عبد اللہ بن نمیر و محمد ابن یحییٰ، یہ سب امام بخاری کے

استاذ ہیں۔ اور ابوداؤد، منذری، اور ذہبی، ان سب لوگوں نے محمد ابن اسحٰق کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی اور سیوطی نے اس کو حسن کے اعلیٰ مدارج میں گردانا ہے۔ تدریب میں ہے۔

صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے حسن بہز ابن حکیم عن ابیہ عن جدہ، اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، اور ابن اسحاق عن تیمی اور ان کے امثال ہیں اور اسی کو ادنیٰ درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابن مدینی، ترمذی، ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا، اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں۔ انھیں دارقطنی نے حسن کہا۔ اور حاکم نے صحیح فرمایا[1]۔

اور ان دونوں حضرات کی امام بیہقی اور امام منذری نے اتباع کی۔ امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحٰق کو ائمہ اعلام میں شمار کیا۔ اور صالح الحدیث قرار دیا۔ اور فرمایا کہ ان کا اسکے سوا کوئی گناہ نہیں، کہ انھوں نے سیر میں منکر حدیثیں درج کیں۔

حافظ ابن حجر نے انھیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا۔ جن میں تدلیس کے علاوہ نہ کوئی ضعف ہے۔ نہ علت امام نووی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں۔

[1] سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحٰق، مکحول، محمد بن ربیع، عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ باب قرأۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے۔ اور باب وجوب الصلوٰۃ علی النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا۔ ان رجلا قال یارسول اللہ اما السلام علیک فعرفناہ فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلاتنا، اور فرمایا کہ دارقطنی اسکو حسن متصل قرار دیتے ہیں اور بیہقی اسکو برقرار رکھتے ہیں۔ ابن ترکمانی کہتے ہیں۔ یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحٰق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔ پھر بھی حدیث باب السلام علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی التشہد میں نقل کرکے کہا حاکم نے اسکی تصحیح کی اور دارقطنی نے تحسین، اور خود اسکو برقرار رکھا۔ ۱۲ منہ

- محمد بن عبداللہ نمیری نے فرمایا۔

"ان پر قدریہ ہونے کا الزام ہے۔ لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں"

- یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں۔

"میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا۔ تو فرمایا کہ میرے نزدیک انکی حدیثیں صحیح ہیں۔ میں نے امام مالک کی تنقیدوں کا ذکر کیا۔ تو فرمایا۔ وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انھیں پہچانا"۔

- ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا اور فرمایا۔

"امام مالک نے ابن اسحق کی جرح سے رجوع فرمایا۔ اور ان سے صلح کر لی اور انھیں تحفہ بھیجا"۔

- مصعب زبیری، دحیم، ابن حبان نے کہا۔

"ان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی"۔

اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان، مروزی، ذہبی اور محقق علے الاطلاق نے انکی طرف سے دفاع کیا۔ یہ اور مزید اضافے میرے فرزند سلمہ کی کتاب "وقایہ اہل السنۃ" میں ہیں۔ والحمدللہ۔

نفحہ (۲) تقریب کے قول۔ ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی۔ سے دھوکہ کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بدبودار جہالت ہے۔ رفض و تشیع میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

بسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے۔ جب کہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے۔ صاحب تقریب نے خود "ہدی الساری" میں فرمایا۔

التشیع محبۃ علی علے الصحابۃ فمن قدمہ علی ابی بکر وعمر فہو غال فی تشیعہ ویطلق علیہ الرافضی والا فشیعی۔ فان انضاف الی ذالک السب

والتصریح بالبغض فغال فی الرفض۔
تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے۔ تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے۔ اور اسے رافضی بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے"۔
مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے۔

الانضلیۃ عندنا مع ترتیب الخلافۃ مع التردد فیما بین علی وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہمارے نزدیک خلفائے اربع میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے۔ حضرت عثمان وعلی میں تردد کے ساتھ؛
شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے۔

قال اهل السنة الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وقد مال البعض الی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ عنہما والبعض الی التوقف فیما بینهما اه
اہل سنت نے کہا کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی، اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔
امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے۔

جزم الکوفیون منهم سفیان الثوری بتفضیل علی علی عثمان وقیل بالتوقف علی التفاضل بینهما وهو روایۃ عن مالك۔
ائمہ کوفہ (انھیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔
تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا اور شرح

فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے میں لکھا ہے۔

"حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی تفضیلت مروی ہے (رضی اللہ عنہم) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنت ہیں۔ اور فقہ اکبر میں اسکو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے:

پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ ہدی الساری، میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں۔ تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ رہا۔ بلکہ رواۃ بخاری میں تو عباد ابن یعقوب جیسا رافضی ہے۔ جس پر کوڑے کی حد جاری کی گئی تھی۔ اور جرح میں شبہ کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں۔ خود بخاری میں بہت سے راوی ہیں۔ جن پر انواع اقسام کی بدعت کا شبہ کیا گیا اور اصول محدثین کے رو سے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کا داعی و مبلغ نہ ہو تو اسکی روایت مقبول ہے۔

نفحہ (۳) اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیا۔ مسند احمد ابن حنبل میں اس سند کیساتھ ہے۔ یعقوب، ابی، ابن اسحٰق حدثنی محمد ابن مسلم عبید اللہ الزہری، سائب بن یزید، یہاں یہ حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے۔ تو اب اس روایت پر نہ تدلیس کا اعتراض ہو سکتا ہے نہ ارسال کا۔ ایک جواب تو یہ ہوا۔

دوسرا یہ ہے:۔ کہ امام محمد ابن اسحٰق امام زہری سے کثیر الروایت ہیں۔ اور ایسے راوی کا عنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کا اضافہ کرے تو تدلیس کا احتمال ہوتا ہے مگر جب راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیر الروایت ہو تو یہ روایت متصل ہوگی۔

اور ابن اسحٰق کے بارے میں معروف و مشہور ہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کو بطور نزول

بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں۔ علی بن المدینی فرماتے ہیں۔

.محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے۔ وہ سالم ابن ابی نضر سے بنسبۃ انکے دوسرے شاگردوں کے کثیر الروایت ہیں۔ پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم ہے (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطے کبھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں۔ اوران کی روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے"

میں کہتا ہوں ۔ ابن اسحاق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں۔ مگر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا ان سے عبدالسلام نے روایت کی اوران سے امام زہری نے۔ (تو ابن اسحٰق کی یہ روایتیں لفظا عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے۔ روایت متصل ہے۔)

تیسرا جواب :۔ محمد ابن اسحٰق کی تدلیس اور عنعنہ کے بارے میں ابتک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد پر تھی۔ جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اور تدلیس کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں اور جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاً ساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہ ہے کہ تدلیس سے حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر ہے۔ اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں، اور حدیث مرسل مقبول ہے تو صرف شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔

امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایا:

.جمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں، وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں۔

اسی میں امام ابن جریر طبری سے منقول ہے۔

.کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیا ہے۔ نہ تو تابعین نے

مراسیل کا انکار کیا۔ نہ ان کے بعد ۲۰۰ھ ہجری تک کسی اور نے "

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے۔

"کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے۔ جب

فتنہ واقع ہوا تو سوال کیا جانے لگا۔ کہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرد "

میں کہتا ہوں کہ۔ امام زید جو امیر المومنین عمر فاروق کے غلام اسلم کے صاحبزادے تھے۔ ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے۔ اور اپنے قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے۔ نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہا۔ آپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا آدمی وہیں بیٹھتا ہے کہ جہاں اس کے دین کا فائدہ ہوتا ہے (تاریخ بخاری) انہیں زید نے ایک حدیث بیان کی، ایک آدمی نے ان سے کہا ابا اسامہ یہ کس سے آپ بیان کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے بھتیجے ہم سفہار کے ساتھ نہیں بیٹھتے "

یہ تابعین، مثلاً سعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی عطاء بن ابی رباح ومجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ۔ مکحول، ابواسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحییٰ بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمٰن تیمی، امام مالک، و محمد اور سفیانین۔ کیا یہ سب حضرات اس لئے ارسال کرتے تھے۔ کہ ان کی حدیثیں رد کر دی جائیں۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے۔

"صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقاً مقبول ہیں۔ اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں، یہ سب لوگ اسے مطلقاً مقبول رکھتے ہیں۔ ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئے۔ قبول نہیں کرتے "

نصول البدائع مولا خسرو میں ہے۔

"اور محدثین کا ایسا طعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے عنعنہ میں تدلیس کا طعن کہ اس میں شبہ ارسال ہے، حالانکہ خود ارسال اسباب طعن میں سے نہیں ہے"

چوتھا جواب:۔ ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ

"رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر وقت وضو کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا تو ہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کا حکم ہوا"

اس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی۔ اس کے باوجود امام شامی اپنی سیرت میں کہتے ہیں۔ "اس کی سند صحیح ہے۔ اور اسمیں اختلاف ہے، جس سے کوئی ضرر نہیں"

پانچواں جواب:۔ امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی مجھے مسواک کیلئے اتنی بار حکم دیا گیا۔ کہ مجھے ڈر ہوا کہیں یہ فرض نہ کر دیا جائے۔

امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی۔ اس روایت میں لیث بن ابی سلیم ہیں۔ جو ثقہ مدلس ہیں۔ اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں۔ منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

چھٹا جواب:۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے نظم اللآلی میں کہا۔

"ابوزبیر کی معنعن مقبول نہیں۔ اور اتصال پر محمول نہیں۔ ہاں روایت لیث سے ہو تو مقبول ہے"

محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابوزبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ جس میں ابوزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے۔ چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ:

"صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابوزبیر، جابر رضی اللہ عنہ سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے۔ جس سے دل میں کچھ شبہ ہوتا ہے"

میں کہتا ہوں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تو ان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا جبھی تو انھوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجۃ قرار دیا۔

ساتواں جواب :۔ ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بڑھیا اور بوڑھے زنا کریں تو انھیں ضرور سنگسار کرو۔

حضرت عمر نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا (الحدیث)

ابن جریر نے کہا کہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمر عن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں، پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور مستند ہے۔ اس میں کوئی ایسا عیب نہیں۔ جو اس حدیث کو کمزور کرے۔ تو اس کے ضعیف ہونے کا کوئی راستہ نہیں، کہ یہ عادل راویوں سے مروی ہے۔ البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں۔ اور انھوں نے نہ تو سماع کی بات کی نہ لفظ حدثنا کہا۔

آٹھواں جواب :۔ امام الحنفیہ، امام الفقہاء المحدثین، حافظ، ناقد بصیر، امام ابو جعفر احمد طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کتاب الحجۃ فی فتح مکہ رسول اللہ عنوۃ، میں دو حدیثیں روایت کیں۔ ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے، اور دوسری حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں ہے کہ۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی، یہ دونوں حدیثیں مکمل نقل فرما کر ارشاد فرمایا۔

کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ زہری و عکرمہ کی مذکورہ حدیثیں منقطع ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی کے ہم معنی حدیث مروی ہے۔ فہد بن سلیمان، یوسف بن بہلول، عبداللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی۔

یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کرکے فرمایا۔ یہ حدیث متصل الاسناد ہے"

حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کا حکم لفظ عن کا ہے۔ اور اس میں سماع کی تصریح نہیں۔ اور امام نووی نے تقریب میں فرمایا کہ:

"اسناد یہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے، جس کی مجلس کا حاضر باش ہو، جب تک اس سے خود نہ سنے، اور الفاظ ایسے بولے جس سے وہم ہو کہ راوی نے خود اس سے سنا ہے۔ جیسے قال فلان یا عن فلان مگر ان روایتوں میں جنکو محمد بن اسحاق نے لفظ عن سے روایت کیا ہو بے شک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناد ہیں۔ وہ امام حجۃ ہیں۔ ابواسحاق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیا ہے:

ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایا جو حضرت محمد ابن اسحٰق سے بصیغہ عن و بغیر عن مروی تھیں۔

اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا، اس حدیث کی تصحیح شمار ہوتا ہے، تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کو اپنی کتاب میں داخل فرما کر انکی تصحیح کی۔

اور استدلال بھی ایسی کتاب میں کیا جس کے واجب العمل ہونیکی تصریح خود اس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی۔ آپ لکھتے ہیں:

بے شک امیر المومنین نے (خدا انکی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی، جس پر وہ اپنی زندگی بھر جبایا خراج، عشر، صدقات اور جوال وغیرہ میں عملدرآمد کریں، اور وہ احکام واجب العمل ہوں تو میں نے انکی تعبیر اور توضیح کر دی۔

نفحہ (۴) روایت ابن اسحٰق کی تائید و توثیق اور ان کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالیٰ نے ہماری یوں کفایت کی، کہ ان کی محولہ بالا حدیث کو اس امام نے اپنی مسند میں روایت کیا۔ جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم وملائم ہو گیا تھا۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے دست کریم میں لوہا نرم کر دیا گیا تھا جن کے مجموعہ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے۔ کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو، اس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کر رہا ہے، ایسے امام نے یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرما کر سکوت کیا اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

- مقدمہ ابن صلاح میں خود حضرت ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا۔

  "میں نے اپنی کتاب میں صرف صحاح کو جمع کیا۔ یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہو"

- فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انھیں کا یہ قول منقول ہوا۔

  "اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے"

- ابوداؤد نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا۔

  "اس کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گا تو اس کا سبب بھی بیان کروں گا کہ کیونکر منکر ہے"

- ابوعمرو بن عبدالبر نے کہا۔

  "جس حدیث کو ذکر کرکے ابوداؤد نے سکوت کیا، تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے"

- امام منذری نے فرمایا۔

  جس حدیث کی نسبت ابوداؤد کی طرف کرو۔ اور ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہو۔ تو وہ ابوداؤد کے قول کے مطابق ہے۔ یعنی درجہ حسن سے تو کم نہ ہوگی، بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے۔

- ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا۔

  "امام ابوداؤد کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو، وہ ان کے نزدیک حسن ہے"

○ امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں ۔

" ابوداؤد نے جس حدیث کی تخریج فرما کر سکوت کیا، اور اس پر کوئی جرح نہیں کی، تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا۔ جیسا کہ یہ بات مشہور و معروف ہے "

○ نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں :

" ابوداؤد نے حدیث قلتین روایت کیا۔ اور اس پر سکوت فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے "

○ حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا۔

" اس حدیث پر ابوداؤد کا سکوت ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے "

○ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں :

" ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا تو یہ حدیث حجت ہے "

○ علامہ محمد ابن امیر الحاج فرماتے ہیں ۔

" ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا تو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے "

○ علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایا۔

ابوداؤد اور ان کے بعد امام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایا۔ تو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔

○ علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا ۔

" ابوداؤد کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث پر مشتمل ہے۔ اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں۔ سب سے بے حیثیت موضوع، پھر مقلوب پھر مجہول، اور ابوداؤد کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے "

○ امام بخاری نے اپنی کتاب جزء القرۃ میں لکھا۔

. علی ابن عبد اللہ نے کہا کہ میں نے ابن اسحاق کی کتابیں دیکھیں، تو سوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایا۔ اور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں، ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبد اللہ سے روایت کیا۔ بحمد للہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے۔ دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سے روایت کی۔ کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اونگھے۔ اور دوسری زید بن خالد سے کہ۔ تم میں سے کوئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔

یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے سامنے میں نے اپنے کو چھوٹا نہیں محسوس کیا۔ تو مذکورہ بالا تفصیلات سے بحمد للہ ثابت ہو گیا کہ حضرت محمد ابن اسحٰق ثقہ ہیں۔ اور اذان خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔

نفحہ (۵)

امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں ،،علی باب المسجد، اور ،بین یدیہ ،کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان دونوں ٹکڑوں کا ذکر صرف ابن اسحٰق نے کیا ہے۔ جو ایک ثقہ راوی کا اضافہ ہے۔ اور اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ،بین یدیہ کو تو تسلیم کیا جائے اور ،علی باب المسجد ، کو ترک کر دیا جائے۔ اور اس سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے اس اضافہ کو اس وجہ سے ترک کیا جائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں۔ اوروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور اسی بنا پر اس اضافہ کو ان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیا جائے۔ اور حدیث کو مضطرب قرار دیا جائے۔ اگر یہ ظلم روا رکھا جائے تو چند معدود اور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی۔ کیونکہ کون حدیث ہے۔ جو دو یا دو سے زائد طریقوں سے مروی نہیں۔ اور ہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایسا حصہ بھی ضرور ہے جو دوسرے میں نہیں۔ شاید ہی ایسا ہو گا کہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ

یکساں اور برابر ہوں۔ اور نادر کا کیا اعتبار ؟

بوجہ دیگر۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ائمہ محدثین چند سندوں کو ایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں فلاں فلاں اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیا۔ اور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں۔ تو کیا وہ لوگ مچھلی اور گوہ دونوں کو ایک ساتھ ہی ملا دیتے ہیں ؟

ثالثًا۔ قرآن عظیم کے مفسروں میں، صحابہ ہوں یا تابعین (بعد کے لوگوں کا بھی یہی حال ہے) کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکور ہے۔ تو اس واقعہ میں کچھ ایسا اضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے، تو کیا سب کے سب نے قرآن عظیم کی مخالفت کی۔ پناہ بخدا

رابعًا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

"میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا"، تو کیا پیغمبر خدا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور انبیاء سے زائد بات بتا کر ان سب انبیاء کی مخالفت کی۔ کون مسلمان یہ کہے گا ؟

خامسًا۔ قرآن شریف میں حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ کہیں کم کہیں کچھ زیادہ تو کیا قرآن شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟

نفحہ (۶) وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ "خطیب کے سامنے"، اور "مسجد کے دروازہ پر"، میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہو گی تو خطیب کے سامنے کیسے ہو گی ؟ یہ شبہ سراسر وہم کی پیداوار ہے۔ کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو

اور تمہارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازہ پر کھڑا ہونے والا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونے والا کہا جائے گا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور موذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا۔ صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ موذن اور امام میں حائل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین تمہارے آگے پیچھے ہیں۔ حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیہ" کی زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

نفحہ (۷)

اور جب "بین یدیہ" اور "علی الباب" کا تناقض ختم ہوگیا۔ تو اس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہوگئی کہ درخت بیج کے بغیر اُگ نہیں سکتا۔

لیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں دروازہ سے مراد وہ دروازہ ہے جو دیوار قبلہ میں منبر کی پشت پر تھا۔ تو خطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے موذن کو مسجد کے دروازہ پر کہدیا۔ اگرچہ موذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھا۔ مگر کھڑے ہونے والے موذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔

یاللعجب! مؤول جس دروازہ کی بات کر رہا ہے وہ اب نہیں ہے، اسے بند کر کے اب دیوار کر دیا گیا ہے وہ تو مراد ہو سکتا ہے۔ اور حقیقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے۔ اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہو سکتا۔ کیا ایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہو سکتا ہے؟ کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ نہیں۔ بلکہ یہ دیوار مراد ہے۔ اس کو تاویل نہیں کہتے۔ یہ تو تحویل ہے۔ تعطیل ہے۔ اور تبدیل ہے خصوصاً اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں، اس لئے کہ وہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت سات سال

کے تھے۔ اس حساب سے ان کی ولادت ۳ھ ہجری میں ہوئی۔ جبکہ تحویل قبلہ کا واقعہ ۲ھ ہجری کا ہے۔ تو جب وہ اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ وہ اس ان دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے۔

پھر اس تاویل میں مجاز در مجاز ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھا۔ اور اسی کے پاس منبر تھا۔ اس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گذرنے بھر جگہ تھی۔ اور منبر کے بعد موذن کھڑا ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں موذن حقیقی معنی میں دروازہ پر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حقیقی معنی میں دروازہ پر ماننے کی صورت تو یہ ہوگی موذن منبر سے آگے بڑھ قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑا ہو کر، حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اور آپکے پشت کی طرف رخ کرے۔ بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہو کر اس جگہ دیوار بنادی گئی تھی۔

نفس (۸) اور دروازہ سے مسجد کا باب شمالی مراد لینا جو منبر کے سامنے واقع تھا۔ اور علی باب المسجد کے علی کو محاذات پر محمول کرنا۔ اور مطلب یہ بتانا کہ موذن تو منبر سے متصل ہی کھڑا ہوتا تھا۔ لیکن لفظ علی باب المسجد سے اس کی تعبیر اسلئے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھا تو موذن اور دروازہ میں آمنا سامنا تھا۔ یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔

اولاً ۔ بلا قرینہ معنی بعید مراد لینا، اور ایسا کلام بولنا سامع کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے صحابی رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔

ثانیاً ۔ اس تاویل کی رو سے علی باب المسجد کا لفظ بے سود ہے۔ کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جو امام کے سامنے کھڑا ہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑا ہے۔ تو لفظ "بین یدیہ" کے ذکر کے بعد لفظ علی باب المسجد نہ تو اس پہلے معنی کی توضیح ہوئی۔

نہ تخصیص اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کا افادہ مقصود۔ کیونکہ بقول مؤول مقصد تو امام کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ دروازہ پر کھڑا ہونا نہیں۔ ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد لغو اور بے کار رہا۔ جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

ثالثاً۔ اولاً یہ تاویل خود اپنے وجود کے ابطال کی دلیل ہے، کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں، اور مخالف نے علی باب المسجد کو محاذات پر اس لئے محمول کیا کہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علی باب المسجد میں تضاد تھا۔ اور بین یدیہ کے معنی محاذات بلا حائل ہیں۔ جیسا کہ تمہاری خالہ کے ابن اخت نے اس کا اعتراف کیا، اور اب تمہاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑا ہونے والا دروازہ کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑا ہونے والا امام کے محاذی و مقابل کیوں نہ ہوگا، جب کہ دونوں کے درمیان حائل نہیں۔ تو جب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کرتی ہے۔ تو اس تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کا سامان اپنے ساتھ ہی لائی ہے۔

نفحہ (۹) اس سے بڑی[1] تاویل یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ الفاظ حدیث میں لفظ علی الباب سے پہلے واو۔ یا او محذوف ہے۔ اور مطلب یہ ہے

[1] اور اس سے بھی زیادہ بعید اعجاز الحق کا قول ہے۔ کہ محمد ابن اسحاق کی روایت میں پورا ایک جملہ مقدر ہے۔ یعنی عبارت یوں ہے۔ اذا جلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علی المنبر اذن بین یدیہ بعد ما کان علی باب المسجد آپ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو دروازہ پر ہونے کے بعد اذان آپ کے سامنے ہوتی، یعنی وہ ندا جو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی، ایسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسکو اذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلانا شروع کیا۔ جو مسجد سے دور ایک

بقیہ ص۲۱۷ پر

کہ اذان کبھی حضور کے سامنے منبر کے پاس ہوتی، اور کبھی دروازہ پر، یا مطلب یہ ہے کہ موذن بانگ دونوں جگہ دیتا۔ منبر کے پاس والی تو اذان ہوئی۔ اور دروازے کے پاس والا

بلند جگہ تھی۔ ایسا ہی ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا۔ یہ تحقیق لائق قبول ہے۔ اور اس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اٹھ جاتا ہے۔

مسمیٰ مجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے، کہ اس نے ایک لفظ کے مقدر ماننے پر قناعت نہ کی، پورا مرکب غیر مفید مقدر کر ڈالا اور یہ سوچکر کہ حدیث شریف میں یوذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لئے باب مسجد والا اعلان ہوگا۔ اور اسکو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کردیا۔

واللہ العظیم اگر ایسی ہی خرافات کلام میں جائز ہوں تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قرآن عظیم کی آیتیں پھیرنا آسان ہوگا۔ مثلاً جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے، وہ یہ کہنے لگیں گے کہ آیت شریفہ لا تقربوا الزنا (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ما تزوجتم۔ یعنی جس کی شادی ہوچکی ہو۔ وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے۔ کیونکہ شادی کرلینے والے کو زنا کی حاجت نہیں بخلاف غیر شادی شدہ کے کہ اس کے پاس بیوی نہیں ہے تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گا۔

اسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ولا تقتلو النفس التی حرم اللہ میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ما تہرم اور مطلب بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل نفس حرام کیا ہے۔ یہ ہے کہ بوڑھے ہونیکے بعد انسانوں کا قتل حرام ہے۔ کیونکہ کسی کو قتل اس لئے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا رسے نجات ملے۔ اور بڈھا ایذار پہونچانے کے لائق نہیں۔ تو اس کا قتل حرام ہونا چاہئے۔ بخلاف جوانوں کے کہ فی الوقت ایذا نہ دیں ایذا دے تو سکتے ہیں۔ اور موذی کو ایذار سے پہلے قتل کردینا چاہئے۔ اس طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے۔ جوانوں کے قتل کی نہیں ——— بلکہ خود یہ مؤول اسی مسئلہ میں قرآن کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بنا سکتا ہے مثلاً قرآن شریف کی آیت مقدسہ اذا نودی للصلوات من یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے)

بقیہ ص۲۳۳ پر

اعلان تھا۔ جو اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتا تھا۔

یہ بات خود ہی اپنا بطلان کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کفارہ ظہار کی آیت صیام شہر بن متتابعین من قبل ان یتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہینہ روزہ رکھنا ہے) میں یہ کہے کہ آیت میں لفظ من قبل کے پہلے حرف واو جو بمعنی اَوْ ہے مقدر ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینہ روزہ رکھے یا عورت سے صحبت کے پہلے روزہ رکھے۔

پھر اولاً اس تاویل کی بنا اس واہمہ پر ہے۔ کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب میں تقابل ہے۔ دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے۔ اور چونکہ یہ وہم باطل ہے۔ اس لئے اَوْ بھی یہاں تقسیم کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ اس بات کے اظہار کیلئے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں۔ یعنی جمع کے لئے ہوگا۔

ثانیاً۔ علی الباب اور بین یدیہ دو الگ الگ نداؤں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئے گا۔ کہ عہد رسالت میں نماز جمعہ کیلئے تثویب ہوتی تھی۔ اور یہ تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں ایک ہی موذن ہوتا تھا۔ جو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔

یس یہ مقدر ماننے اذا نودی للصلٰوۃ داخل المسجد لصیق المنبر من یوم الجمعۃ (جب مسجد کے اندر منبر سے متصل جمعہ کے دن اذان دیجائے) لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ـــــــ رہ گئی اس تقدیر نا معقول کی نسبت ملا علی قاری کی طرف تو یہ قطعاً غلط ہے۔ انھوں نے اس امر کی طرف نہ کنایہ کیا نہ تصریح۔ بلکہ انھوں نے ایک وہم کی بنا پر حدیث کے الفاظ میں اختلاف تصور کرتے ہوئے اپنی طرف سے چند احتمالات کا ذکر کیا۔ کہ ان مخالف الفاظ میں توفیق ہوجائے لیکن اختلاف ان کا واہمہ تھا۔ تو یہ ساری توفیقیں اسی کی پیداوار مانی جائیں گی۔ اسکی پوری تفصیل انشاء اللہ تتمہ چہارم نفحہ ہشتم میں آرہی ہے (۱۲ منہ)

ثالثاً حدیث شریف میں تو ایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونیکی تنصیص ہے۔ اس میں اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے؟ کہ دروازہ پر اذان سے مختلف کلمات میں اعلان ہوتا تھا۔ ہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر مانا جائے۔ یعنی و بعد ما کان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اعلان ہونے کے بعد سامنے اذان ہوتی۔ یا لفظ یؤذن کو ہی عموم مجاز پر محمول کیا جائے۔ جس سے ڈبل مجاز بلکہ بلا کسی قرینہ ملجۂ کے ترک حقیقت ماننا لازم آئے۔

تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے۔ جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغییر و تبدیل حدیث کرنا چاہتے ہیں۔

نفحہ (۱۰)

اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھا۔ اس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیدا کرنی چاہی جو سرے سے اس حدیث سے استدلال کو ہی ختم کر دے۔ وہ کہتا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبر کے سامنے تھا ہی نہیں۔ پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے۔ پوربی رخ پر باب جبرئیل، اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمۃ (اور شمال و جنوب میں کوئی دروازہ تھا ہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کو رد کرتا ہے۔ مسجد شریف میں تین دروازے[1] ضرور تھے۔ مگر اور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یوں ہے۔ پوربی جانب باب جبرئیل پھر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا۔ پچھم طرف باب الرحمۃ پھر اسی طرف امیر المومنین نے باب السلام قائم فرمایا۔ شمالی جانب باب ابی بکر پھر اسی طرف

---

[1] ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں۔ اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انھیں مقامات پر نہیں جہاں تھے۔ بلکہ مسجد کی توسیع کے بعد انھیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے۔ (منہ غفرلہ)

امیرالمومنین نے ایک دروازے کا اور اضافہ فرمایا۔ عالم مدینہ حضرت سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصۃ الوفا میں اس کی تصریح فرمائی۔ پھر باب شمال کے لئے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں۔ بخاری شریف باب الاستسقاء کی یہ حدیث کافی ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے، جو منبر کے سامنے تھا۔ ایک جمعہ کو آیا۔ آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے (الحدیث)

نفحہ (۱۱) یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہاں دو سنتیں ہیں۔ جس میں ایک کا تعلق خاص اذان خطبہ سے ہے۔ یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کا اس کے سامنے ہونا ہے۔ اور ایک عام سنت ہے جو ہر اذان کو عام ہے۔ وہ اذان کا حدود مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہونا ہے نہ کہ خاص مسجد کے اندر، اس کی تصریح ان فقہاء کے نصوص میں ہے۔ جن کا نام ہم بیان کر چکے ہیں، اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس حدیث میں، ان دونوں ہی سنتوں کا بیان کیا ہے۔ کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے ہوئی۔ اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہوئی۔ اور دروازۂ مسجد کی حد پر ہوتا ہے۔ مسجد کے اندر نہیں۔ لیکن اذان کی سنت میں دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اہمیت صرف منبر کے سامنے ہونیکو ہے۔ اگر کسی مسجد میں منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ دروازہ ڈھونڈ کر وہیں اذان دی جائے۔ بلکہ خطیب کے سامنے حدود مسجد اور صحن مسجد میں ہوگی۔ اس سے دو سوالوں کا جواب ہوگیا۔ جو اکثر کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ علماء نے اس اذان کی سنتوں میں اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا،

جواب۔ یہ ہے کہ اس لئے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں غیر مقصود ہے۔ اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے ہی ہے۔ جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوار ام زید کا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سطح بیت نوار ام زید پر اذان دیتے تھے۔ تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان میں

سنت یہ ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو۔ اور کوئی شخص منارہ یا دروازہ کے اوپر کھڑا ہو کر دے تو سنت کے مخالف ہے تو غلط ہے۔ کیونکہ اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہو، نہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر۔

دوسرا سوال یہ کہ۔ فقہا اس اذان کے لئے خارج مسجد ہونیکی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو۔

جواب یہ ہے کہ۔ خاص باب جمعہ میں ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذان جمعہ کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے۔ اس لئے علماء نے اسکو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیا۔ ہاں خطیب کے سامنے ہونا اذان جمعہ کے ساتھ خاص تھا۔ تو اس کو باب جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کو شامل تھی اصولاً اس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہئے تھا، فقہائے امت نے ایسا ہی کیا۔

یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کو تسلیم کیا جائے۔ ورنہ ہمارے علمائے کرام نے ابوابِ جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھا۔ انشاء اللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفحہ ۱۲ اور جب ہر طرف سے عاجز آگئے تو کہا کہ لوگوں نے اس حدیث کی پرچاہی نہیں کی، تو یہ متروک العمل رہی مگر یہ بات ایسے شخص کی ہوسکتی ہے جو عوام کے درجے سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہوسکا۔ کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہئے جہاں اس کا ٹھکانہ ہو۔ اور دوسری جگہ نہ ملنے میں کوئی شکایت نہیں۔ اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے۔ ورنہ علماء تو

اس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے۔ اور اس پر اعتماد کرتے رہے۔

تفسیر خازن میں ہے۔

(جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے علاوہ اور اذان نہیں تھی۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے تو ان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی۔ (اھ مختصرا)

تفسیر کبیر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول (جمعہ کے دن جب نماز کے لئے اذان دیجائے) یعنی ندا رجو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے۔

یہی مقاتل کا قول ہے۔ اور ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی۔ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتے۔ ایسا ہی ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی تھا۔

تفسیر کشاف میں ہے:

(سورۂ جمعہ کی آیت میں) ندا سے مراد اذان ہے۔ کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دیجاتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی موذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا۔ خطبہ کے بعد آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے

اور لوگوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا۔ اور دور دور تک مکانات ہو گئے۔ تو آپ نے ایک موذن کا اور اضافہ فرمایا۔ اور اسے پہلی اذان کا حکم دیا۔ جو آپ کے گھر موسوم بہ زورار پر دیجاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا) اور آپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے موذن اذان دیتے۔ پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔

در شفاف لعمر بن الہادی میں ہے۔

آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ہی موذن تھے۔ جو آپ کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازہ مسجد پر اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔

نہر الما، من البحر المحیط لابی حیان میں ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی۔ اور جب خطبہ کے بعد آپ اترتے تو نماز قائم ہوتی۔ ایسے ہی صاحبین کے عہد تا ابتدا ء عہد عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتا رہا۔ پھر آپ کے ہی زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی۔ لوگ زیادہ ہو گئے اور مکانات دور تک پھیل گئے تو آپ نے ایک موذن کا اضافہ فرمایا۔ اور انھیں حکم فرمایا کہ پہلی اذان آپ کے مکان زورار پر دیں۔ پھر جب آپ منبر پر بیٹھتے تو موذن دوسری اذان دیتا۔ پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ اس اضافہ پر کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔

تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں ایک ہی موذن تھا جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا۔

تجرید کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے ۔

حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک موذن تھا ۔ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا ۔ اور آپ جب منبر سے اترتے تو نماز قائم فرماتے ۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے ۔

ندا اول وقت ظہر میں اذان ہے ۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک موذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا ۔ (الخ موافق تفصیل کشاف)

تفسیر خطیب و فتوحات الٰہیہ میں ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ۔ جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان دیجائے ،، اس ندا سے وہ اذان مراد ہے ۔ جو امام کے منبر پر بیٹھنے پر دیجاتی ہے ۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ تھی ہی نہیں ۔ ایک ہی موذن تھا ۔ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پر اذان دیتا ۔ اور جب آپ منبر سے اترتے تو نماز قائم ہوتی پھر ابوبکر و عمر اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کوفہ میں اسی پر عامل رہے ۔ مدینہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہم میں آبادی بڑھی ۔ اور مکانات دور دور تک پھیل گئے ۔ تو انھوں نے ایک اذان اور زائد کی ۔

کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے ۔

اذان اول حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتا ۔ اور اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی ۔

شمامہ ثانیہ از صندل فقہ

نفحہ (۱) اللہ تعالیٰ کے لیے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں۔ وہ بھی صیغہ نفی کے ساتھ جو ممانعت میں نہی سے زیادہ موکد ہوتا ہے۔

خانیہ[۱]، خلاصہ[۲]، خزانۃ المفتین[۳]، شرح نقایہ لعلامہ عبد العلی[۴]، فتاویٰ ہندیہ[۵]، تاتارخانیہ[۶] مجمع البرکات[۷] میں ہے۔

"مئذنہ پر اذان دینا چاہئے۔ یا مسجد کے باہر، مسجد میں اذان نہ دی جائے۔"

بحر الرائق[۸] شرح کنز الدقائق میں خلاصہ کے حوالے سے ہے۔

"مسجد میں اذان نہ دی جائے"

شرح[۹] مختصر الامام طحاوی، للامام اسبیجابی اور مجتبیٰ، شرح[۱۰] مختصر للامام قدوری میں ہے

"اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں یا منارہ پر"

بنایہ[۱۱] شرح ہدایہ لامام عینی میں ہے۔

اذان نہ دی جائے مگر صحن مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

غنیہ[۱۲] شرح منیہ میں ہے۔

"اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہو اور اقامت مسجد کے اندر[۱]۔"

---

[۱] ناحیہ، رکن، اور جانب سب کے معنی ایک ہیں۔ قاموس میں ہے۔ ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں، مصباح

نظم[۱۳] امام زندویسی ۔ شرح[۱۴] نقایہ لشمس قہستانی ، حاشیہ[۱۵] مراقی الفلاح للعلامہ سید احمد طحطاوی میں ہے ۔

" مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے "

غایۃ[۱۶] البیان شرح ہدایہ لعلامہ اتقانی ۔ فتح القدیر[۱۷] شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے ۔

مصنف امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ رمکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے)
اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود و معروف
نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہونا ضروری ہے ۔ اور اذان مئذنہ پر اور مئذنہ
نہ ہو تو مسجد کے صحن میں ۔ ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی ۔

اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں خطبہ جمعہ کے لئے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا ۔

" کافی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی ۔ کہ خطبہ اور اذان دونوں ہی مسجد کے اندر
خدا کا ذکر ہیں ۔ جن کیلئے طہارت سنت ہے ۔ مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد ہے
کیونکہ اذان داخل مسجد مکروہ ہے "

میں ہے (جانب (الناحیہ) جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے ۔ تاج العروس میں ہے ۔ " پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے ۔ اور ہر شے کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے ۔ جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے ۔ یا اس کے ساتھ قائم ہوتا ہے ۔ یہ لفظ علیحدگی اور جدائی کے معنی دیتا ہے ۔ جیسے جانب دوری انفصال کے معنی دیتا ہے ۔ اور کعبہ شریف کے دونوں رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جا سکتا ہے ، کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں ۔

اور خلاصۃ الوفا میں ذکر کیا ہے ، کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)

یہ انیس نصوص ہیں، اور بیسویں نص امام ابن الحاج مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی، اور بتایا کہ مطلقاً سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے: تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہو گئے۔ اور ان سے پہلے کے صحابہ و تابعین بھی۔ مدخل کی عبارت یہ ہے۔

"مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گذر چکا کہ اذان کے لئے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کا دروازہ، اور منارہ، اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے اول یہ کہ گذشتہ بزرگان دین مسجد کے اندر اذان نہیں دیتے تھے۔ الخ

یہ کل بیس نصوص ہوئے۔

نفع (۲) یہ نصوص اپنے عموم و اطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں۔ اور اصول فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہے۔ اور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لا یوذن فی المسجد عام ہے۔ اور باقی اقوال مطلق ہیں۔ جن میں تخصیص و تقیید کا کوئی اثر نہیں تو ان کو اپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔

اور جن عبارتوں میں مئذنہ کا ذکر ہے۔ تو وہ خطبہ کی اذان کو اس حکم سے نکالنے کیلئے نہیں اولاً۔ اس لئے کہ صدر اول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اور ان کے سامنے اذان جمعہ کیلئے یہ چبوترے بنائے۔ جیسا کہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جا سکتا ہے (اور ان کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تو اذان جمعہ کیلئے یہی مئذنہ ہوئے۔ اور ان پر اذان، اذان علی المئذنہ ہوئی، تو اس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو تو صحن مسجد میں ہو۔ اذان جمعہ بھی داخل رہی۔

ثانیاً۔ (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہئے نہ ہو تو صحن مسجد میں دی جائے) مطلق یا عام

(اذان) کے لئے ایک حکم مردّد ہے ۔ اور ایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہو، اور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔

(اس تشریح کی رو سے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنج وقتہ ہو یا اذان خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیئے ۔ (لائق اذان) مئذنہ ہی نہ ہو ۔ یا اس پر اذان نہ ہوسکی تو صحن مسجد میں ہو ۔ پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا)

(اعتراض) فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنج وقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو ۔ کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لئے ہے ۔ اذان جمعہ تو بعدم محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے)

(جواب ۔) ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے ۔ " اما الاذان فعلی المئذنۃ وان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد " پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا ۔ اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی ۔ اذان نہ ہونے کی دو صورت ہے ۔ اول ۔ اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھا ۔ مگر موذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی ۔ یہاں عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک موذن ہے ۔ اور دوسری صورت یہ کہ موذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھا ۔ لیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لئے نہ دے سکا کہ شریعت نے اسے روک دیا، کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں ۔ اس لئے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان موذن کو اذان سے کف و منع کیوجہ سے ہے ۔ ان میں پہلی صورت اذان پنج وقتہ میں ہے ۔ اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں ۔ اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کیلئے حکم یہی ہے ۔ اذان صحن مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوا ۔

اور دوسرے نسخہ کی رو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تو اذان صحن مسجد میں ہوگی مئذنہ نہ ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں۔ عدم حسی، اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدم حسی ہے۔ اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات میں نہ ہو تو عدم شرعی کی صورت ہے۔ اور حکم مذکور کا مدار عدم شرعی ہے۔ اور جب متعارف سارے عدم محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لئے شرعًا معدوم ہیں۔ تو حکم مذکور اذان جمعہ کے لئے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو۔ تو بہر تقدیر اس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی۔ وللہ الحمد۔

اور اگر کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں۔ تو بر سبیل تنزل گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے۔ چنانچہ اپنی اسی عبارت میں مذکور بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ قالوا کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔ فرمائے ہیں قالوا لایوذن فی المسجد فقہا کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائیگی۔ اور یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ لایوذن فی المسجد کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو شامل ہے۔ لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ جملہ کو پنج وقتہ اذان کیلئے مخصوص مان لیا۔ تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لایوذن فی المسجد کہہ دیتے۔ تو یہ وہم ہو سکتا تھا۔ کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنج وقتہ) کیلئے ہے جس کا ذکر جملہ سابقہ میں ہے۔ لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا۔ اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علاحدہ جملہ کر دیا۔ تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہو گیا۔ اور یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ یہ ایک علیحدہ حکم جملہ اذانوں کے لئے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے۔ بزرگوں کے کلام میں ان دقائق کی طرف رہنمائی صرف توفیق الہٰی کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق بخشے۔ آمین۔

نفحہ (۳) اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالوا کا

قاعدہ ظاہر ہوا۔ بقیہ عبارتوں میں لفظ قالوا نہیں ہے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ماسبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں۔ نہ یہ سب[1] کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے۔ جیسا کہ کلام علماء کے تتبع و تلاش سے ظاہر ہوا۔

ردالمحتار[2] میں بے وضو آدمی کے حدیث و فقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا۔

خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا۔ اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر، فقہ اور سنت کی کتابوں کو چھونا۔ تو اس عبارت میں لفظ قالوا کہکر سابقہ حکم کی تائید ہی کی،

نہر الفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا۔

بالغہ کی شادی غیر کفو میں کر دی گئی۔ اسے خبر ہوئی تو وہ چپ رہی۔ یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں ہے۔ اور امام صاحب کے قول پر رضامندی ہے۔ بشرطیکہ شادی باپ دادا نے کی ہو۔ درایہ میں اول کو لفظ قالو سے بیان کیا ہے

اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثبات مدعا کیا ہے۔ کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسہ سے فصل جائز نہیں) اور قالو لا یوذن فی المسجد سے اسکی تائید کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسکی مخالفت اور تبری کے درپے ہیں (تصدیق کیلئے ہدایہ کا یہ مقام اور اسکی وضاحتیں ان دونوں اماموں کا قول یعید کذا وھو کذالک شرعا دیکھا جائے)

اور دوسرے قول میں کا نی کے قول۔ ھو ذکر اللہ تعالیٰ فی المسجد کی تاویل

[1] اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کے زیادتی کی نسبت امام قاضی خاں کی طرف کی غلط کیا جیسا کہ انکی عبارت سے پتہ چلا۔ منحنار بہ۔

[2] یہاں اعلیٰحضرت نے غالباً طحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی۔ عبد المنان۔

میں فرمایا اسے فی حدودہ۔ اور بغیر لفظ تالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے تو یہاں بے تالوا کے تبری اور اظہار خلاف کے لئے یہ جملہ ہوا۔ تو حق واضح ہوا۔ اور حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ثابت ہے۔

نفحہ (۴) یہ بات کسی علم وعقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے۔ خود حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت مبارکہ (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ جس نے ذرہ برابر بھلائی کی اس کا بدلہ پائیگا) میں برتا۔ اور آپ کے بعد صحابہ وائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنا دستور العمل بنایا۔ اگر ہر خاص کے ثبوت کے لئے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے۔ تو شریعت معطل ہو جائے گی۔ اور انسان بے مقصد کھٹکتا پھریگا۔ حالانکہ شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں۔ کہ سب لوگ اس پر عمل کریں۔ اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام سے حکم لاؤ۔

تو یہ جاہل دیوبندی اور مسئلہ اذان میں ان کی اتباع کرنے والے سنی جہلاء کس درجہ ناسمجھ ہیں۔ جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کو ممانعت اذان کی کوئی ایسی حدیث دکھاؤ۔ جس میں خاص طور سے اذان خطبہ کا ذکر ہو۔

اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دینے کا حکم اذان کے باب میں ہے۔ جمعہ کے باب میں نہیں۔ اسلئے یہ حکم اذان جمعہ کیلئے نہیں ہوگا۔ اس کا تفصیلی جواب تو لفحات حدیثہ کے گیارہویں نفحہ میں گذرا۔ اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گذارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذان جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں۔ جو باب جمعہ میں مذکور ہیں۔ مثلاً اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں۔ گو صرف باب اذان میں ہی

ان کا ذکر کیوں نہ ہو۔ سب کے سب اذان جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے۔ تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذان جمعہ کے لئے کافی نہ ہو۔ تو جمعہ کی اذان میں ان پر عمل درآمد کی کیا سبیل ہوگی؟ یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے خطبہ جمعہ باوضو مسنون فرمایا۔ اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا۔ کہ جیسے اذان کے لئے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لئے بھی۔ اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لئے شرط ہونا ہے۔ یہ بات غلط تھی اس لئے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا۔ جس کو امام نسفی نے اپنی کتاب کافی میں متعین طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اور اس کی اذان کے درمیان علت مشترک ان کا ایسا ذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے۔ اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہو رہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والا ذکر نہیں۔ یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ تو ان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکر مسجد کہنے کا مطلب قلب مسجد نہیں ہے، حدود مسجد ہے۔ اور اذان خطبہ اندرون مسجد نہ ہوتی ہو۔ حدود مسجد میں تو ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ذکر مسجد کہنا صحیح ہے۔ تو اذان خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہئے۔

نفحہ (۵) یہ مسئلہ کتب نوازل کا نہیں ہے۔ نہ اسے مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ حضرات ائمہ۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذہب میں شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تو مسئلہ کے ساتھ ان کا نام ضرور لیتے ہیں۔ چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے۔ اونگھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خاں نے فرمائی۔ اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب

نہیں ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے۔

تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم کی طرف منسوب نہیں اس لیے قابل قبول نہیں۔ اس کا مقصد دو باتیں ہیں۔ عام مسائل شرعیہ و فتاویٰ جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہو۔ ان سے امام کی نسبت مرتفع ہو جائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی طرف منسوب ہوں ان کا رد و ابطال ہو۔ کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوئے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں۔ ان کے رد و ابطال میں کون سا تردد، کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہو جائیں گے۔ جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے۔ تو ان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی؟ جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کئے بغیر روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

نفحہ (۶) جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی۔ تو سوچا کہ اذان خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کر دیں۔ تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہو جائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پا جائیں۔

تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے۔ اور اقامت مسجد میں موجود رہنے والے مصلیوں کو اطلاع ہے۔ جیسا کہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا۔ اذان غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے۔ اور الحدادی نے سراج الوہاج اور علامہ بحر نے بحر الرائق میں تحریر کیا ہے۔

پس یہ لوگ اذان خطبہ کو حاضر مصلیوں کی اطلاع مانتے ہیں۔ غائبین کا بلاوا نہیں تسلیم کرتے۔ اور اذان خطبہ اذان کے الفاظ ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں جیسے وہ اذان جو نومولود کے کان میں کہی جاتی ہے۔ غمزدہ انسان کے لئے یا مسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دور کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اور دفن میت کے وقت منکر نکیر کا جواب یاد دلانے کے لئے اور شیطان کو بھگانے یا دیگر اغراض کے لئے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضری مسجد یا دخول وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا اندفاع ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک[1] جاہل کہتا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے۔ تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے۔ اس مسکین کو معلوم نہیں کہ یہ اجماع امت و تصریح قرآن کا انکار ہے۔ کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ کوئی اذان نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو جمعہ کے دن اذان دیجائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو۔ یہ مسجد کی طرف سعی کا حکم غائبین کے لئے ہی تو ہے یہ بھی فرمایا کہ بیع و شرا چھوڑ دو۔ بیع و شرا تو بازار میں ہوتی ہے مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لئے بلانے کے لئے ہی ہوتی تھی۔ اور یہی اذان شرعی واصطلاحی ہے۔ اور مکہ کی نماز نزول اذان سے قبل ہوئی تو کوئی مومن اس پر نماز جمعہ کو قیاس نہیں کر سکتا۔

اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابین رضی اللہ

---

[1] یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہو سکا۔ عبد المنان۔

تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہوگئی تو جب پہلے زمانہ میں اعلان تھی۔ تو باب مسجد پر ہونا ہی مناسب تھا۔ اور عہد عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کے لئے خاموش کرنے کے واسطے ہے تو اس کا مسجد کے اندر منبر کے قریب ہونا ہی مناسب ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے۔ کہ یہ بھی ہمارے علمائے کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔

(۱) سارے ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کیلئے دو اذانیں ہیں۔

(۲) جنبی کی اذان دہرائی جائے گی۔ اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔ دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے۔ اقامت کی نہیں، ہدایہ میں اس کی تصریح ہے۔ اور تکرار اذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی، تبیین، عنایہ اور درمختار میں ہے۔

" اذان کی تکرار فی الجملہ مشروع ہے "

یہاں تک پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے۔ آگے کافی میں فرماتے ہیں " اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں، تبیین میں صرف یہ ہے " اقامت کا یہ حکم نہیں " عنایہ میں ہے " بخلاف اقامت کے، اور درمختار کی عبارت یوں ہے " اذان کی تکرار جمعہ میں مشروع ہے۔ نہ کہ اقامت کی تکرار "

پس اذان ثانی اگر اذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تو اس کی تکرار کس طرح ہوگی؟

(۳) علامہ بحر نے اپنی کتاب بحرالرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی

" اس لئے کہ اذان کی تکرار شرعاً جائز ہے۔ جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ غائبین کے اعلان کیلئے ہے۔ تو اس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تو اب سن لے گا۔ البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں "

(۴) اذان خطبہ کے اذان ہو کر اذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پوری ہوگئی۔ تو اب اذان خطبہ کی اس کے لئے ضرورت ہی نہیں رہی۔ تو یہ اذان نہ رہی۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرما کر یہ کہا کہ اب اذان خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کا کام لیا جائے گا۔

● پہلی بات تو باطل ہے، کہ تثویب بھی تو اعلام بعد الاعلام ہی ہے۔ جسے متقدمین نے مکروہ کہا۔ اور متاخرین نے مستحسن گردانا۔ تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کر دیا۔ اعلام تکرار کا امکان رکھتا ہے۔ اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہو سکتا نہ مکروہ۔ پھر اس کے رد کے لئے صاحب بحرالرائق کا کلام ہی کافی ہے۔

● دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بری اور گندی بھی ہے۔ کہ امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور سید کائنات صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت بدل ڈالی۔ پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سنتوں میں اضافہ تو کر سکتے ہیں۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔ جمیع اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔ آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالیٰ نے انھیں محفوظ رکھا۔ تم نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا؟ آپ فرماتے ہیں۔

چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی۔ اور ہر نبی مجاب الدعواۃ نے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت کا بدلنے والا ہے۔

اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین سے۔ حاکم نے ام المومنین اور امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ اور طبرانی نے کبیر میں عمر بن شفوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ سبعۃ لعنتھم وکل نبی مجاب روایت فرمایا۔

پس ان لوگوں کی کیسی بوالعجبی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تغیر سنت کی نسبت کا انکار کرنے والوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔ اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں

کہ آپ کی طرف تغیر سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے۔ اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔

● دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کر دیا۔ کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔ یا انھوں نے موذن کو حکم دیا تھا کہ اس اذان میں تخفیف کرے۔ یا اس کو پست آواز سے کہے۔ یا آپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افترا کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔

"اس پر کان بھی نہ دھر جس کا علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ، دل سب سے پوچھا جائے گا۔"

● اس پر یوں بھی غور کرنا چاہئے کہ عہد رسالت کی اذان خطبہ اگر حسب سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لئے اس میں کچھ ایسا تصرف ناروا ضروری تھا۔ کہ اس سے اعلام کا فائدہ ختم ہو جائے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ تو دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو دور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا۔ تو اذان ثانی کو عہد رسالت اور عہد صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لئے باقی رکھنے میں (کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سن کر تو مسجد میں ضرور آ جائیں گے۔) کیا حرج تھا؟ کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کر دیتے۔ تو اس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذالنورین کی طرف کرنا۔ ان پر یہ الزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنت بدلی، فائدہ شرعیہ گھٹایا۔ اور دینی مصلحت توڑی۔ ورنہ اتنا تو ہے ہی کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔ اور ہدایہ میں ہے کہ العبث حرام ۔ ایک لغو فعل ہوا اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے ۔ وہ لوگ لغو سے پرہیز کرتے ہیں،

نفحہ (۷) ہماری گذشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اذان ثانی کو اب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لئے خموش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ

نص، حرمت صحابہ، اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوص فقہاء کے خلاف و مصادم ہے تو اب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات، لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیا۔ اور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں۔ پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پر ایک تفریع باطل لگا دی، کہ لہذا مناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو، حالانکہ اس اذان کی غرض اِسکان سامعین مان بھی لی جائے۔ تو اس اذان کے زیادہ ضرورت مند حصہ صیفی و بیرونی صحن کے لوگ ہیں۔ اندرونی دالان کے لوگ تو امام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خموش ہو جائیں گے۔ ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے۔ تاکہ جو لوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہو جائیں۔

اس اذان کو اقامت پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ اس کا مطلب تو جماعت کے لئے صف لگانے کا ہے۔ اور صف کے لئے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

" پہلے پہلی صف مکمل کرو پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد اور جو کمی ہو تو آخری صف میں ہو،

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند، امام نسائی، ضیاء مقدسی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا (اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کر دیا ہے)

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اقامت تو پہلی ہی صف میں ہونی چاہیے۔ اور اذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں۔

نفحہ (۸) کچھ طلبہ ائمہ دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے، یہ کہکر توڑنا چاہتے ہیں، کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

" ہر دو اذانوں کے بیچ میں اس کے لئے نماز ہے جو پڑھنا چاہے "

حالانکہ اقامت کا مسجد کے اندر ہونا ہی ضروری ہے ۔ تو فقہا کا یہ حکم کلی نہیں رہا، اور اقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جا سکتی ہے ۔

ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیباً ہے ۔ یا بطور عموم مجاز، امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں ۔

اذانین سے مراد اذان و اقامت ہے ۔ جیسا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو عمرین کہا جاتا ہے ۔ اصطلاح بدیع میں اسکو تغلیب کہا جاتا ہے ۔

مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے ہے ۔

. اذانین سے مراد اذان و اقامت دونوں ہیں ۔ اور یہ تغلیب ہے :۔

زرقانی میں ہے ۔

. شریعت کے نزدیک اذان اقامت سے الگ ہے :

عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا ۔

. اقامت کو اذان اس لئے کہ دیا کہ اعلان ہونے میں دونوں شریک ہیں ،

زرقانی نے فرمایا ۔

.ان دونوں میں تغلیب نہیں ۔ اس لئے کہ اذان لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے" اور اقامت میں دخول وقت کا اعلان ہوتا ہے ۔ تو ان دونوں میں عام و خاص کا فرق ہے ۔ اور دونوں کے لئے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے ،

ایک مرجوح اور مخالف روایت (الاقامت احد الاذانین) اقامت دو اذانوں میں سے ایک ہے ۔ اس کو جواس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے ۔ تو وہ ایسا ہی ہے ۔ جیسے اہل زبان کا مقولہ ہے القلم احد اللسانین قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے ۔ اسی لئے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہا ۔ کہ اذان و اقامت دونوں ہی ذکر معظم ہیں جیسا کہ القلم احد اللسانین کی تفسیر

کی جاتی ہے کہ دونوں ہی مافی الضمیر کو بیان کرتے ہیں ۔

ان دونوں میں مغایرت پر دلالت کرنے والی ، ہدایہ ، کافی ، ذیلعی ، اکمل ، درر ، اور بحر کی عبارتیں ہیں کہ " اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں " انھیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ " جنبی کی اذان دہرائی جائے ۔ اور اقامت نہیں دہرائی جائے گی " ۔ بحر الرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ " اگر اذان کو اقامت کی طرح ادا کیا ۔ تو اذان دہرائی جائے ۔ اور اگر اقامت کو اذان کی طرح کہا تو نہ دہرائی جائے " کیونکہ تکرار اذان مشروع ہے ۔ تکرار اقامت نہیں ۔ اسی میں محیط سے ہے کہ " اگر اذان کو اقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں ۔ اور اگر اقامت کو اذان قرار دیا تو استقبال قبلہ کرے " ۔

اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان و اقامت کا فرق ہے ۔ ان سب ارشادات کا حاصل یہ ہوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعویٰ کوئی سمجھدار آدمی نہیں کرسکتا ۔ ہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے ۔

نفحہ (۹)

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے ۔ مسجد کی دو اطلاقات ہیں ۔

الف ۔ زمین کا وہ حصہ جو نماز کے لئے وقف کیا گیا ہو ۔ مسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں ۔ اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں ۔ کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں ۔ جیسے کہ اطراف وحدود ۔ پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں ۔ اسی طرح اذان کے چبوترے ، مینارے ، حوض اور کنویں حدود مسجد یا جوف مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجدیت سے قبل بنائے گئے ۔ تو مسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہوجانے کے بعد اگر ان چیزوں کو مسجد میں بنایا ۔ تو یہ وقف کو بدلنا ہوا جو جائز نہیں ۔ واقف نے وقف کی ضرورت کے لئے اس کی شرط لگائی ہو تو اور بات ہے ۔ اور مسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے ۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام

المسجد میں ہے۔

" اگر مسجد کے اوپر امام مسجد کے لئے کمرہ بنایا تو کوئی حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں ہے، لیکن مسجد مکمل ہوگئی ہو تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے سے ہی کمرہ بنانیکی تھی اس کی تصدیق نہ کیجائیگی "

تاتارخانیہ میں ہے۔

" جب خود واقف کا یہ حال ہے، تو دوسرے کا کیا۔ ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہو۔ اسکو بھی ڈھادینا چاہئے۔

(ب) اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے، تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ (مسجدیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے۔

امام احمد، دارمی، ترمذی نے اسکو تخریج کیا۔ اور ترمذی نے حسن کہا۔ ابن ماجہ، ابن خزیمہ ابن حبان و حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے۔

" کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اس کی عادت بن چکی ہو۔ تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے "

مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے۔ تو وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو۔ جیسا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی۔ جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اور اس دوسرے معنی پر ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ لھدمت الصوامع والبیع۔ (تو البتہ یہود و نصاریٰ کے صوامع اور عبادت خانے ڈھادیئے جاتے) اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے۔

(ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے۔ اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا۔ اسی لئے تو معتکف کو اس میں جانا جائز ہے۔ اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے۔ بدائع اور شامی میں ہے۔

معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے۔ جس کا دروازہ مسجد سے خارج ہو، کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے۔ اور وہاں پیشاب و پیخانہ منع ہے۔ تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا اھ "

اسی لئے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سن کر کہتے ہیں۔ کہ فلاں مسجد میں اذان ہوگئی۔ حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے۔ اور چونکہ یہ محاورہ عرب و عجم میں شائع ذائع ہے کہ اذان منارہ سن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوگئی۔ اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو آپ نے فرمایا تھا۔

جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں اذان دینا سنت ھدی ہے۔ (مسلم)

اور فقہاء کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ۔

مسجد میں اذان ہو چکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے۔

اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ اذان اصل مسجد میں مکروہ ہے۔ وصف مسجد میں نہیں۔ اور تبع مسجد میں بھی نہیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے۔ اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے، معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔ یہی حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بھی مفاد ہے۔

کان الاذان علی باب المسجد اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی۔

ابوالشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا،

دوسری حدیث میں انھیں سے ہے ۔

. کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا (الحدیث) ۔

مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کرآئے ہیں کہ ۔

. اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر، یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہیے،

ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے ۔

(۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنویں کی منڈیر پر، حوض کی کگر پر، اگرچہ یہ چیزیں مسجد کے اندر ہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ابتدار سے ہی مسجد سے مستثنیٰ ہیں۔ تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے ۔ اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کرسکتے ہیں۔ ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لئے خاص کردی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے صحن میں کوئی حوض تھا، کنواں تھا، مسجد میں توسیع ہوئی یا مسجد کا احاطہ کیا گیا۔ (جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے۔ لیکن اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے ۔

ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے، نہ منارہ، نہ کنواں نہ حوض جیسا کہ ہم درمختار سے نقل کرآئے کہ

. تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے :

ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے۔ کہ مسجد میں کنواں نہیں کھودا جاسکتا۔ پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے۔ جیسا زمزم کا کنواں۔ خانیہ، ہندیہ وغیرہ۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جدالممتار حاشیہ درمختار و شامی میں ہے۔ اشباہ ونظائر کے باب احکام المسجد میں ہے۔

. مسجد میں کلی وغیرہ منع ہے۔ ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کیلئے مقرر ہو تو اور بات ہے،

ایسا ہی درمختار میں ہے۔ امام شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف کے قول الاما اعدلذالك پر فرمایا۔ یہی امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لئے جگہ مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں، میں نے جدالمتار میں اس پر لکھا۔ یہ شرط تو ضروری ہے ہی، یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لئے یہ جگہیں متعین کرے۔ مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لئے پیش کرنا ہے:

میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ۔ واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کیلئے کوئی گھر نہیں بنا سکتا" مسجد ہونے کے بعد اس میں ان امور کیلئے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں۔ مثلاً اس کی وجہ سے نماز کی جگہ گھر جائے گی۔ اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہوسکتی ہے۔ جب کہ حدیث شریف میں ہے۔

جس نے صفیں ملائیں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ملائیگا۔ اور جس نے صفیں قطع کیں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے گا۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح روایت کیا)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں (قطعہ) کا مطلب یہ تحریر فرمایا کہ صف سے غائب ہوکر۔ یا صف میں لایعنی کام کرکے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو۔

علمائے کرام نے مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا۔ کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا۔ ایسا ہی خانیہ، خزانۃ المفتین میں لکھا ہے۔ اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لئے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بضرورت ہے۔ اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں۔ بحرالرائق میں ہے۔

مسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں، کہ اس کی جڑیں تری چوس لیں، ورنہ درخت لگانا جائز نہیں۔

ایسا ہی ظہیر یہ و بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ منحۃ الخالق میں بحر کے قول (والاظہر) پر فرمایا۔
یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے۔ نہ اس کا باقی رکھنا۔ اور اگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس اور اس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اور دوکان بنانے کی راہ کھلے گی۔ اور اس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلاضرورت ہو مسجد میں دوکان و مکان باقی رکھنے کی راہ استوار ہو گی۔ اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی اصلی غرض فوت ہو گی۔ اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا۔ جسے آپ نے اس شخص کے رد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اسکو روا رکھا تھا۔ اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی۔ جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔
میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا۔ جو ان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا۔ بلاتوقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دوکان، چبوترہ ہو یا منارہ، خزانہ ہو یا گودام، کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اور الخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔
امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ۔
اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کر لیا ہے، یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے۔ اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لئے بعد میں بنائے گئے ہیں۔ بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے۔ کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں۔ جبکہ چبوتروں میں یہ ناممکن ہے۔ اور اسی قسم سے یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں

جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھر جاتی ہے۔ جو مسلمانوں کی نماز کیلئے وقف تھی۔(ملخصاً)
(اللہ تعالیٰ نصیحت کرنے والے اور قبول کرنے والے دونوں کو قبول فرمائے)

۲ امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکراً فی المسجد (مسجد کے اندر کا ذکر) کہا ہے۔ تو اس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے۔ جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں۔ خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے۔ اور اذان وصف مسجد میں۔ تو مسجد میں ہونا خطبہ اور اذان دونوں ہی کی صفت ہے۔ اگرچہ جگہ میں اختلاف ہو۔ اور "غایۃ البیان" اور فتح القدیر، کے قول قالوا لایوذن فی المسجد (مسجد میں اذان ممنوع ہے) اس سے مراد بھی مسجد بمعنی اول ہے۔ تو دقتِ نظر سے یہ پتہ چلیگا کہ یہی ہدایہ کے قول کی تاویل اور اس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں انکے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے۔

۳ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول "جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے" اور فقہا کے اقوال جو ذکر کئے جا چکے۔ مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں۔ ابو داؤد اور ابو بکر بن شیبہ نے عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰ سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ

عہد رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دوہرے رنگ کے کپڑے تھے۔
اس نے مسجد پر کھڑے ہو کر اذان دی

اس روایت میں لفظ قام علے المسجد ہے۔ اگر مسجد کے اندر کہنا ہوتا تو اذن فی المسجد کہتے۔ اس حدیث شریف کی اور زیادہ تشریح و توضیح حضرت ابو بکر بن شیبہ اور ابو الشیخ ابن ابی لیلیٰ کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ

۔ زید ابن عبداللہ انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑہ پہنے ہوئے
ایک منہدم دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جو اذان دے رہا تھا۔

اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبد الرحمٰن بن لیلیٰ سے روایت کی کہ، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لئے جمع کیا۔ حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی۔ صبح کو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑہ پہنے سقف پر اذان دیرہا ہے۔

اس روایت میں سقف کا لفظ ہے دوسری روایتوں میں سور، اور سطح کا لفظ گذر چکا ہے۔

④ خانیہ اور خلاصہ کی عبارت۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنالیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے۔

اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ، اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری، اس لئے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے۔ یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے مسجد مکمل ہوجانے کے بعد اسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لئے بنایا جائے۔ نہ عادت اس پر جاری۔ نہ خاموشی اس پر جائز۔

⑤ جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ ایسا ہی نظم میں ہے۔ لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد کے حکم میں ہے۔ اس میں اذان دینی چاہیے مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے، تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے۔ یعنی مسجد میں دینا کا مطلب حدود مسجد میں ہے۔ جیسا کہ امام اتقانی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ او ما فی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ کہ فنا مسجد

مسجد کے حکم میں ہے۔

ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ
"صحن مسجد کے حکم میں ہے" اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے "جدالممتار" میں لکھی ہے۔ تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں، جیساکہ قہستانی نے سمجھا۔

حضرت امام طحاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا۔ لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر چھوڑ دیا۔ اور اگر ایسا نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز کے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے یا امام جلابی ائمہ اکابر کے مقابلہ میں اکیلے ہونگے اور یہ تسلیم کرلیا جائے تو جلابی اور قہستانی کا یہ قول اختلاف کی منزل سے ائمہ کے خلاف ایک قول مرجوح رہ جائے گا۔ کہ ان کی حیثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں۔

اور یہ طے ہو چکا ہے کہ قول مرجوح کے موافق فتویٰ اور حکم جہل اور خرق اجماع ہے۔
اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کے معنی فی حدود المسجد واضح ہوگیا ہے۔

نفی (۱۰) جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے۔ تو ان میں سے بعض نے خانیہ[عہ] اور خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ "ینبغی" کا سہارا لیا۔ اور سمجھا کہ

عہ خانیہ کی عبارت یوں ہے۔ ینبغی ان یوذن علی المنارۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد مخالفین کے مغالطہ کا مطلب ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے۔ یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں۔ تو مسجد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہوئی۔ تو اگر اندرون مسجد ہی اذان کا رواج ہو گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلیٰحضرت کے پہلے جواب کا مطلب ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے۔ اور دوسرا جملہ (لا یوذن فی المسجد) اس سے خالی ہے۔ جس کا مطلب اندرون مسجد اذان کی ممانعت ہے۔ جیساکہ دیگر کتب فقہ میں لا یوذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے۔ اسکی تائید صاحب بحر کی عبارت سے ہوتی ہے۔ جنھوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالے سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبدالمنان اعظمی

معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ

اولاً ۔ دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں۔ اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ "لایؤذن" پر داخل نہیں ۔ خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی۔ اور جملہ اولیٰ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی ۔

ثانیاً ۔ لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے۔ کلام مشائخ میں یہ لفظ عام ہے۔ جیسا کہ رد المحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے ۔ انھوں نے فرمایا کہ ایسا قرآن عظیم میں بہت وارد ہوا ہے ۔ مثلاً آیت قرآنی ۔

ما کان ینبغی لنا ان نتخذ من دونك اولیاء — ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں ۔

مصباح المنیر میں ہے ۔

ینبغی ان یکون کذا معناہ یجب او یندب بحسب ما فیہ الطلب ۔ — ینبغی کے معنیٰ وجوب اور استحباب دونوں ہی حسب طلب ہو سکتے ہیں ۔

ثالثاً ۔ اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کو بھی شامل ہیں ۔ اور سنت کا معاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسا اوقات صرف معنی وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔ ہدایہ وکنز وغیرہ میں ہے ۔

من حلف علی معصیۃ ینبغی ان یحنث — جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے قسم توڑ دینا چاہیے ۔

یہاں قسم توڑنا واجب ہے۔ صاحب ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے ۔

ینبغی للمسلمین ان لا یغدروا ولا یغلوا ولا یمثلوا ۔ — مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں مال غنیمت سے نہ چرائیں۔ اور مثلہ نہ کریں ۔

یہاں ترک غدر وغلول ومثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔

ینبغی للمسلمین ای یحرم علیھم ان یغدروا او یغلوا او یمثلوا۔ — مسلمانوں کو چاہئے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر مال غنیمت کی چوری۔ اور مثلہ کریں۔

اسی طرح امام قدوری۔ اور صاحب ہدایہ وغیرہ کا قول ہے۔

ینبغی للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان — لوگوں کو چاہئے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں۔

محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

ای یجب علیھم وھو واجب علی الکفایۃ — یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے۔

اور جوہرہ نیرہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ یعنی قدوری میں لفظ ینبغی بمعنی یجب ہے۔ قنیہ میں ہے

فی استحسان القاضی صدر الشھید ینبغی للاخ من الرضاعۃ ان لا یخلوا باختہ من الرضاعۃ لان الغالب ھنالک الوقوع فی الجماع۔ — قاضی صدر الشہید کے استحسان میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کیساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہئے۔ کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلا ہونا غالب ہے۔

علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے (شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں ینبغی بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔

رابعًا۔ پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو۔ تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے۔ جو اس کے معارض ہے کہ۔ نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عمومًا وجوب فعل یا وجوب ترک کیلئے ہوتی ہے۔ امام ابن امیر الحاج نے۔ باب صفۃ الصلاۃ، مسئلہ قرأت میں فرمایا۔

مسئلة القرأة فی الاخریین ظاهر قول المصنف ۔ لایزید علیهما شیئاً، یشیر الی عدم اباحة علیهما ۔

مسئلہ قرأت رکعتین اخیرین مصنف کے قول لایزید علیهما شیئاً کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قرأت مباح نہیں ۔

اور غنیہ کے باب العیدین ہے ۔

الایری الی قوله لایترك واحداً منهما فانه اخبر لعدم الترك والاخبار فی عبارات الائمة والمشایخ یفید الوجوب ۔

مصنف کے قول "لایترك واحد منهما" کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے ۔ اور ائمہ و مشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے ۔

بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے ۔

قوله فان فعلن تقف الامام وسطهن افاد بالتعبیر بقوله تقف انه واجب فلو تقدمت اثمت کما صرح به فتح القدیر ۔

مصنف کے قول "اگر عورتیں جماعت قائم کریں تو امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو" مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے ۔ تو امام آگے بڑھ کر کھڑی ہو تو گنہگار ہوگی اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے ۔

حاشیہ خیر رملی اور منح الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسبیجابی کے قول

"اذجیٔ بالجنازة بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بها ثم بسنة المغرب "

جنازہ غروب آفتاب کے بعد لایا گیا تو پہلے مغرب کی فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں ادا کریں ۔

پر تشریح ہے ۔

الظاهر ان ذالك علی سبیل الوجوب

ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ

لتعليلهم بأن المغرب فرض عين	علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے
والجنازة فرض كفاية ولان الغالب	اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اور یوں بھی
فی کلامهم فی مثله ارادة	کہ عام طور پر فقہا کے کلام میں ایسی عبارت سے
الوجوب ۔	وجوب ہی مراد ہوتا ہے ۔

علامہ سید طحطاوی در مختار کے حواشی میں فرماتے ہیں ۔

وفيها (اى فى النهاية) لا يفعل (اى	نہایہ میں ہے کہ ڈاڑھی جب بقدر سنت لمبی ہو
الدهن) لتطويل اللحية اذا كانت بقدر	تو زیادہ بڑھانے کے لئے تیل نہیں لگانا چاہئے
المسنون وهو يقتضى ان الدهن لهذه	نہایہ کے اس قول کا تقاضا یہ ہے ۔ کہ اس نیت
القصد يكره تحريمًا لانه يفضى الى	سے تیل لگانا مکروہ تحریمی ہے کہ یہ ایک مکروہ تحریمی
المكروه تحريمًا ۔ ولو كان مكروهًا	کا ذریعہ بنے گا ۔ اور اگر یہ فعل مکروہ تنزیہی ہوتا
تنزيهيا لما عبر بقوله لا يفعل ۔	تو اسکو لفظ لا یفعل سے منع نہ کرتے

اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبیٰ ، بنایہ ، اتقان اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے)

خامسًا ۔ یہاں ایک اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم ، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان ، اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی ۔ ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے ۔

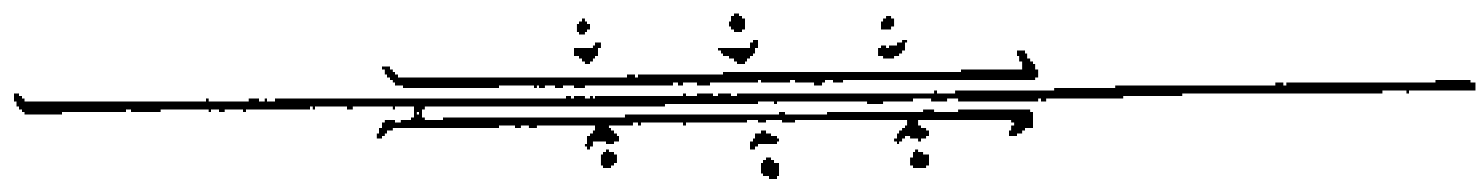
امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقۃ ندیہ" باب آفات الیدین" میں رقمطراز ہیں ۔

الكراهة عند الشافعيه اذا اطلقت	لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے
تصرف الى التنزيهية لا التحريمية	نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور

بخلاف مذہبنا۔ ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔

سادسًا۔ مسجد میں اذان دینے میں بارگاہ الہٰی کی بے ادبی ہے۔ جیساکہ ہم انشاءاللہ تیسرے شمارہ میں بیان کریں گے۔ تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔

سابعًا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لئے افضل کو بھی ترک کر دیتے تھے۔ جبکہ زمانہ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں۔ تو یہ سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے۔ اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم ازکم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریم و کراہت تنزیہہ میں دائر ہے۔ تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے۔ اور کم ازکم اتنا تو ہے جس کے ماننے بغیر چارہ نہیں۔ کہ مسجد میں اذان مطلقًا مکروہ ہے اور اہل عقل کے لئے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔



شمامة ثالثة من مسك القرآن الكريم
قرآن کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ

ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اس لئے مؤخر کیا کہ اس کا اختتام مشک قرآن سے ہوتا کہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اور اضافہ ہو۔

نفحہ (۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ واجر عظیم۔

اے ایمان والو! نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز ایسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کیلئے آزمالیا ہے ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دربار مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس

بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں۔ اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے۔ اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

اور شبہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت و اجلال کیلئے ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب و احترام تو اس سے بدرجہا اعلیٰ و اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کس نے نہ سنا؟

وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا همسا۔	قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوازیں سہمی ہونگی۔ اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سن نہ سکوگے۔

مسجد اللہ تبارک وتعالیٰ کا دربار عالی ہے۔ واللہ العظیم اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے۔ اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے۔ تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے۔

پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنا جاسکے۔ اسی لئے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی۔ ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

(۱) قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم۔	حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور خرید وفروخت اور لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو۔

ابن عدی، اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی و ابن عساکر نے مکحول سے انھوں نے

واثلہ سے اور ابوالدرداء نے ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی۔

(۲) جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم واقامۃ حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم۔

اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں، اور بے نیام تلواروں، خرید و فروخت، حدیں قائم کرنے اور جھگڑے سے محفوظ رکھو۔

عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن اسلم، عبدربہ ابن عبداللہ، مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روایت کی۔

(۳) جنبوا مساجدکم مجانینکم و صبیانکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم وبیعکم وشرائکم واقامۃ حدودکم وخصوماتکم۔

اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچوں اور آواز بلند کرنے۔ تلواریں بے نیام کرنے، بیع وشرا اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبیداللہ ابن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سند پہونچائی۔ کہ

(۴) قال من اجاب داعی اللہ واحسن عمارۃ مساجد اللہ کانت تحفتہ بذالک من الجنۃ قیل یا رسول اللہ ما احسن عمارۃ مساجد اللہ قال لا یرفع فیہا صوت ولا یتکلم برفث

آپ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا۔ اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا۔ تو بدلہ میں اسکو جنت کا تحفہ ملیگا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے۔ فرمایا اسمیں آواز بلند نہ کرو۔ اور بیہودہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔

امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) ان عمر بن الخطاب رضی اللہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

تعالیٰ عنہ بنی الی جانب المسجد رحبۃ فسماھا البطیحاء فکان یقول من ارا د ان یلغط اوینشد شعرا اویرفع صوتا فیخرج الی ھٰذہ الرحبۃ۔

مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی۔ جسے بطیحا ء کہا جاتا۔ توآپ فرماتے جسے بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو، یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں جائے۔

امام ابن مبارک وابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعد ابن ابراہیم عن ابیہ روایت کی۔

⑨ قال سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوت رجل فی المسجد فقال اتدری این انت اتدری این انت کرہ الصوت۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے۔ آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔

اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔ اور فقہا نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثنا ہے۔ ایسا ہی درمختار وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے۔

توجب ذکر الٰہی کا یہ حال ہے۔ تو اذان جو خالص ذکر بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں حیعلتین تو نماز کا بلاوا ہے۔ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا۔

فان قلت الاذان ذکر فکیف تقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشئ غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی مالا یخفی انما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر۔

اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اسکو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ہوتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں۔ ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں۔ اسی کا لحاظ کرکے اسکو ذکر کہا جاتا ہے۔

کنز کے قول ۔ کلمہ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ و فلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں ۔ کی تشریح میں بحر الرائق نے محیط سے نقل کیا ۔

لانه حالة الذكر والثناء على الله تعالى والشهادة له بالوحدانية ولنبيه على الله تعالى عليه وسلم بالرسالة فالاحسن ان يكون مستقبلا فيه فاما الصلوة والفلاح دعاء الى الصلوة واحسن احوال الداعى بان يقبل على المدعوين ۔

اذان میں کلمہ شہادتین حالت ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اور اس وقت استقبال قبلہ ہی مناسب ہے ۔ اور صلاۃ و فلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے ۔ تو اس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو ۔

پس جب صورت حال یہ ہے ۔ اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں ۔ تو اذان مسجد ممنوع ہو گی ۔ ہمارا یہی کہنا ہے ۔

نفحہ (۲)

اللہ تبارک و تعالیٰ ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے ۔

فاذا فريق منهم يخشون الناس كخشية الله او اشد خشية۔

ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کیطرح ڈرتا ہے ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

فالله احق ان تخشوه ان كنتم مومنين

حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہئے ۔

اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے ۔ خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے ۔ اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے ۔ تو دربان دربار

کے اندر سے ہی اُسے پکارنے نہیں لگتے۔ بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں۔ اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہوکر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے۔ بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔

اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو۔ جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی ومدعاعلیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انھیں کچہری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہر آکر پکارتے ہیں۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔

اور جو اس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے۔ کہ جج کے سامنے کھڑے ہوکر فلاں حاضر ہو۔ فلاں حاضر ہو پکارنے لگے۔ تو ہمارا بیان اس کے لئے مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا۔ تو اس کا سبب کچہری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے۔

پس اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔

اور اس قسم کے امور تعظیم و اظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو۔ معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کر چکے۔ تو اسی کی طرف پلٹنا چاہیئے اور غائب مصلیوں کو مصلیٰ کے اندر کھڑے ہوکر پکارنے کو بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہیئے۔

ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی، وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے۔ اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظیریں مل سکتی ہیں۔

چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

الثابت ھو ید الیمنیٰ علی الیسریٰ	حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے (کہ قیام
دکونہ تحت السرۃ او الصدر کما قال	کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے

الشافعی لم یثبت فیه حدیث یوجب
العمل فیحال علی المعهود وضعها حال
قصد التعظیم۔ فی القیام والمعهود
فی الشاهد منه تحت السرۃ۔

یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے
جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے
اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل
واجب ہو۔ تو اس معاملہ کو مشاہدہ پر محمول کرنا
چاہیے۔ کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم
ومشہور ہو وہی اختیار کیا جائے۔ اور یہ زیر ناف ہے۔

انھیں نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے۔ جس کی ان کے شاگرد
ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے۔

لا اری تحریر النغم فی الدعاء کما یفعله
القراء فی هذا الزمان ویصدر ممن
فهم معنی الدعاء والسوال وما ذالك
الا نوع لعب فانه لو قدر فی الشاهد
سائل حاجته من ملك ادی سواله
بتحریر النغم فیه من الرفع والخفض
والتغریب والرجوع کالتغنی نسب
الی التهمة الی قصد السخریة واللعب
اذ مقام طلب الحاجة التضرع لا التغنی۔

دعا میں گلے بازی (گانا) کو میں جائز نہیں تصور
کرتا جیسا کہ آجکل کے قاری کرتے ہیں۔ اور
یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال
اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک قسم کا
کھیل اور مذاق ہے۔ اگر مشاہدے کے اعتبار سے
دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت
کی درخواست کر رہا ہو۔ اپنے سوال کو گویوں کی طرح
گا کر آواز کی بلندی اور پستی گٹکری اور آواز کی لرزش
کیساتھ مانگے۔ تو ایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت
دیجائیگی۔ کہ مقام الحاج زاری کا ہے نہ گانے کا۔

حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

قد اجاد رحمه الله فیما اوضح وافاد۔

حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح و افادہ فرمایا۔

اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر، حلیہ، غنیہ وغیرہ میں ہیں۔ بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

استحی من اللہ استحیائك من رجلین من صالحی عشیرتك رواہ ابن عدی عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

تم اللہ تعالیٰ سے ایسا ہی شرم کرو جیسا اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو۔ اس حدیث کو ابن عدی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے حضور سے روایت کی۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

ان اللہ احق ان یستحیی منہ من الناس

اللہ تعالیٰ کو اس کا زیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔

اس حدیث کو احمد وابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور نسائی ابن ماجہ اور حاکم نے معاویہ ابن حیدۃ سے روایت کیا۔ اور یہ حدیث۔

اذا صلی للہ فلیلبس ثوبیہ فان اللہ احق من تزین لہ۔

نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کیلئے زینت وآرائش کا سب سے زیادہ حق ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور امام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہم سے حضور سے روایت کیا اور اس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہوئی کہ۔

انھوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے (یعنی مکمل جوڑا دیا) پھر انھیں مسجد کے اندر ایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا۔ تو فرمایا کیا تمہارے پاس پہننے کیلئے پورا جوڑہ نہیں ہے۔ اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام کے لئے بھیجتا تو مکمل جوڑا پہن کر جاتے یا ایک چادر لپیٹ کر حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا۔ اس پر ابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کیلئے زینت کیجائے۔ حضرت نافع کو اقرار کرنا

پڑا کہ اللہ تعالیٰ۔

نفحہ (۳)

امام عبدالرزاق نے اس کو حضرت نافع سے روایت کیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایھاالذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا ذالکم خیرلکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیھا احدًا فلاتدخلوھا حتی یوذن لکم۔

اے ایمان والو! دوسروں کے گھر میں بے انس پیدا کئے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ تو جبتک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن وانس داخلہ ممنوع فرمایا۔ اور مسجدیں بلاشبہ اللہ رب العزت جل وعلا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا۔

ان بیوت اللہ فی الارض المساجد وان حقًا علی اللہ تعالیٰ ان یکرم من زارفیہ۔

روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنے والوں کی تکریم فرمائے گا۔

ابوبکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا قول بتا کر نقل کیا۔ اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول نقل کیا۔

ابنوامساجدکم واخرجوا القمامۃ منھا فمن بنی للہ بیتًا بنی اللہ لہ بیتًا فی الجنۃ۔

مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لئے گھر بنائے، اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے جنت میں گھر بنا دیا۔

اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے۔ اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا۔ اسی نکتہ کی طرف حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا۔

من سمع رجلاً ینشد ضالته فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذہ	جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے۔ تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئیں۔

امام احمد، امام مسلم، امام ابوداؤد، ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔

مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے اس حدیث کو حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا۔

لا وجدته لا وجدته لا وجدته انما بنیت المساجد لما بنیت له۔	تو اسے نہ پائے، تو اسے نہ پائے، تو اسے نہ پائے مسجدیں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئیں۔ وہ تو جس کیلئے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔

عبدالرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی۔

انه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم رجلاً ینشد الضالة فی المسجد فقال ایھا الناشد غیرك الواجد لیس لھذا بنیت المساجد۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنے والے۔ پانے والا تیرے علاوہ ہو۔ مسجدیں اس کام کیلئے نہیں ہیں

اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں۔ اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت

کے لئے مصحف شریف کو ڈھونڈھے ۔ یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھوجانے پر مسجد میں تلاش کرلے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے ۔ ارشاد الہٰی ہے ۔

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا ۔	اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانت واپس کرو ۔

تلاش پانے کا مقدمہ ہے ۔ اور پا نا دینے کا ذریعہ ۔ اور جو واجب کا ذریعہ ہو وہ خود واجب ہے ۔ فقہاء نے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیا ۔ اور کسی خاص گمشدہ کا استثنا ء نہیں کیا ۔ اس کا رمز ۔ یہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہر چند کہ عمل آخرت ہے ۔ پر سبھی عمل آخرت کے لئے مسجد نہیں بنائی گئی ۔ حضرات امام احمد و مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ۔

انما ھذہ المسجد لاتصلح لشیٔ من القذر والبول والخلاء انما ھی لقرأۃ القرآن وذکر اللہ والصلاۃ	یہ مسجدیں گندگی پیشاب و پیخانہ کے لئے نہیں یہ تو صرف تلاوت قرآن ، ذکر الہٰی اور نماز کیلئے ہیں ۔

بخاری و ابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ۔

انما بنی لذکر اللہ والصلاۃ	یہ تو نماز اور ذکر الہٰی کیلئے ہی بنائی گئی ہیں ۔

امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا ۔

مسند الفردوس میں بروایت ابو ہریرہ مروی ہے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل کلام فی المسجد لغو الا	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد کے اندر تلاوت کلام اللہ ذکر الہٰی اور بھلائی

القرآن وذکر اللہ ومسالۃ عن   سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ
خیر واعطاء کا۔   ہر بات لغو ہے۔

یہ پہلے ہی معلوم ہوچکا ہے کہ اذان خالص ذکر الٰہی نہیں۔ اگر مسجد اس کیلئے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی۔ اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا۔ بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کے لئے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا۔ نہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں۔ تو یہی کہا جائے گا کہ مسجد اس کیلئے بنائی ہی نہیں گئی۔

اور ایسا ہوتا بھی کیسے یہ تو دربار الٰہی کی حاضری کا اعلان ہے۔ اور دربار اعلان کیلئے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

اس ضعیف بندے پر کلام مجید، حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا۔ باتیں سب کی سب ظاہر ہیں۔ اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا۔ لیکن یہ سب بھی اہل انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفع زیادتی کیلئے کافی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے عفو وعافیت، رحمت کاملہ، اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی حمد ہے۔ اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب اور ان کے گروہ سب پر درود وسلام ہو۔

اختلاف کو خاکستر کردینے والے عود و عنبر کا چوتھا شمامہ

حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہی خاص ہے۔ اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام و رحمت ہو۔

حق و ہدایت والے ہمارے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو (اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے) کہ معاندِ وہابیہ، اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ، سب کو اس امر نے تھکا دیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں۔ جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے (جیسا کہ آجکل رواج پڑ گیا ہے) مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ باطل کو سربلندی عطا نہیں کرتا۔

پس وہ تنکوں کا سہارا پکڑنے لگے۔ ان میں پانچ باتوں میں تو سب متفق ہیں بقیہ کچھ لوگوں نے انفرادی بحیثیں بھی کی ہیں۔

یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اور اس کا رد کریگا۔ پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبر گیری کرے گا۔ پہلی پانچ باتیں یہ ہیں۔

(۱) اذان جمعہ کے لئے تمام نعتا رنے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہئے۔

② اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ، جس اذان کو سن کر جمعہ کے لئے مسجد کی طرف جانا واجب ہو جاتا ہے۔ وہ اذان اول ہے یا اذان ثانی۔ بعض فقہاء نے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے۔

③ اور بعض فقہاء نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے۔

④ معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفا عن سلف ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ اور جو جرأت بے جا کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

⑤ ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدرآمد ہے۔ اور تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے۔

اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد۔ اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گا اللہ تعالیٰ سے ہی میری توفیق ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے، اور اسی کیطرف میرا رجوع ہے۔

نفحہ (۱)

ہم احادیث و فقہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے۔ لیکن سامنے کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں۔ بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو۔ بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کا آڑ بنے۔ یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے۔ اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے۔ اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کا مفاد اس کے سوا نہیں۔

البتہ فقہ نے ہم کو بتا یا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونا چاہیئے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے۔ بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فنا میں ہو۔ احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے۔ جس سے اس مقام کی تعیین ہوتی ہے۔

اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں۔ لفظ "بین یدیہ" دو حرفوں سے مرکب ہے۔ ان اجزائے ترکیب کے اعتبار سے اس لفظ کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ، آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے، چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی۔ کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ تو ان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں۔ اور انھیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے۔ تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کے جانب کی اتنی فضا "بین یدیہ" ہے۔ اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔

لفظ "بین یدیہ" کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی مرکب میں بسا اوقات یہی ہوتا ہے کہ معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی۔ اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دیئے جائیں۔ لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں۔ لفظ "بین یدیہ" کا بھی یہی حال ہے۔ کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہو گیا ہے۔ قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے۔ اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہدے کی جاتی ہے۔ کیونکہ رویت عادیہ کے لئے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

لفظ "بین یدیہ" کا اصلی مفاد یہی ہے۔ البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی، حد درجہ

متفاوت المعنی کلی مشکک ہے ۔ اس لئے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب و بعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضہ سے نہیں عقل کے تقاضہ سے ہے ۔

پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لئے تھا ۔ لیکن بعد میں ظرف زمان کے لئے بھی مستعمل ہونے لگا ۔ یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لئے ، کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے ، اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے ۔

قرآن عظیم اور محاورات عرب میں لفظ ، بین یدیہ ، ان دونوں معنی میں وارد ہوا ۔ مفسرین نے اسی معنی سے اس کی تفسیر کی ، میں نے تتبع اور تلاش سے قرآن پاک میں ۳۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات میں قرب پر کوئی دلالت نہیں ۔ اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لئے ہے ۔ اور سترہ مقامات پر قرب کے لئے ۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے ۔ کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ۔

قسم اول

(۱) سورہ بقرہ (۲) سورہ طٰہٰ (۳) سورۂ انبیاء (۴) سورۂ حج ان سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں یعلم مابین ایدیھم وماخلفھم ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے ۔

(۵) سورہ مریم شریف کی آیت لہ مابین ایدینا وماخلفنا ومابین ذالك اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ۔ ہمارے پیش و پس اور اس کے درمیان کی حکومت ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں ۔

(۶) سورۂ بقرہ ، میں فانہ نزلہ علی قلبك مصدقالما بین یدیہ اللہ پاک نے قرآن عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے ۔

(۷) آل عمران میں نزل علیك الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گذرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۸) سورہ انعام میں وھذا کتاب انزلناہ مبارك مصدق الذی بین یدیه ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گذرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۹) سورہ یونس میں وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ لکن تصدیق الذی بین یدیه۔ یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے افترا نہیں ہے۔ یہ تو گذرے ہوئے کی تصدیق ہے۔

(۱۰) سورہ یوسف میں ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل کل شئ یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں۔ لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شئ کی تفصیل ہے۔

(۱۱) سورہ سبا میں وقال الذین کفروا لن نومن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیه کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ نہ اس پر جو گذشتہ ہے۔

(۱۲) سورہ ملٰئکہ میں والذی اوحینا الیك من الکتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیه۔ جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے۔ اور گذرے ہوئے کی تصدیق ہے۔

(۱۳) سورہ حم السجدہ میں وانه لکتٰب عزیز لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه یہ عزت والی کتاب کہ باطل کو اسکی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔

(۱۴) سورہ احقاف میں قالوا یاقومنا انا سمعنا کتبا انزل من بعد موسیٰ مصدقا لما بین یدیه۔ اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔

(ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

اور بلاشبہ قرآن عظیم تمام ہی گذری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اور گذشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۵) آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے۔ مصدقا لما بین یدی من التوراۃ کہ میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔

(۱۶) سورہ مائدہ کی آیت وقفینا علیٰ آثارھم بعیسی بن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ ہم ان نبیوں کے نشان قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی۔

(۱۷) اور سورہ صف کی آیت مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا۔ اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا۔ جو میرے بعد تشریف لائیں گے انکا نام احمد ہے۔
ان آیات میں لفظ بین یدیہ کو حضور پر حمل کیا جا سکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی تفسیر من قبلہ ہی کیا کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔

(۱۸) اور سورہ بقرہ میں۔ فجعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا۔ تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت کر دیا۔ اس کی تفسیر بھی اگلی اور پچھلی امتیں کی گئی جس کا ذکر گذشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)

(۱۹) اور حٰم سجدہ میں۔ اذ جاءتھم الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم

لہ تیرہویں آیت کی طرف اشارہ ہے   ۲ے گیارہویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔

اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے۔ کہ رسول انھیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے۔ (نسفی) یا گذشتہ اور آئندہ قومیں کہ انھیں پہلوں کی خبر پہونچی، اور ہود اور صالح علیہ السلام نے انھیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا۔ (بیضاوی)

(۲۰) سورہ احقاف میں اذانذر قومہ بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیہ ومن خلفہ حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا۔ اور اس کے پہلے سنانے والے گذر چکے تھے اور بعد میں آئے۔ یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کسی اور کو نہ پوجو (جلالین)

قسم ثانی

(۲۱) سورہ اعراف میں ھو الذی ارسل الریاح بشراً بین یدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔

(۲۲) سورہ فرقان میں ھو الذی ارسل الریاح بشراً بین یدی رحمتہ

(۲۳) سورہ نمل میں امن یھدیکم فی ظلمات البر والبحر ومن یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ ۔ یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی۔ اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی۔

ان آیات میں لفظ بین یدیہ بارش کے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۲۴) لاٰتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم ہم۔ ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور دائیں اور بائیں۔

اس آیت میں شیطانوں کے وسوسہ کا بیان ہے۔ جس کے لئے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جنکو وسوسہ دیں گے۔ (اس سے خدا کی پناہ)

(۲۵) ۔ سورۂ رعد میں لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ۔ اس کے نگراں اس کے آگے پیچھے ہیں ۔ اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے ۔ جو قریب سے ہوتی ہے ۔

(۲۶) ۔ سورہ سبا میں افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض تو کیا انھوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے ۔ آسمان و زمین ۔ اس آیت میں سما سے مراد آسمان دنیا ہے ۔ جو نسبتہً ہم سے قریب ہے ۔ اور ہم پر سایہ فگن ہے ۔

(۲۷) اسی میں ہے ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ (الی قولہ تعالی) یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات ۔ اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے ۔ اس کے رب کے حکم سے ۔ — اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں ۔ اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن ، اور لنگر دار دیگیں ۔ ۔ اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنے والوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے ۔

(۲۸) اسی میں مابصاحبکم من جنۃ ان ھوالا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید تمہارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں ، وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے ، ایک سخت عذاب کے آگے ، اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے ۔

(۲۹) ۔ سورہ یسین میں وجعلنا من بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدًّا۔ ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار ۔ یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لئے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو ۔ (پناہ بخدا)

(۳۰) اسی میں ہے ۔ واذا قیل لھم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم

جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو، یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو (جلالین)

(۳۱) حم سجدہ میں وقیضا لهم قرناء فزینوا لهم ما بین ایدیهم وما خلفهم۔ اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے۔ انھوں نے انھیں مزین کر دیا جو ان کے آگے۔ اور جو ان کے پیچھے ہے ما بین ایدیهم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفهم سے مراد امور آخرت (جلالین)

(۳۲) سورہ حجرات میں یاایها الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسوله اے ایمان والو اللہ ورسول پر سبقت نہ کرو۔ اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا و رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے۔ اور اس کی شناعت کو محسوس کے ساتھ ممثل کر کے دکھایا گیا۔ اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلے تو برا ہے۔ اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

(۳۳) سورہ حدید میں یوم تری المومنین والمومنات یسعی نورهم بین ایدیهم وبایمانهم اس دن تم دیکھو گے کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔ یہاں کلمہ یسعیٰ اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لئے روشن کی گئی ہے۔ تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے۔ اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔

(۳۴) سورہ مجادلہ میں ہے۔ یاایها الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقه۔ اے ایمان والو رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔

(۳۵) اأشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات۔ بات چیت

سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو ، ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہو گی ۔

(۳۶) ۔ سورۂ ممتحنہ میں ہے ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ گھڑا ہو۔ وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو ، عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے ۔ اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے ۔ تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقتاً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہو گا ۔ تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں ۔

(۳۷) سورۂ تحریم میں ۔ دنورھم یسعیٰ بین ایدیھم و ایمانھم ۔ ان کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہو گا ۔

(۳۸) سورہ جن میں عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا ۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا ۔ ان رسولوں کے آگے پیچھے نگراں چلتے ہیں ۔ یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں ۔ یہ سب آیات واضح ہیں ۔

اسی سے ہے جعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا ۔ ہم نے (اس بستی) کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لئے عبرت کر دیا ، مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ ما بین یدیہ اور خلفہ سے مراد وہ اُمتیں ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تھے ۔ یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی)

ایسا ہی آیت مبارکہ اذجاءتھم رسلھم من بین ایدیھم ومن خلفھم جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے ، اس آیت کے معنی یہ ہیں ،

فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے۔
(مدارک، بیضاوی)

ائمہ تفسیر و لغت کا بیان یہ ہے۔ صحاح[1]، قاموس[2]، مختار الصحاح[3] تاج العروس[4] وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے، اور صراح[5] میں آگے جانے والے۔ اور تاج العروس[6] میں ہے کہ بین یدیک ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمہارے آگے ہو، معالم[7] التنزیل تفسیر سورۂ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔ اور خازن[8] میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔ تفسیر ابو سعود[9] میں سورۂ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی آگے۔ اور جلالین[10] میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی آگے۔ اسی[11] میں سورہ مریم کے لفظ مابین ایدینا کے معنی ہمارے آگے۔ اسی[12] میں اور دیگر تفاسیر[13] میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصدقا لما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں انموذج جلیل[14] میں ۲۷ ویں آیت کے تحت ہے۔ مابین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ کرخی[15] اور فتوحات الٰہیہ[16] میں اسی آیت کے تحت ہے۔ انسان کے مابین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اس کی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ تکملہ مجمع البحار[17] میں ہے فعلتہ بین یدیک کا ترجمہ میں نے اسکو تیرے حضور میں کیا۔ اور عنایۃ القاضی[18] میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنی لکھے ہیں۔ کہ مابین یدیہ کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمہارے سامنے ہیں۔ اور حاضر کی تعبیر مابین یدیہ سے کی جاتی ہے۔ اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز جو تمہارے پیچھے ہو۔ اور جمل[19] میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنی جو حاضر و مشاہد ہو۔ لکھے ہیں خطیب[20] شربینی۔ اور جمل[21] میں، بین یدی اللہ و رسولہ کے معنی ان دونوں کے حضور کئے ہیں۔ کہ جو آدمی کے پاس آج وہ بین یدیہ ہے۔ اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔ (پوری بات آگے آرہی ہے)

توقرآن عظیم، احادیث کریمہ۔ اور قدیم و جدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہوگیا۔

کہ قول فقہاء "یوذن بین یدی الخطیب" کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں۔ چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو۔

(۱) لفظ "بین یدیہ" افادہ قرب میں متعین نہیں۔ جیساکہ پہلے ذکر کی ہوئی بیس آیتوں سے ظاہر ہوا۔ اور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمہ لغت وتفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوا۔ فقہاء کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے۔ کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے۔ جیساکہ فاتح شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ "جب موذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں"۔ فقہاء کو اس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے۔ یہ بات کہ اذان جوجوف مسجد میں نہ ہو۔ نہ مسجد سے دور ہو بلکہ مسجد کے حدود واطراف میں ہو۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس دوسرے مسئلہ سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے۔

(۲) اور اگر "بین یدیہ" کے معنی قریب تسلیم بھی کر لئے جائیں۔ تو قرب ایک امر اضافی ہے۔ ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا۔

(الف) دیکھو اکیسویں آیت میں "بین یدیہ" کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں، لیکن ایسا نہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی۔ بلکہ اس طرح جیسا قرآن عظیم میں ہے۔ "ہوا نے بادل کو اٹھالیا، تو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیا۔ تو اس سے بارش ہوئی"۔

(ب) ۲۲ ویں آیت میں آسمان کو ہمارے قریب (بین یدیہ) بتایا۔ اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری پر ہے۔ حضرت ترجمان القرآن۔ علامۃ الکتاب، افصح العرب، اور اعلم القوم باللسان، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت الکرسی کے "یعلم ما بین ایدیھم" کے معنی زمین سے آسمان تک بتائے۔ اور "ما خلفھم" کے معنی آسمان متعین فرمائے۔ (طبرانی نے اسے کتاب السنہ میں روایت کیا)

(ج) ۲۷ ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین یدیہ) چیزیں بناتے تھے۔ حالانکہ وہ شیاطین تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہوکر وہ عظیم الشان عمارتیں۔ مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع وعریض لگن۔ بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں۔ بنا ہی نہیں سکتے تھے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں۔ جن پر مومن انسان بیٹھتے، ان کے پیچھے مومن جن ہوتے، تو شیطان تو ان سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔

(اٹھائیسویں آیت میں ارشاد فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کیے گئے۔ احمد و شیخان نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس سے اس کو روایت کیا)

اور اللہ تعالیٰ نے آج ۱۴۰۰ھ تک امت مرحومہ کو مہلت دی۔ اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی۔ اس کے باوجود یہ مہلت نہ تو آیت کریمہ کے منافی ہے نہ حدیث مقدس کے۔ آپ کی حدیث ہے کہ مجھے قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں (احمد و ابو یعلی اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)

(د) انجیل میں۔ بین یدی القرآن ہے۔ اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سو سال سے زائد کا فاصلہ ہے۔ اور توریت انجیل کے "مابین یدیہ" ہے ان دونوں کے درمیان حسب روایت جمل انیس سو پچہتر سال کا فاصلہ ہے۔ اور یونہی توراۃ قرآن کے بھی "بین یدیہ" ہے۔ تو توریت و قرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا۔

(و) یہ بات یقینی ہے کہ غروب آفتاب کے وقت پچھم طرف رخ کر کے کھڑا ہونیوالا عربی میں کہتا ہے۔ الشمس بین یدی، اور فارسی میں کہتا ہے۔ آفتاب پیش روئے من است، اور ہندی میں کہتا ہے۔ سورج میرے منہ کے سامنے ہے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے۔ اور یہی بات ثریا کی طرف رخ کر کے بھی کہتا ہے۔ جب کہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔

(ز) انیتسویں آیت میں لفظ بین یدیہ سے مراد اتصال حقیقی ہے۔ اس لئے کہ انہاہ اِن بے اس کے متحقق نہیں ہو سکتا۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصال حقیقی سے شروع ہو کر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔ تو اس کی اصل حاضر و شہود کے لئے ہے۔ اور محل و مقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہو سکتا ہے مثلاً ثریا اتنی دور ہے، اور سورج اتنی دور ہے، اور سیارے پانچ سو برس کی راہ سے تو ان اشیاء میں یہ قریب کہا جائے گا۔ اور مزدوروں میں اتنی دور ہے کہ نگرانی ہو سکے، مزدور سست نہ پڑیں اور کھسک نہ سکیں۔ اور مصلی کو حکم ہے کہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے۔ تو اس کے موضع سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے۔ اور مصلی کے سامنے سے گذرنا تبھی کہا جائے گا جب گذرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ کی زد میں آئے اور یہ موضع سجود ہی ہے جس کی محققین نے تصریح کی ہے۔

(ح) مقولہ جلست بین یدیہ، میں مراد حدود بصر سے بھی کم اور محدود دائرہ ہوگا۔ کہ یہ بیٹھنا بات چیت کے لئے ہے۔ جس کا تعلق سماع سے ہے۔ اور سماع کا دائرہ بصر کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے۔ چنانچہ کشاف، مدارک۔ اور شربینی وغیرہ کے مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

حقیقۃ قولھم جلست بین یدی　　　　قول جلست بین یدی فلان کی حقیقت یہ ہے

فلان ان تجلس بین جهتین المسامتین لیمینہ و شمالہ قریبا منہ فسمیت الجهتان یدین لکونهما علی سمت الیدین مع القرب منهما توسعًا کما یسمی الشئ باسم غیرہ اذ جاورہ۔

کہ دائیں بائیں کی دو مقابل جہتوں کے بیچ میں فلاں کے قریب بیٹھا جائے۔ ان دونوں جہتوں کو دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ جہتیں انھیں دونوں ہاتھوں پر ان سے قریب ہیں۔ اور یہ مجازاً ہے جیسا کہ دو پاس والی چیزوں میں ایک کا نام دوسرے کو دیدیا جاتا ہے۔

(خطیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا)

تنبیہ اس عبارت میں اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا۔ اور بعد میں مجازی قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیل کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے۔ اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔

(ط) ایک شخص قرآن کریم پڑھنا چاہتا ہے۔ مگر خود بے وضو ہے۔ تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قرآن عظیم لے کر بیٹھ جاؤ۔ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہوگا کہ پڑھنا ممکن ہو۔ اور یہ قرب تیز نگاہی، اور ضعف بصارت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قریب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں اور جب صورت حال یہ ہے۔ تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے۔ نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے لگ کر دیجائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں۔ اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعی پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں۔ تو انھیں ہی علاحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہئے۔ کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے

اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں ؟

اور وہ خود یہاں بین یدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں۔ تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعًا انھیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود و شاہد۔ جسے دیکھنے کے لئے چہرہ دائیں یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے۔ قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے۔ جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حدیں اور بیرونی صحن ہے ۔

بات مکمل ہوگئی اور مسلک حق موید بالدلیل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ظاہر ہوگیا اگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہم تو اس ظہور حق پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہی کرتے ہیں۔

(۳) یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حَکَمُ العدل ہیں ۔ اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے۔ جسے حدیث صحیح سے سنا جاچکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی ، تو یہاں قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی۔ اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے ۔ پس جس نے اس قرب مرادی میں اضافہ کرکے داخل مسجد کردیا۔ تو اس نے سنت رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر سہ معنی مسجد سے اس کو خارج کردیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا۔ اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا اس نے حق کے موافق حکم کیا ۔ اور حکم تو اللہ و رسول جل و علیٰ و صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ۔

نفحہ (۲) الحمد للہ گذشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے ۔ ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی ۔ جنھوں نے اذان خطیب کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا ۔

یقال ھذا الشئ بین یدیک ای قریبا منک ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمہارے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے ۔

اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے ۔

جلست بین یدی فلان الخ میں فلاں کے سامنے بیٹھا (الی آخرہ)

اولاً ۔ ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن خود قرب میں بھی تو بڑی وسعت ہے ۔

ثانیاً انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر و مشاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں ۔ ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں ۔ اور دونوں ہی اپنے اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا ۔ لیکن دونوں پاس میں کتنا فرق ہوتا ہے ۔ کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے ۔ اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ یعنی چوکھٹ کے باہر تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا ۔ کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے والے کی طرح بین یدیہ اور پاس ہے ۔

ثالثاً ۔ راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہا اور کچھ بھول گئے ۔ کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنی بتائے وہ ان ائمہ لغت و تفسیر کے خلاف ہے یا موافق اگر خلاف ہے تو آپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف ... رجوع ... کر لی ۔ اور اگر خلاف نہیں تو حاضر و مشاہد میں جتنا قرب ہے اس پر تم ... کیوں نہیں ۔ حالانکہ رویت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے ۔ یا تم قرب کی ایک معین حد ... ہو ۔ اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے ۔ پھر تو آپ کا جواب آپ کے جیسا ناسمجھ ہی دے سکے گا ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے قول حق میں فرماتا ہے ۔

اقترب الساعة وانشق القمر — قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہو چکا ۔

بلکہ اسی قدوس پروردگار نے فرمایا ۔

اقترب للناس حسابهم وهم في غفلة معرضون ۔ — لوگوں کے حساب کی گھڑی آپہونچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کر رہے ہیں ۔

حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا ۔ اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی ۔

رابعًا ۔ امام قدوری نے اپنی شرح میں فرمایا ۔ اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہیں

(۱) نگراں کے ذریعہ حفاظت ۔ جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہو کہ اسے دیکھتا رہے ۔ اور اگر اتنا دور ہو گیا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہو گئی تو یہ حفاظت نہیں ہے ۔ امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب و بعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا ۔ تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر و شاہد ہونا چاہئے ۔ جیسا کہ دیگر ائمہ لغت و تفسیر کی تحقیق ہے ۔

خامسًا ۔ اس مستدل سے خود امام راغب کو شکایت ہوگی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی ۔ کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے ۔

يقال هذا الشئ بين يديك اى قريبا منك وعلى هذا قوله. له ما بين ايدينا ومصدقا لما بين يدى. من التوراة وقوله وقال الذين كفروا لن نؤمن بهذا القرآن ولا بالذى بين يديه اى متقدما له من الانجيل ونحوه (مختصراً)

محاورہ ہے کہ یہ چیز تمہارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے (مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کیلئے ہے (اور قرآن کیلئے خود فرمایا) اپنے سے آگے والی کتاب توراۃ کی تائید کرتا ہے ۔ اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائینگے نہ اس سے

پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر

اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتا کر اس کا مصداق لما بین یدیہ کو قرار دیا۔ تو کیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنے متصل اشیاء مراد لیں کیا صرف وہی اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں ؟

سادساً۔ اسی معنی قریب کی فرع مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ تو جب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے منافی نہیں، تو قرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا۔ جو عام طور سے سو ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔

سابعاً۔ اگر امام راغب کے قول، قولہ وقال الذین کفروا کو ماسبق والے قول پر معطوف قرار دیں تو اب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اسکو جملہ مستانفہ قرار دیا جائے۔ تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنی کا بیان ہوگا کہ بین یدیہ کے معنی جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں جو بعید تر ہیں۔ اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے معنی قریب و بعید دونوں ہی ثابت ہوئے۔ پھر آپ کو معنی قرب پر کیوں اصرار ہے ؟

ثامناً۔ چلیے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کر لی جو آپ کو مرغوب ہے۔ مگر اس کو کیا کیجیے گا کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید عزیٰ رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے ہیں۔ اور علی باب المسجد بھی کہتے ہیں۔ یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹ حجتی کے منہ پر

ایسی مہر ہے۔ جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتے ہیں۔

تاسعًا۔ مستدل نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے۔ اور صرف سامنے اور مقابل کے معنی میں آتا ہے۔ جیساکہ بعض آیات قرآنی میں بھی واقع ہوا ہے۔ مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیہ آیا ہے۔ اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو۔ اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے۔

مقام حیرت ہے کہ "بین یدیہ" کو قریب و بعید دونوں کے لئے مان کر، اور یہ تسلیم کر کے کہ قرآن عظیم میں ایسا وارد ہے۔ اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیہ کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیرویں الاپنا ہے)

اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہونچے گا۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہو گیا۔ کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اب تو اگر آپ یہ ثابت کر سکتے کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں، تو بات بنتی اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے)

سبحان اللہ یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے۔ اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہونچتا ہے؟۔

اسلوب بیان کی خامی یہ جملہ جیساکہ قرآن کی بعض آیات میں واقع ہوا۔ یہ بتانے کے لئے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہوًا و خطاءً واقع ہوا۔ کیا قرآنی آیات کے لئے یہ اسلوب بیان صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم عفو کے طالب ہیں۔

جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ بین یدیہ کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لئے ہے۔ تو اس سے منہ موڑ کر اس کو راغب کے بیان کے مطابق قریب مراد لینے کی کیا وجہ ہے؟

اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لئے دلیل دینی چاہیے تھی کہ قرآن میں
بعید مراد ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے۔ اور جب آپ کے
پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں۔ تو قرآن عظیم سے رخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کار ذلیل ہے۔

نفحہ (۳)

ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا۔ کہ عند حضور کیلئے
ہے۔ چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی اپنے اصول میں۔ اور امام صدر الشریعہ
نے تنقیح و توضیح میں، اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا ــــ کہ عند حضور کیلئے ہے۔
محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق حلبی کی شرح تقریر میں ہے۔
کہ عند حضور حسی کے لئے ہے۔ جیسے آیۂ کریمہ فلما راٰہ مستقراً عندہٗ۔
اور حضور معنوی کے لئے جیسے وقال الذی عندہ علم من الکتاب۔ اس نے کہا
جس کے پاس علم کتاب تھا۔
اور اسی طرح امام اجل ابو البرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں
اور علامہ شمس الدین الفاری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں۔ مولا خسرو نے مرآت
الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا ــــ کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کیلئے آتا ہے۔
مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں ملک العلماء بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ۔ عند
حضور حقیقی کے لئے ہے۔ جیسے عندی کوز میرے پاس پیالا ہے۔ اور معنوی کے لئے جیسے عندی
دین فلان۔ مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے۔
اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے۔ اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی
کہا جائے گا۔ تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش۔ اور نہ عند کیلئے ساتھ
چپکا ہونا ضروری ہے۔ اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں، بین یدیہ سے بھی زیادہ وسیع
ہے۔ نہ یہ کہ عند کو بین یدیہ سے تنگ مانا جائے۔ چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان

کیا جاتا ہے ۔ کہ عند قریب و بعید دونوں کے لئے ہے ۔ اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے ۔ رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا ۔

عند اعم تصرفا من لدی لان عند	عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے
یستعمل فی الحاضر القریب وفیما ھو	کہ وہ پاس اور دور دونوں میں مستعمل ہے
فی حرزك وان کان بعیدا بخلاف	اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی
لدی فانه لایستعمل فی البعید ۔	نہیں ہے ۔

اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے۔ مزید آیات قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں ۔

(۱) ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللّٰہ ۔	جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں ۔

لفظ قرآنیہ میں ہم واضح کر آئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نگاہ ہو ۔ حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لئے کچھ خاص نہیں ۔ بلکہ جو پاس ہے اور جو باب مسجد کے پاس ہے ۔ سب کے لئے یہی حکم ہے ۔ محراب رسول اور دروازہ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے۔ سبھی کیلئے چینا اور چلانا منع ہے بلکہ یہ کہئے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے ۔

اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں ۔ جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں تو آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دوری پر کھڑا چیخ رہا ہو ۔ یا صرف اس کے لئے خاص ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے ، اور چار ہاتھ دور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ

رحمت و مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔

(۲) ارشاد الٰہی ہے۔

ھم الذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ حتی ینفضوا۔	یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رہنے والوں پر کچھ خرچ نہ کرو۔ تاکہ یہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔

یہاں عند کا مفہوم پہلی والی آیت سے بھی وسیع ہے۔ کیونکہ یہاں تو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں۔ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں۔ اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دور ہوں۔

(۳) ارشاد الٰہی ہے کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں۔

طاعۃ فاذا برزوا من عندک بیت طائفۃ منھم غیر الذی تقول۔	ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔ اور جب آپ کے پاس سے دور ہو جاتے ہیں۔ تو انکی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگی جو آپ کے سامنے کہہ چکے تھے۔

یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے۔ قریب کی جگہ تو بوبکر و عمر، عثمان و علی و دیگر مخلصین صحابہ کے لئے تھی۔ منافقین تو اِدھر اُدھر آنکھ بچا کر بیٹھتے تھے۔ اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں۔ تو عند کہہ کر سبھی منافقین مراد ہیں۔ قریب بیٹھنے والے ہوں یا دور۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ان المتقین فی جنات ونھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔	بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہونگے۔

یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن اس میں کہاں یہ نسبت علماء کے

کسی صالح مسلمان کا درجہ، اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ، اور بہ نسبت انبیاء کے کسی ولی کا درجہ، اور کہاں سید الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ، ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثریٰ سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ مگر سب کو عنداللہ سے بیان کیا گیا ہے (۵) و (۶) کی آیات۔

ان للمتقین عند ربھم جنت النعیم۔ — متقین کے لئے رب کے پاس جنت نعیم ہے۔

واذ قالت رب ابن لی عندك — اس نے دعا مانگی یا اللہ میرے لئے اپنے پاس

بیتاً فی الجنۃ۔ — جنت میں ایک مکان بنا دے۔

حضرت سلمان و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کرلی۔ تو کیا وہ انبیاء و اولیاء سے بھی زیادہ قرب الہٰی کی طالب تھیں۔ وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جو ان کے لائق ہو چاہے حضرت خدیجہ و عائشہ رضوان اللہ علیہما کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو۔ چہ جائیکہ انبیاء و اولیاء عظام علیہم الرحمہ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

بل احیاء عند ربھم — شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں۔

تو بھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی منزل بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں۔

(۸) اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

ان الذین عند ربك — جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں

ان فرشتوں میں باہم درجات کا کتنا تفاوت ہے۔ ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے

مگر تفاوت ہونا یقیناً معلوم ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کیلئے ایک متعین مقام ہے۔

(۹) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم — کافروں نے خدا سے مکر کیا۔ ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔

کافروں کے مکر کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی قرب نہیں۔ نہ قرب مکانی کہ یہ ذات باری کے لئے محال ہے نہ قرب مرتبی کہ مکر تو نہایت ذلیل چیز ہے۔ لامحالہ اس آیت میں قرب سے مراد حضور ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں۔ تو یہ حضور علمی ہوا

(۱۰) اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا۔

ثم محلھا الی البیت العتیق (یعنی البدن قال فی المعالم ای عند البیت العتیق یرید ارض الحرم کلھا قال فلا یعنی بو المسجد الحرام کلہ۔ — قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے۔ معالم التنزیل میں فرمایا الی البیت العتیق کا مطلب عند بیت العتیق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (کچھ دوسری جگہ) ارشاد ہوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ۔

آیتِ مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا۔ جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دوری پر ہے۔

(۱۱) احادیثِ کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں۔ ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قرب محمول کرینگے

(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں۔ حالانکہ وہ دروازہ سے آگے بڑھ نہیں سکتا۔

(۱۳) مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے۔ حالانکہ لبا اوقات دونوں کا فاصلہ دو سو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۴) شاگرد استاذ سے اپنا تعلق بتاتے ہوئے کہتا ہے۔ میں اپنے استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا۔ حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے۔ اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔

(۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے۔ فقہاء کے کلام میں آئے ہوئے لفظ عند سے تو اذان ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلال کیا جائے۔ اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنی بتائے ہیں اس سے روگردانی کیجائے۔

ہدایہ، کنز، تنویر وغیرہا میں فرمایا یہ عبارت کنز کی ہے۔

من سرق عن المسجد متاعًا وربہ	جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک
عندہ قطع۔	سامان کے پاس تھا۔ اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

کنز کی شروح، مجتبیٰ، فتح القدیر، بحرالرائق اور درمختار میں فرمایا۔ الفاظ درمختار کے ہیں۔

عندہ ای بحیث یراہ	سامان کے مالک کے پاس ہونیکا مطلب ہے
	کہ اتنی دور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔

مذکو بالا شواہد سے یہ ثابت ہو گیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے بین یدیہ، کے معنی میں بیان کیا۔ اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں۔ چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے۔ مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اس کو وہی وہی چیز سمجھتا ہے، اور کوئی بات سنتا ہے تو وہی چیز اس کے خیال میں آتی ہے۔ جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے دو روٹی۔

نفحہ (۴) الحمد للہ رب العالمین گذشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہوگئی۔ جو اس موقعہ پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ

عند لفظ موضوع للقرب فتارۃ یستعمل فی المکان وتارۃ فی الاعتقاد نحو عندی کذا وتارۃ فی الزلفیٰ او المنزلۃ (مفردات امام راغب)	لفظ عند قرب کیلئے وضع کیا گیا ہے، تو کبھی مکان کیلئے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لئے جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے، اور کبھی رتبہ اور مرتبہ کیلئے ہوتا ہے۔

یا امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ

وعند عبارۃ عن القرب (مبسوط)	عند قرب بیان کرنے کیلئے ہے۔

کیونکہ ہم نے قرب کے تمام مواد کا ذکر کر دیا ہے جس کے لئے آیات کے اعادہ کی ضرورت نہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان تمام آیتوں کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزد و پاس سے کیا گیا ہے۔ جب کہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔

اور خود لفظ قرب کا بھی یہی حال ہے۔ جیسا کہ آیت اقترب الساعۃ (قیامت قریب ہوئی) اور اقترب للناس حسابھم (لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب ہوا) وغیرہ سے ظاہر ہے (کہ لفظ قرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے) اور یہ بات بچوں تک پر واضح ہے۔

ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا، جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔ اور وہ کیسے جواب دیتے۔ وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا۔ بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے۔

زید نے ایک دینار ساڑھے دس درم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا۔ جسے ایک آدمی بلا تکلف و بے زحمت و مشقت جہاں چاہے اٹھا لیجائے۔ اذان منبر کے وقت زید اسے

مسجد میں لے کر پہونچا۔ متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃً مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہوکر واپس کر دیں گے۔ بعد نماز لوگ تو ادھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ اور منبر وہیں پڑا رہ گیا۔ اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدودِ مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا۔

اس اثنار میں ایک وہابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دروازے سے داخل ہوا۔ اور مالک کے ایک ذرا رخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا۔ جیسے ہی مہلت پائی منبر لے کر نکل بھاگا۔

سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں۔ اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟

تو داخل مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں۔ تو ائمہ فقہ کی نص صریح کے خلاف ہوگا کہ ان کا ارشاد ہے۔

"جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرایا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو۔ تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا"

اور اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائے گا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اس کا محافظ قرار دیا جائے۔ کیونکہ مسجد خود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ مسجد کے دروازے کے پاس اس کے فنا میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے۔ یہ تو ہمارا دعویٰ تھا۔ جس کا اعتراف مخالف نے کیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وہ راضی ہو اور جسے پسند کرے۔

نفحہ (۵) اگر ہم ان لوگوں کے معیار فہم پر اتر کر بھی بات کریں۔ تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے۔ کہ عند ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہی کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد — ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرو
یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو۔ اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کیطرف
مضاف ہوتا ہے۔ جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو۔ ارشاد الٰہی ہے۔
ویوم حنین اذا عجبکم کثرتکم — اور حنین کا دن یاد کرو۔ جب تم اپنی کثرت پر
اترا گئے تھے۔

حُنین ایک جگہ کا نام ہے۔ یہی حال یوم بدر، یوم احد، یوم دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ
المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے ،، ومن لہا یوم السبع۔ سبع کا لفظ بار
کے سکون کے ساتھ بھی مروی ہے۔ تو لفظ سبع سے مراد مکان حشر ہوگا، اور بار کے ضمہ کے
ساتھ تو شیر مراد ہوگا۔ اکثر علمار کے نزدیک یہی راجح ہے، پس ان مقامات میں یوم کی
نسبت مقام کی طرف ہے۔ تو ایسا کیوں صحیح نہ ہوگا کہ اذان عند المنبر کے معنیٰ اذان وقت منبر
ہو۔ کیونکہ اس اذان کو منبر سے اک نسبت خاص ہے۔

نفحہ (۶) اذانیوں نے بعض فقہار کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا۔ تو ان
میں سے بعض نے علی کی تفسیر عند سے کی۔ اور ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ خود
لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے۔

اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علی معنیٰ میں بار کے ہے۔ مطلب یہ کہ بار
الصاق کے لئے آتا ہے۔ تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہوگا۔ وہ اذان جو منبر کے متصل ہو۔
اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علی کا بار کے معنیٰ میں ہونا خود محل نظر ہے۔ لطف
یہ ہے کہ خود الصاق کے معنیٰ اتصال حقیقی نہیں ہیں۔ عرب کے اس قول مررت بزید (میں زید
کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا۔ بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور
دروازۂ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے، تو تم کہہ سکتے

ہوکر میں زید کے ساتھ چلا ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔

وکاین من ایۃ فی السمٰوات والارض — آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن پر وہ

یمرون علیہا وھم عنہا معرضون ۔ — گذرتے ہیں۔ اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

اس آیت میں خود لفظ علی ہی ہے ۔ تو کیا تم علی کو الصاق کے معنی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لئے آسمانوں تک بلند ہونیکی طاقت رکھتے ہو ۔

پس اس آیت میں لامحالہ تمرّون علیہا کے یہی معنی مراد لینے ہونگے، کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گذرتے ہو (اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان وزمین کی دوری تھی)

اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہاء کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کیلئے ہے ۔ مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر پر ہی ہو ۔ لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے ۔

اوّلاً ۔ تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں ۔ اور یہ واضح ہے کہ علی کو عندیا بار یا مبالغہ کیلئے لینا اس کے معنی مجازی ہوں گے ۔ کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ اصول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں ہے ۔

اما علی فللالزام باعتبار اصل الوضع — علی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کیلئے ہے ۔

تحریر امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے ۔

وھو ای اللزوم ھو معنی الحقیقی — لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں ۔

اور رضی شرح کافیہ میں ہے ۔

منہ سر علی اسم اللہ ای ملتزما ۔ — اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر یعنی اسکو لازم پکڑ

قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ۔ ارشاد الٰہی ہے ۔

فجائته احدیٰهما تمشی علی استحیاء ای ملازمة للحیا ۔

ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی (یعنی وہ شرم کو لازم کئے ہوئے تھیں ۔

اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا التزام کیا ہے ۔ تو یہ لوگ علی کو اس کے حقیقی معنی (لزوم) سے پھیر کر کدھر پلٹ رہے ہیں ؟ ۔

ثانیًا ۔ علی مصاحبۃ کے لئے ہے ۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں ۔

علی حرف جر لها معان (الی ان قال) ثانیها المصاحبة کمع نحو وآتی المال علی حبه ذوی القربیٰ ای مع حبه وان ربك لذو مغفرة للناس علی ظلمهم ۔ (اتقان)

علی حرف جر ہے اس کے چند معانی ہیں دوسرا معنی مصاحبت ہے ۔ جیسے لفظ مع قرآن عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت داروں کو دیا (دوسری مثال) تمہارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنے والا ہے (یہاں علی ظلم کا مطلب مع ظلم ہے)

اور حدیث شریف میں ہے ۔

ذکواة الفطر علی کل عبد وحر

زکوٰۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے ۔

بنایہ میں فرمایا ۔

علی هنا بمعنی مع لان العبد لا تجب علیه الفطر وانما تجب علی سیده ۔

علی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں ۔ وہ تو مالک پر ہے (تو مطلب یہ ہوا کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے)

قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے ۔

والمصاحبة کمع وآتی المال علی حبه

مع کی طرح علی بھی مصاحبۃ کیلئے آتا ہے جیسے آتی المال علی حبه ۔

اور فتوحات الیہ میں آیت مبارکہ تمشی علی استحیاء کی توضیح میں فرمایا۔

علی بمعنیٰ مع اے مع استحیاء — آیت میں علی مع کے معنی میں ہے۔ یعنی شرماتے ہوئے

اور اذان خطبہ بلاشبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے۔ نہ اس سے قبل نہ بعد پس مصاحبۃ اگر علی کے معنی حقیقی ہوں۔ تو آپ کے مراد لئے ہوئے معانی مجازی ہوئے۔ اور مجاز حقیقت کے مصادم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہوا۔ اور احتمال استدلال کے لئے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔

ثالثاً۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واتبعوا ما تتلو الشیاطین علی ملک سلیمان۔ — اور انھوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی۔

اتقان اور فتوحات الٰہیہ میں ہے۔

ای فی زمن ملکہ — یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں

مدارک امام النسفی میں ہے۔

ای علیٰ عھدہٖ وفی زمانہ — یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے۔ تو یہ عندہ یا یہ کے ہم معنیٰ ہو گیا۔

رابعاً۔ اصل یہ ہے کہ فقہا نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لئے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے۔ اذان اول کا (حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیت سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں۔ (یہی امام طحاوی کا قول ہے۔ جس کو شرح نقایہ میں امام شمنی نے نقل کیا)

قال الطحاوی انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوب سعی اور ترک بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دیجاتی ہے۔ کیونکہ یہی اذان عہد رسالت اور ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے مرقات میں بھی، روایت ان الفاظ میں ہے۔

قال الطحاوی انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ومن الشیخین رضی اللہ عنہما۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کیلئے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جانے والی اذان سے ہے۔ کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی۔

ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (کہ امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہونے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے۔ اصل عبارت کو دیکھا جائے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد نہیں بنتی۔

بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی واجب ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں یہی تھی۔ بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المنبر سے کی جیسے صاحب کافی وکفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے مبارک عہد میں ہوتی تھی۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لئے تو

ان علماء نے بھی علی کو عند کے معنی میں لیا۔ اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ وہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علی سب کو اسی ثابت شدہ محل پر حمل کرنا چاہئے۔ نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لئے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہئے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہو رہا ہے۔

نفحہ (۷) اگر ہم عند اور علی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کر لیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر کی ہے۔

اولاً ۔ ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف و حکایت حال کے ہے۔ (یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہئے) بخلاف ان اقوال کے جن میں مسجد میں اذان کی ممانعت آئی ہے۔ جیسے لایوذن فی المسجد "مسجد میں اذان نہ دی جائے یا۔ یکرہ الاذان فی المسجد "مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ کہ یہ صاف صاف حکم ہے، اور ابتدا حکم کا ہے تعارف و حکایت کا نہیں۔

ثانیاً ۔ یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں جگہ ہوتی ہے) علامت ہے۔ اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے۔ جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا۔

ان العلامۃ تکون بحرام او مباح۔ — کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ، امراء اور عوام سبھی جمع ہیں۔ ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا۔ اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا۔ ان لوگوں میں بادشاہ

کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے ۔ وہ عالم کہے گا کہ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہچنوایا گیا۔ تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہو گیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے ؟

تو جب ہمارے علماء نے یہ حکم بتا دیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے ۔ تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے ۔ جیسا کہ آجکل یہ لوگ کر رہے ہیں ۔ تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی و ترک بیع ہو گی۔ ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے از خود ایجاد کر لی ہے ۔ پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی مدت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائیگی ۔

ثالثاً ۔ قضیہ حملیہ میں دو حکم ہوتا ہے ۔ ایک موضوع کے وصف کا صدق ذات موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذات موضوع پر ۔ پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی ۔ شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے ۔

حکم منطقی تصدیقی ہو تو تب بھی شرعاً معتبر نہیں ۔ اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے ۔ فقہاء نے اذان کا حکم ضمناً لگایا ہے ۔ تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہو گا؟ اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیک السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی تصدیقی ہے ۔ مگر شریعت نے اسے نامعتبر اور ناجائز بتایا ۔ حدیث شریف میں ہے ۔

علیک السلام تحیۃ الموتیٰ ۔ علیک السلام مردوں کا سلام ہے ۔

رابعاً ۔ تمام بحث و مباحثہ کے بعد اذان علی المنبر سے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃ النص ثبوت ہو گا ۔ اور فقہاء کے قول لایوذن فی المسجد ۔ دیکرہ الاذان فی المسجد ۔ عبارۃ النص ہے ۔ اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارت النص راجح اور اشارۃ النص مرجوح ہے ۔ اور درمختار میں ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے ۔

خامسًا۔ اذان علی المنبر کے معنی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں۔ اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہوسکتا۔ اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔

اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اتر کر، اور لگام ڈھیلی کر کے اور بطور مناظرہ، ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی وہ تحقیق کی ہے۔ کہ جس کے بعد منصف کو کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے۔ رہ گیا مکابرانہ کلام تو یہ ایک گمراہی ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

نفحہ (۸) ائمہ مالکیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اذان خطبہ میں بھی سنت یہی ہے کہ مینارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہہ ہے۔ امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں۔

ان السنة فی الاذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنارة۔ کذالک کان علی عهد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافة عثمان رضی الله عنه ثم زاد عثمان رضی الله تعالٰی عنه اذانا اخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی المنارة والخطیب علی المنبر اذذاك ثم لما تولی هشام بن عبد الملك	امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سنت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو۔ ایسا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور زمانہ ابو بکر و عمر اور عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ابتدائے خلافت تک رہا۔ اس کے بعد حضرت ذوالنورین نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہد رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا۔ (یعنی جب خطیب منبر پر چڑھتا۔ اس وقت اذان منارہ پر دی جاتی) ہشام ابن

اخذ الاذان الذی فعلہ عثمان رضی اللہ عنہ بالزوراء وجعلہ علی المنار ثم نقل اذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ عنھم بین یدیہ قال علمائنا رحمھم اللہ تعالیٰ علیھم وسنۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولیٰ ان یتبع۔

عبدالملک بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اذان اول کو مقام زوراء سے منارہ کی طرف منتقل کیا۔ اور اذان عہد رسالت وصاحبین اور ابتدائے عہد عثمان غنی میں (یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر ہوتی تھی۔ اسکو امام کے سامنے دلانے لگا۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

حواشی جواہر زکیہ شرح عشاریہ للعلامۃ یوسف الصفتی سکندری مالکی میں ہے۔

اذان الثانی کان علی المنارۃ فی زمن القدیم وعلیہ اھل المغارب الی الآن فعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزلی وقد نھی عنہ مالک وفعلہ علی المنار والامام جالس اھ سکندری

دوسری اذان زمانہ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہل مغرب کا آج بھی اسی پر عمل درآمد ہے اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزلی نے مکروہ لکھا ہے۔ امام مالک نے اس سے منع فرمایا۔ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔

مواہب لدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی نے فرمایا۔

قال الشیخ خلیل ابن اسحاق فی التوضیح

شیخ خلیل ابن اسحاق نے توضیح میں فرمایا

شرحہ علی ابن الحاجب۔ اختلف اھل النقل ھل کان یوذن بین یدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او علے المنار الذی نقل اصحابنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالک فی المجموعۃ ونقل ابن عبد البر فی الکافیۃ عن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم (سیاتی تمامہ بعونہ)

جو ابن حاجب کی شرح ہے۔ کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ اذان ثانی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی یا منارہ پر۔ ہمارے اصحاب کے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ عنہ سے مجموعہ میں نقل کیا۔ ابن عبد البر نے بھی امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے۔ (پوری تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص اذان بین یدی الخطیب کے بالکلیہ بدعت ہونے کی تصریح ہیں۔ چہ جائیکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو، سنت تو یہ ہے کہ اور تمام اذان کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو۔

تو مخالفین کا یہ افترا ہے کہ اذان ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماع مسلمین سے ثابت ہے۔ بھلا امام دار الہجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہو سکتا ہے؟ تنہا ائمہ مالکیہ کا اختلاف ہی قدح اجماع کے لئے کافی ہے۔ جبکہ اس مسئلہ میں ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں۔ تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔

نفحہ (۹) مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان

مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے۔ (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوئی)

کیونکہ سکندری پھر سفطی کا بیان سن چکے کہ مالکیہ اور اہل مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے۔ خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دور چبوترے بنے ہوتے ہیں، جن پر آج تک اذان ہوتی ہے۔ پہلے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرون مسجد ہے، لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکہ میں پڑے ہیں۔ اور اس کو اذان اندرون مسجد سمجھتے ہیں۔ اور یہی ان میں شائع ذائع ہے۔ اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی ہے تو پنج وقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے۔ اور نماز کے وقت دربار الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے کھڑے ہو کر چیخنے لگتے ہیں۔ اور جب انھیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں۔ اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سنت کا عمل مردہ ہو گیا ہے۔ اور تصریحات ائمہ جھوٹ قرار دی جا چکی ہیں۔ اور خلاف سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے۔ اور حکم شرع کے ابطال کے لئے اسی کو دلیل بنا لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے اس کیلئے فریاد ہے۔ اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔

اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں۔ ورنہ جھوٹ، غیبت، چغل خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہوں گے۔ کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ "ثم یفشو الکذب" پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

صاحب فتاویٰ غیاثیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ

سے ذکر کیا۔

انما یدل علی الجواز مایکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذالک لایکون فعلهم حجة الا اذا کان من الناس کافة بالبلدان کلها۔ الاتری انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا، لا تفتی بالحل۔

وہی تعامل جواز کی دلیل بنا ہے۔ جو صدر اول سے آج تک برابر جاری ہو۔ اور ایسا نہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں قصبوں اور قریوں کے بھی انسانوں کا تعامل ہو تو اور بات ہے اور یہ بالکل واضح امر ہے کہ اب اگر سب جگہ کے سب لوگ شراب بیچنے لگیں۔ سودی کاروبار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونیکا فتوی نہیں دیا جائیگا۔

درمختار کے باب الجمعہ میں ہے۔

انما یصلح دلیلاً علی الحل اذ کان عاماً من عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به۔

تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہو اور عہد صحابہ و مجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہو۔ ایسا ہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔

اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے۔

هذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیته عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل ذالك منذ ازمنة۔

یہ اجماع اکثری ہے۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہوگا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو۔ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو۔ اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب ۵۴ میں ہے۔

دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے۔ اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے۔ رفع بدعت اور تکلم باحیار سنت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے۔ اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں۔ بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمرہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے۔

یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونیکی دلیل نہیں۔ جز این نیست کہ وہ تعامل معتبر ہے۔ جو صدر اول سے معمول بہا ہو۔ یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو۔

(پھر غیاثیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کر کے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا۔ آدمی کی وسعت و طاقت سے باہر ہے۔

مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں ہم نے بارہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انھیں سنائی بھی (کہ اب سے وہ اپنے تعامل مقبول کے دعوے سے باز آئیں) مگر وہ تعامل کے دعویٰ سے باز نہیں آئے۔ دراصل (حضرت مجدد) کے بجائے انھوں نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنالیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو طلب کرتے ہیں۔

علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الاجارہ، رسالہ تحریر العبارۃ، عقود دریہ، سب میں علامہ قنالی[ے] زادہ سے نقل کیا۔ کہ وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانیکا معاملہ

ے یہ لفظ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے۔ اور تحریر العبارہ میں قنل زادہ بغیر الف کے ہے، اور عقود الدریہ میں منلی زادہ میم کیساتھ ہے ۱۲ منہ

وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے۔ جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ اور اجرت مثل پران زمینوں کے کرایہ پراٹھانیکی بات کہی جاتی ہے۔ توان زمینوں کے قدیم کرایہ دار اس کی فریاد کرتے ہیں۔ اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔ اور بعض صدر و اکابران کی مدد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ اس لئے جیسا اب تک ہوتا آیا تھا ویسا ہی عملدرآمد ہوتے رہنا چاہئے۔ کہ ہر بات سے بُری نئی بات پیدا کرنا ہے۔

اور وہ یہ نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شرع سے چشم پوشی خود بری ہے۔ اور امت میں فساد واقع ہونے کے وقت سنت کا زندہ کرنا جہاد سے بھی افضل ہے اور بزرگ ترین عبادت ہے۔

علامہ شامی تحریر میں فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے اگر شر پھیل جائے تو لوگ چشم پوشی اختیار کرتے ہیں) لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

شامی میں ہے کہ لوگ آدمی کی حق بات کو بھی ناحق سمجھتے ہیں یہ قدیم برائی ہے۔ عقود الدریہ میں انھوں نے فرمایا کہ یہ ایک ورق میں ہم نے علم عظیم ظاہر کیا۔

واللہ اس اذان ممنوع و محدث سے لوگوں کے ہلاکت میں پڑنے کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ اور سنت چھوڑ کر اس امر مکروہ میں پڑے رہنے کے لئے لوگوں نے ایسے ہی اعذار باردہ تراش رکھے ہیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نفحہ (۱۰) جب یہ ظاہر ہوگیا کہ اذان متصل منبر کے تعامل کی کوئی اصل نہیں۔ پھر توارث کے ثبوت کی کون سی صورت ہے؟ کہ اس سے بھی یہ لوگ پناہ پکڑتے ہیں۔ اور جب حدیث و فقہ سے ان پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو کج بیانی دکھاتے ہیں۔

سبحان اللہ! توارث تو تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے۔ اور جب آجکل کا

تمام ثابت نہ ہو سکا تو گذشتہ زمانوں کا کیسے ثابت ہوگا۔ اور حدیث صحیح سے پتہ چلا کہ عہد رسالت و زمانہ خلافت راشدہ میں عمل درآمدان کے مزعومہ کے خلاف تھا۔ تو کہاں سے توارث ثابت ہوگا۔ کس سے اس کی نسبت ثابت کریں گے اور کس کا ورثہ اس کو قرار دیں گے۔

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا :

رکعتین اولین میں قرأت جہری اور آخرین میں سری ہی متوارث ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا۔ اور انھوں نے اسکو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا۔ ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک، اور انھوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھا۔ اس لئے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں

یہی توارث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعًا دلیل پکڑنا درست ہے۔ اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تو مسئلہ دائرہ میں یہ لوگ کیسے توارث ثابت کریں گے۔ جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صاحب وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے اس کے خلاف روایت ہے۔

اقول ۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے۔

(۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو۔

(۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔

(۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا۔

(۴) حدوث کا علم اجمالی ہو۔ یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نو ایجاد ہے۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔

جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو۔ اور اس کا عمل شائع وذائع ہو۔ اور

اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ یہ قسم اول ہے" اور اسی کو متوارث اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔

اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا نہ یہی پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے۔ تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے۔ اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا۔ تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے متوارث حکمی کہا جاتا ہے۔ کہ امور شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے۔ اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں۔ یہ متوارث کی قسم ثانی ہے، اس کے لئے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں۔

اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد کی ایجاد ہے۔ ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لئے یہ لازم نہیں۔ کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں۔ یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔

کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا۔ جیسے اہرام مصر۔ بلکہ حدوث مطلق میں آسمان وزمین بھی۔ اور حدوث مقید میں جیسے وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔ حضرت علامہ سمہودی نے خلاصہ وفاء الوفا میں فرمایا کہ

"ہمیں ان کے ابتدائے حدوث کا وقت نہیں معلوم"

تو ایسے نو پید امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو۔ حسب قواعد شرعیہ

ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں۔ مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی "متوارث" کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ خطبہ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے۔ پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے۔ البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں۔ تو یہ توارث کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاح شرع نہیں کہا جائے گا۔ ہاں توارث لغوی ہو سکتا ہے۔ جیسے تقیہ شیعوں میں متوارث ہے۔ اور جھوٹ وہابیہ میں اباً عن جدٍ رائج ہے۔

اور اگر ایسی نو پید چیز ہو۔ جو بعد عہد رسالت ہو۔ اور اس کے حدوث کا وقت معلوم ہو۔ اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر تحریم تک پھیلا ہوا ہے۔

اور اگر یہی حادث نہ سنت ثابتہ کے خلاف ہو۔ نہ قواعد قبح کے دائرے میں آتی ہو۔ تو یہ صرف مباح ہے نہ قبیح ہے نہ مستحب۔ ہاں جب شہر و علاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چنانچہ علماء[1] نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو۔ اور حدیث شریف میں ہے۔

"لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ"

سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات، بدعت مردودہ ہوگی۔ اور گو وہ لاکھ

---

[1] حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ اقامۃ القیامہ صفحہ ۲
رواہ مسندا وقال رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین۔ ۱۲ نظام الدین

پھیل گئی ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا اجماع نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمرہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔

ایک استثنائی صورت البتہ ہے۔ کہ وہ بات ہے تو عہد رسالت کے بعد کی اور بظاہر مخالف سنت بھی ہے۔ لیکن زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا، اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عملدرآمد جاری و ساری ہو گیا۔ جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد پر نور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں۔ لیکن بعد میں ان کو عام طور سے مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا ہے۔

ایسا نوزائیدہ امر حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں ہوتا۔ اگرچہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ اب جو بات پیدا ہو گئی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا۔ تو آپ بھی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے۔ کما قال ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا) ام المومنین حضرت عائشہ نے ایسا ہی فرمایا۔

یہ تحقیق مقام ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا مسئلہ پہلی تقسیم کی چوتھی قسم سے ہے۔ اور تقسیم ثانی کی پہلی قسم ہے۔ یعنی اس کے بارے میں ہمیں حادث ہونا تو معلوم ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے حدوث کا وقت کب ہے؟ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے خلاف عمل درآمد رہا ہے۔ اور یہ ان امور سے بھی نہیں جس کا حکم زمانہ کے بدلنے سے بدلتا ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی ائمہ فقہا کی بے شمار نصوص نہی عام کی صورت میں موجود ہیں۔ بلکہ خاص اذان جمعہ کی ممانعت کی طرف بھی رہنمائی ہے۔ اور متعدد دلیلیں اس کے قبح و شناعت پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ ساری تفصیل گذر چکی۔ تو ثابت ہوا کہ اس کو متوارث قرار دینا محال ہے۔ اور یہ قطعاً یقیناً بدعات

مردودہ یں سے ہے۔

اس سے یہ امر بھی روشن ہو گیا کہ کسی امر کے احداث کا وقت معلوم نہ ہونا۔ اس کو قدیم نہیں بناتا۔ جب کہ اس کے حادث ہونے کا علم ہو۔ بلکہ جس کے حدوث کی ابتدا ر معلوم ہو۔ اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ یہ امر بالکل نو پید ہے۔ کیونکہ حادث قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

اور یہ گمان کرنا کہ اس کا حدوث تو زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ بلاشبہ ایک افترا ہے۔ اور وہابی تھانوی کا ہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کہ۔ (امام منبر پر چڑھے اور بیٹھے تو موذن اس کے سامنے اذان دے کہ یہی متوارث ہے۔ اور امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہے۔) غلط ہے۔

صاحب ہدایہ کے قول یہی متوارث ہے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ۔ امام کے سامنے اذان ہونا، کیونکہ امام عینی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ یہ منبر کے سامنے والی اذان زمانہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے اور اسی وقت سے متوارث ہے۔ حالانکہ اس اذان کا تو عہد رسالت سے ہونا منقول۔ متوارث ہے۔

اصل میں ان وہابی صاحب کا یہ زعم باطل۔ ہدایہ اور عینی کی عبارت میں ناجائز دست درازی کا نتیجہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں (اذالم تستحیٔ فاصنع ماشئت) بے شرم ہو گئے تو جو چاہو کرو۔ پوری عبارت یوں ہے۔

. (بذالک) ای بالاذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی المنارۃ
(جری التوارث) من زمن عثمان الی یومنا ھذا۔

یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے یہی جاری و ساری ہو گیا کہ منارہ پر پہلی اذان ہو۔ اور اس کے بعد منبر کے سامنے والی اذان ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی عبارت میں ذالک کا مشار الیہ پہلی اذان کے بعد دوسری اذان ہونے کو قرار دیا ہے۔ نہ کہ دوسری اذان کے منبر کے سامنے ہونے کو۔ اور اسی کو حضرت عثمان کے عہد سے آج تک جاری رہنے کو بتایا۔ اور تھانوی صاحب نے اس کو منبر کے سامنے سے جوڑ دیا۔ اور کیوں نہ ہوتا یہ وہابی قوم بڑی افترا پرداز ہوتی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

یونہی جناب تھانوی کا یہ کہنا کہ۔ ہم اپنے منصب سے اتر کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یعنی المنبر اذان ہشام ابن عبدالملک نے ایجاد کیا۔ زعم فاسد اور وہم کاسد ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متبعین اذان بین یدی الخطیب کو حادث و مکروہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی۔ ہشام ابن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں اس اذان کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء پر دلانا جاری کیا تھا۔ منارہ پر دلانا شروع کیا۔ اور اس دوسری اذان کو منارہ کے بجائے خطیب کے سامنے کر دیا۔

مگر محققین مالکیہ نے اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اس خیال کو رد کر دیا۔ کہ ہشام نے دوسری اذان میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ وہ عہد رسالت اور عہد شیخین بلکہ عہد عثمان و مابعد کے موافق برابر خطیب کے سامنے ہوتی رہی، ہشام نے تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اضافہ کردہ اذان کو مقام زوراء سے منتقل کر کے منارہ مسجد نبوی پر کرانا شروع کیا۔

چنانچہ امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے، مواہب لدنیہ میں ابن حاجب مالکی کی مندرجہ ذیل عبارت کی شرح میں فرمایا۔

خطبہ کی اذان شروع ہونے پر نماز جمعہ کیلئے سعی حرام ہے۔ (یعنی اذان خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی مسجد میں پہونچ جانا چاہئے)

زمانہ رسالت میں یہی معہود و معروف تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا۔ اور نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ تو حضرت ذوالنورین نے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے قبل بھی مقام زوراء پر ایک اذان پکارنے کا حکم دیا۔

پھر ہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کیا۔ اور دوسری اذان کو سامنے دلایا) مطلب یہ ہے کہ دوسری اذان وہیں دلائی جہاں عہد رسالت میں ہوتی تھی۔ اس میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ البتہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو اذان مقام زوراء پر دلوانی شروع کی تھی۔ اسی کو مسجد کی طرف منتقل کیا یعنی اسے منارہ پر دلوانے لگا۔ (اھ بالاختصار)

اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہشام نے منبر کے سامنے والی اذان میں بھی تصرف کیا۔ اور اسے منبر کے متصل دلانے لگا۔ اور سنت رسول کو بدل دیا۔ تو یہ ہشام کون ہے؟ اور کیا ہے؟ کہ اس کے بدلنے کا لحاظ کیا جائے۔ اور اس کی اتباع کی جائے، اور اس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت چھوڑ دی جائے۔ بھلا دینداروں میں سے کون اس پر راضی ہوگا؟

اور اس وہابی نے جو یہ کہا کہ ائمہ ہدیٰ مثل امام مالک و ابو حنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ہشام کی اتباع کی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔ یہ ان ائمہ ہدیٰ پر اس کی افترا پردازی ہے۔ اور ان کی طرف ایک غلیظ برائی کی نسبت ہے۔ ان کا دامن اس آلودگی سے پاک ہے۔ لیکن اس خبیث نے جب گلگویوں کو دو ٹکڑہ کر دیا۔ اور اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالی دی اور اسے چھاپ کر شائع کیا۔ تو اب کون رہ گیا ہم مرتد کے حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

نفحہ (۱۱) ان سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ تم لوگ اس باب میں زمانہ رسالت سے آج تک کے توارث کے مدعی ہو تو کیا کسی اور نے بھی اس توارث پر نص کیا ہے۔

تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے ؟ یا تم لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے ؟ یا آج تم لوگ جو یا کر رہے یا دیکھ رہے ہو۔ حضور کے زمانہ سے آج تک مسلسل جاری ہے، تو ان کو ڈوبنے والے کی بے قراری گھیر لیتی ہے جو ہر تنکے پر سہارے کے لئے ہاتھ مارتا ہے۔ اور یہ لوگ ایک عقلی اور ایک نقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

دلیل منقول میں ان لوگوں کا سہارا ہدایہ اور ہندیہ کا یہ قول ہے، کہ موذن نے منبر کے سامنے اذان دی۔ اور اسی پر توارث ہوا۔ ان کی یہ دلیل اس جہالت کی پیداوار ہے کہ انھوں نے سامنے کے معنی متصل منبر قرار دے لیا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے۔ تو ہدایہ کی بات تو حق وہدایت ہے۔ لیکن اس سے ان کا یہ سمجھنا کہ اذان کا منبر کے بالکل قریب ہونا متوارث ہے۔ ان کی جہالت ہے۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی تغیر ہوا۔ اور آج کل متصل منبر ہو رہی ہے۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

اس دلیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قائل کو علم سے کچھ مس ہی نہیں۔ کیونکہ نہ تو تاریخ میں اس بات کا التزام ہے کہ مسائل جزئیہ شرعیہ سے متعلق ہر ہر جزئے کا اس میں بیان ہوگا۔ نہ مدعی نے اسلام کی ساری تاریخی کتابوں کو پایا۔ نہ سب کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا — ظاہر ہے کسی چیز کا نہ پانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یونہی کسی امر کا ذکر نہ ہونا اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ ہوا ہی نہیں۔

اور اگر سب کچھ منِ وعَن تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہاں تو صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہو رہا تھا۔ آج اس کے خلاف کیا جا رہا ہے۔ تو تاریخ میں ذکر ہو نہ ہو۔ صحیح حدیث سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ سنتِ رسول میں

تغیر ہوا۔ تو کیا آپ لوگ اہل تاریخ کی خوشی کا سہارا لے کر صحیح حدیث کو جھٹلائیں گے؟
اور عین صریح کا انکار کریں گے؟ مگر واقعہ یہ ہے کہ جہل جس پر سوار ہوجاتا ہے۔ اسے رسوائی
یا عار دلانے کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔

نفحہ (۱۲) اور کچھ لوگوں کا توارث جب حدیث و فقہ کے خلاف ہو تو لائق استدلال نہیں ہوتا۔ سب جانتے ہیں کہ توارث میں سب سے عظیم و بزرگ اور پر ہیبت حرمین محترمین زادہم اللہ شرفاً وتعظیماً کا توارث ہے۔ وہ بھی قرون اولیٰ کا۔ مگر ہمارے امام اعظم اور تمام اہل فتاویٰ اذان فجر کے مسئلہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے۔
کیونکہ حدیث اس توارث کے خلاف مروی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

نماز فجر کے لئے دخول وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے۔ اور اگر پہلے دیدی گئی ہو تو وقت ہونے پر دہرائی جائے۔ کہ اذان وقت کے اعلان کیلئے ہے۔ اور وقت سے پہلے دینا لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔

امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ فجر کی اذان توارث حرمین شریفین کی وجہ سے فجر سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔ اور دونوں کے خلاف دلیل حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔ جو آپ نے حضرت بلال سے فرمایا۔ اس وقت تک اذان نہ دو جب تک صبح یوں روشن نہ ہوجائے۔
اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو عرض میں پھیلا دیا۔

حضرت امام اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں۔

صاحب ہدایہ کا حجۃ علی الکل فرمانا، امام شافعی، قاضی ابویوسف۔ اور اہل حرمین سب کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث آغذا اور ماخوذ منہم سب پر حجت ہے۔

تو جب اہل حرمین وہ بھی تابعین اور تبع تابعین جیسے عظیم بزرگوں کا یہ حال ہے۔ پھر ان

مدعیوں کے مزعومہ توارث کا کیا حال ہوگا۔ جس میں آپ جیسوں سے پیوستہ لوگ ہیں۔ ان کا فعل یا سکوت شریعت میں حجت کب ہے؟ کہ اس کو شرع کے خلاف حجت قرار دیا جائے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نفحہ (۱۳) اس توضیح سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری ظاہر ہو گئی۔ جو حرمین شریفین کے موذنوں کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ یہ اذان مکہ شریف میں مطاف کے حاشیہ پر ہوتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد کریم میں مسجد حرام موجودہ مطاف کے حدود میں ہی تھی۔ جیسا کہ ملا علی قاری کی مسلک متقسط وغیرہ میں ہے۔ تو اس تقدیر پر آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہوتی تھی۔ اب مسجد کی توسیع کی وجہ سے اگرچہ وہ جگہ مسجد کے احاطہ میں آ گئی ہے۔ جیسا کہ چاہ زمزم بھی فی الحال مسجد کے احاطہ میں ہی ہے۔ اور مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ چبوترے پر جو منبر کے مقابل ہے۔

تو اگر یہ چبوترے قدیمی ہوں تو بات مکمل ہو گئی۔ کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ چبوترہ اور مئذنہ مسجد بالمعنی الاول سے خارج ہے۔ لیکن بات تو ان کے حادث ہونے کی ہے۔ تو ان سے اذان کے اندرون مسجد ہونے پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے۔

اور جب آپ جان چکے کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد تمام اہل فتویٰ نے تابعین اور تبع تابعین کا توارث قبول نہیں کیا کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ تو آجکل کے موذنوں کی کیا حقیقت ہے؟ کیا کسی حنفی کو یہ اجازت ہے کہ خطبہ جمعہ سننے والے کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت دے۔ اگرچہ یہ کلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہو۔ سلطان اسلام یا شریف مکہ کے لئے دعا خیر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ہمارے ائمہ نے اس وقت دینی اور دنیاوی سبھی قسم کے

کلاموں کی حرمت پر اجماع نہیں کیا ؟

اوراس سے زیادہ اہم معاملہ تکبیر کے ابلاغ ہی کے لئے مکبر کا بہت بلند آواز سے گٹکری بھر کر تکبیر بولنے کا ہے۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے اس کی سخت تردید کی اور فرمایا۔ ایسا کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا ڈر ہے۔ یونہی اس کی نماز جو ایسے مکبر کی آواز پر بنا کرے، اور صاحبان حلیہ و درر و نہر اور اس کے علاوہ علمانے بھی اس کی ممانعت فرمائی۔ اور اس کی نماز فاسد ہونے کا فتویٰ سید علامہ مفتی اسعد مفتی مدینہ منورہ نے دیا جو شیخی زادہ صاحب مجمع الانہر کے شاگرد ہیں۔ اور صاحب در مختار کے ہم عصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔ انھوں نے اپنے فتاوٰی کے شروع میں اس سلسلہ کی ایک عجب بات نقل کی جسے دیکھا جا سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کی دلیلیں حدود و مشہور ہیں۔ اور ان کے باہر کسی کے عمل سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جب کہ وہ عالم بھی نہ ہو، نہ علماء کا زیر فرمان ہو۔

لیکن ان وہابیہ زنادقہ پر سخت تعجب ہے کہ کس طرح موذن کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حرمین شریفین کے حضرات سادات علمائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔ یہ ذلیل قوم علمائے حرمین شریفین پر غلط اتہام رکھتی ہے۔ اور ان کے حق فتووں کی اقتدار نہیں کرتی۔ تو ان کے اعمال حسنہ مثل میلاد وقیام کی کیا پیروی کرے گی ؟

ان پر قول فیصل یہ ہے کہ انھیں سادات حرمین کا فتویٰ حسام الحرمین دکھا کر کہا جائے یہ علمائے حرمین کا فتویٰ نہیں ہے ؟ تو اگر وہ اس کو رد کرتے ہیں تو موذنین حرمین کے فعل سے ہم پر الزام قائم کرنے کا کیا حق ہے ؟ اور اقرار کر کے ان وہابیہ کی تکفیر کرتے ہیں تو ان سے کہا جائے کہ مسئلہ اذان میں آپ ان کافروں کی کیوں اتباع کرتے ہیں۔ آپ کو تو انکار کرنے کا حکم ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو عافیت کے طالب ہیں۔ اور اس کے علاوہ نہ کوئی قوت والا ہے نہ طاقت والا وہی علی وہی عظیم ہے، جل جلالہ دعم نوالہ۔

نفحہ (۱۴) توارث باطل و مظنون کے بارے میں خطبہ میں اور توارث کی اجمالی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا وہ کافی اور شافی ہے۔ ہم نے حق واضح کیا اور مدعیان توارث کے استاذوں ان کے شیوخ اور خود ان سے بھی (سکوت عن الحق کا) الزام زائل کیا۔ کاش کہ یہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے۔ اور صبح چمکنے کے بعد اس کا انکار نہ کرتے۔ حالانکہ وہ ان کے لئے اہم اور ایسا پتھر ہے جو بے توجہی سے انھیں کے اوپر آپڑے گا۔

ہمارے اس دعویٰ پر کہ (عالم انکار کرتا ہے مگر عوام اس کی پرواہ نہیں کرتے) دلیل صاحب ردالمحتار کا مذکورہ بالا قول ہے۔ (کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مدتوں سے معطل ہو چکا ہے)۔

اور اس امر کی دلیل (کہ بسا اوقات عالم منکر دیکھ کر خاموش رہتا ہے) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔

۔ جب تم لوگوں کو اس حال میں دیکھو کہ ان کے عہود ایک دوسرے سے گھٹ گئے ہیں اور امانتوں کو ہلکا سمجھنے لگے ہیں۔ اور وہ جال کی طرح بن گئے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر جال کی صورت بنائی) تو تم اپنے گھر کو لازم پکڑو، اور اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ خود اپنے نفس کی نگہداشت لازم جانو، اور عوام کا معاملہ ان پر چھوڑ دو۔

ابن ماجہ نے ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ تا آنکہ بخل کی حکومت دیکھو،

خواہشات نفس کی پیروی کیجانے لگے۔ اور لوگ دنیا کو اختیار کر چکے ہوں۔ ہر رائے والا اپنی رائے پسند کرے ایسے میں کوئی ضروری معاملہ در پیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو۔ اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دو :

اور اس بات کا ثبوت کہ سلطنتوں کی طرف سے بھی بہت باتیں پھیلائی جاتی ہیں۔ صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ :

تکبیرات عیدین میں آج کل عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل ہو رہا ہے۔ کیونکہ خلفائے بنو العباس نے اسی پر عملدرآمد کا حکم دیا۔ لیکن مذہب تو احناف کا قول اول ہی (یعنی چھ زائد تکبیریں)

اور جو میں نے یہ کہا کہ ظہور منکرات کے وقت علما رخاموش رہے ہیں۔ اس کا ثبوت علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین کثیرہ متوافرہ ائمہ اجلہ کی وہ خاموشی ہے۔ جو ولید کے مسجد نبوی شریف کے آرائش کرنے پر تھی۔ اس لئے دیوار قبلہ اور دونوں چھتوں کے مابین کی آرائش پر ۴۵ ہزار اشرفیاں خرچ کی تھیں۔ حالانکہ انھیں میں سے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس بات پر نکیر کر چکے تھے کہ انھوں نے دیواروں کو اینٹوں کے بجائے منقش پتھروں سے بنوایا۔ اور چھت کو کھجور کے پتوں کے بجائے ساج کی لکڑی سے۔ امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں :

۔ ولید بن عبد الملک بن مروان نے سب سے پہلے مسجد شریف کو مزین کیا صحابہ کرام کے آخری عہد کی بات ہے۔ بہت سارے اہل علم اس وقت اس لئے خاموش رہے۔ کہ فتنہ برپا ہوگا۔

اور اس امر کی دلیل کہ (اس معاملہ میں متأخرین پہ معاملہ تعامل سے مشتبہ ہوگیا۔ حدیہ کہ علمار بھی شبہ میں پڑگئے) شیخ مجدد کا وہ قول ہے جسے ہم نقل کر چکے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے

گذرنے والوں اور باقی رہنے والوں سبھی کا عذر ظاہر ہو گیا۔ اگر کوئی ہمارے اس بیان پر راضی نہ ہو تو خود اپنے ہی شیوخ اور اساتذہ پر جہل یا سکوت عن الحق کا فیصلہ کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے بچ سکتا تھا۔

خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتوں کا احیار فرمایا۔ اور کتنی بدعتوں کی تاریکیاں کافور فرمائیں۔ یہ امران کے لئے تو اجر عظیم اور بقائے ذکر حسن کا ذریعہ ہے۔ اور بجا طور پر باعث فخر و مباہات ہے۔ لیکن ان سے قبل گذرنے والے صحابہ کرام اور اکابر ائمہ تابعین اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کسی عتاب یا عیب جوئی کا سبب نہیں۔ کہ وہ لوگ حق سے غافل رہے، یا اس سے خموشی اختیار کی۔ نہ اس سے امیرالمومنین پر خوردہ گیری کی گئی کہ آپ نے ان چیزوں کی مزاحمت کیوں کی جس سے متقدمین ائمہ نے پرہیز کیا۔ یا آپ نے ان امور کا انکار کیا۔ جسے ان بزرگوں نے باقی رکھا۔ تو کیا آپ ان سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں اور ان سے زیادہ ذکی وعلیم ہیں ؟ ۔

اور اسی میں تمام مجددین کا معاملہ شامل ہے کہ وہ بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں۔ کہ جو کمزوری آگئی ہے اسے مضبوط کریں۔ اور کہنہ معلوم ہو رہا ہے اس کو نیا کریں۔ اور بسا اوقات ان مجددین سے پہلے ان سے بڑے بڑے اور ان سے زیادہ پرہیزگار علمار گذر چکے ہوتے ہیں۔

اور علمائے غیر مجددین بھی احیائے سنت و اماتت بدعت کے ہی در پے ہوتے ہیں۔ اور کئی بات پر ان کی تعریف ہوتی ہے۔ جس کا انھیں اجر ملے گا۔ اور جو یہ کارنامہ کئے بغیر گذر گئے نہ تو ان کی برائی ہوتی ہے، نہ کرنے والوں کو عار دلایا جاتا ہے۔ اور یہ تو ایک مشہور مثل ہے۔ کہ پہلے کے بزرگ بعد میں آنے والوں کے لئے بہت سے کام چھوڑ گئے۔

حضرت غوث اعظم، قطب معظم، سید الاولیار۔ سند الائمہ (اللہ تعالیٰ ان کے جد کریم خود ان پر اور ان کے اصول و فروع، مشائخ و مریدین۔ اور ان سے نسبت رکھنے والوں پر

اپنی رحمت نازل فرمائے) سے ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات
میں روایت کی کہ

آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، حضور آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا۔
آپ نے جواب دیا۔ میں ۵۱۱ھ ہجری میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد
لوٹ رہا تھا۔ اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے راستہ میں ایک کمزور
اور نحیف۔ رنگ پریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا۔ اس نے مجھے عبدالقادر کہکر سلام
کیا۔ میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا کہ
آپ مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تروتازہ ہو گیا۔ صورت نکھر آئی
اور رنگ چمک اٹھا۔ مجھے اس سے خوف معلوم ہوا۔ تو اس نے کہا مجھے پہچانتے
ہو۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی۔ تو اس نے بتایا میں ہی دین اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ
نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی۔ اور آپ محی الدین ہیں۔

میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش
کیے۔ اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا۔ میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چہار جانب سے مجھ پر
ٹوٹ پڑے۔ میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے
محی الدین نہیں کہا تھا۔

میں کہتا ہوں یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب آپ کمال کو پہنچ گئے تھے، اور آپ کی عمر شریف
چالیس سال ہو چکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ایسی حالت ہو گئی تھی۔
کہ اس کو مردہ کہا جائے یا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ نہیں۔ تو آپ نے زندہ کس کو کیا۔ اور
اور آپ کا نام محی الدین کیوں ہوا؟ اور اگر ہاں کہا جائے تو وہ ائمہ عظام اور اولیائے
کرام کیا اسلام کی اس کمزوری سے غافل تھے۔ یا انھوں نے حق کی حمایت چھوڑ دی تھی۔

کہ دین ضعف کی اس حد تک پہونچ گیا تھا۔ یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علمار و اولیاء سے خالی ہو گئی تھی، حالانکہ یہ تینوں باتیں خلاف واقعہ اور باطل ہیں۔

تو حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کے لئے اجر ہے۔ اور جو لوگ پہلے خاموش گذرے ان کے لئے عذر رہے۔ اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دست قدرت میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتا ہے فضیلت عطا فرماتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین اذان بیرون مسجد شریعت کو رد کرتے ہیں۔ اور احیائے سنت کا راستہ مسدود کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جب کوئی بندہ خدا احیائے سنت و امانت بدعت کیلئے اٹھے۔ اسے یہ کہہ کر روکا جا سکتا ہے۔ کیا آپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے؟ کیا وہ سب جاہل تھے؟ کیا وہ سب غافل تھے؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں۔ تو یہ صورت حال اس حدیث کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گا۔ اور جھوٹے کو شاباشی ملیگی معروف و مشروع باتیں ناپسند ہونگی۔ اور منکرات کو قبول کیا جائے گا۔

یہ ان لوگوں کی مراد اور حیلہ جوئیوں کا جواب ہے۔ اور مکر سے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکہ دیتا ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کے طلبگار ہیں۔

یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جد و جہد کی تنقید سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ توفیق خیر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

نفحہ (۱۵) بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جویبر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ عنہم روایت کیا کہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے موذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے
خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ کے سامنے
اذان دی جائے جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ہوتا تھا۔
اس کے بعد آپ نے فرمایا ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔

اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔ اور اس اذان کیلئے یہ کہنا کہ یہ اذان عہد رسالت اور زمانہ صدیقی رضی اللہ عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی۔ اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرون مسجد ہوتی تھی۔

جواب۔ اولاً: ہم نویں فقہی نقطہ میں بیان کر آئے ہیں۔ کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں۔ اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنی ہوں گے۔ اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدعناہ عند کثرۃ المسلمین۔ اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں، اور معنی ثانی ہو تو بھی ہمکو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تو اسی کے قائل ہیں۔ کہ حدود مسجد کے اندر ہو۔ مگر موضع صلاۃ سے باہر ہو۔ مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالا توضیح ایسے تمام شبہوں کیلئے نسخہ شفا ہے۔

ثانیاً۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح کو رد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں۔ جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث و نقہ متفق ہیں۔ اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ جویبر اور ابن اسحاق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے۔ نہ تو تہذیب و کامل میں جویبر کی توثیق کسی ائمہ تعدیل سے مروی، نہ تہذیب التہذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لآلی موضوعہ، نہ علل متناہیہ نہ خلاصۃ التہذیب مع زیادات میں، ہے تو صرف جرح ہے۔

- چنانچہ نسائی علی بن جنید، اور دارقطنی فرماتے ہیں ——— متروک ہے۔

- ابن معین فرماتے ہیں ——— کچھ نہیں ضعیف ہے۔
- ابن المدینی فرماتے ہیں ——— بے حد ضعیف ہیں۔
- یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا ——— جن سے روایت نہ کیجائے۔
- امام ابوداؤد نے فرمایا ——— وہ ضعیف پر ہیں۔
- ابن عدی فرماتے ہیں ——— انکی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔
- حاکم ابو احمد نے فرمایا ——— انکی حدیثیں ضائع ہیں۔
- حاکم ابو عبداللہ نے فرمایا ——— میں انکی حدیثوں سے اللہ تعالی کی طرف برأت ظاہر کرتا ہوں۔
- امام ابن حبان فرماتے ہیں ——— ضحاک الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔
- لآلی میں فرمایا ——— ہلاک کرنے والے، برباد کرنے والے سخت متروک ہیں۔
- اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے منقول ہے ——— محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہیں۔
- تقریب میں ہے ——— بے حد ضعیف ہیں۔
- احمد بن سیار نے فرمایا ——— تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے۔ اور روایت میں کمزور ہیں
- یحیٰی ابن سعید نے فرمایا ——— حدیث میں ان پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ روایت نہیں کیجاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔
- اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا ——— ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے اور اگر ضحاک سے جو یبر روایت کریں تو اور شدید ہے اور یہ متروک ہیں۔

تو کیتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جو یبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے اور محمد بن اسحاق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑ دی جائے۔

ثالثاً۔ ان حضرات کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحاق کی حدیث پر معنعن ہونے کا

الزام لگاتے ہیں۔ جب کہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن معاذ روایت ہے جو یقیناً منقطع ہے۔

رابعًا۔ ان حضرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا۔ اور اس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دیا۔ کہ یہ اثر مکحول اور معاذ رضی اللہ عنہم کے درمیان منقطع ہے۔

خامسًا۔ صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کر دی۔ یہ روایت ثابت نہیں، کہ اس روایت میں ہے کہ عہد عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیا۔ جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے۔ پھر وہیں رہ گئے۔ مدینہ شریف واپس نہیں آئے۔ یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔

سادسًا۔ ان لوگوں نے صاحب فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑ دی۔ کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذان اول کا اضافہ کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن حجر کی ان تنقیدوں سے ثابت ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے۔ معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے۔ اور ان حضرات نے سب کو چھوڑا تو خائن ہوئے۔

سابعًا۔ اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو بطور عبارۃ النص نہیں۔ بلکہ بطور مفہوم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جو ائمہ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔ یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں۔ مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر، جو مالکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور اندلسی مالکی کا قول ہے۔

ثامنًا۔ بادشاہ کے پاس تین نفر آئے، ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک، دو اور پیچھے رہے۔ بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ حاجب نے جواب دیا۔ ایک تو بادشاہ کے سامنے ہے۔ اور دو دربار سے باہر ہیں۔ تو حاجب جیسے بادشاہ کے

سامنے کہا گیا وہ دربار کے اندر تھا۔ وہ تو دروازہ پر ہی تھا۔ لیکن جہالت عجب عجب گل کھلاتی ہے۔

نفحہ (۱۶) مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہوگیا۔ جو امام نسائی نے نقل کیا۔

ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہونچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھا دیا۔ اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا۔ اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اور اس میں اذان دیا۔

اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہوگیا۔ جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ

ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے۔ جس میں اذان ہو چکی تھی۔ اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے۔ تو موذن نے تثویب کہی۔ تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔

یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں، جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے۔

من سنن الهدیٰ الصلوٰة فی مسجد الذی یوذن فیه، جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدیٰ ہے۔

یہ اثر ہم نفحہ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کر آئے۔ مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں۔

کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا۔ ای فی حدوده لکراهة الاذان فی المسجد،

قال المجاهد قلت مع عبد الله بن عمر مسجداً اذن فیه الحدیث۔

مطلب یہ کہ جس مسجد کے حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنت ہے۔ کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے لفظ فیہ کا اضافہ کر دیا۔ اور حوالہ میں صلوٰۃ مسعودی کا نام لکھا۔ حالانکہ صلوٰۃ مسعودی میں یہ روایت صلاۃ امام سرخسی اور صلاۃ امام ابو بکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دخل مسجداً الیصلی فخرج المؤذن فنادا بالصلاۃ (الحدیث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے

سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی۔ تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی۔ ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی۔

جس نے کسی مسجد میں اذان پائی۔ اس کے بعد مسجد سے بلا ضرورت باہر رہا۔ اور واپس ہونیکا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔

استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے (یعنی اذان سننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی۔ امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔ من ادرک الاذان وھو فی المسجد (جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا)

بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اس کی شرح یہی فرمائی گئی۔ امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے۔ تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو!
اور انتہائی بے وقوفی یہ ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جائے۔
میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دو ہرے کپڑے تھے۔ تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دی (اور ابو الشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علی سطح المسجد (مسجد کی چھت پر) کہا، اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں (دراصل حضرت عبداللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا۔
اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ:
مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا۔ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابتداء سے اسی پر اذان دیتے تھے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنائی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کر دیا۔ تو اسی پر اذان دینے لگے۔
ہم بیان کرتے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں۔ تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا۔ اور بیوقوف اپنی کھرسے ہی اپنی موت کریدتا ہے۔

نفحہ (۱۷) دوبے وقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا۔ جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے۔ تو اے عبداللہ، بلال رضی اللہ عنہا کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ۔ تم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات

اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دہراتے "

یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔

اولاً۔ مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کی نہیں)

ثانیاً۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارک، اور حجرہ ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر ہی تھے۔ تو دروازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حضرت عبد اللہ بن زید کا آنا۔ قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا۔ اس کی تصریح امام ابو داؤد نے اپنی روایت میں کی ہے۔ اور ابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی۔ الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں۔

فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ (ابی داؤد)

نطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ رات میں انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ (ابن ماجہ)

اور یہ وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا۔ نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا۔ تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو مسجد مبارک میں تھے۔ یا حجرہ شریفہ میں تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عبد اللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے (روایات سے یہی ظاہر ہے۔ ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی (جو استدلال کو باطل کر دیتا ہے) اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤ۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤ۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکاران الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے حدود میں اذان دی جائے۔ مسجد میں نہیں۔ نہ مسجد سے بہت دور جیسا کہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے انھیں دکھایا تھا۔

پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ اور وہ اس کو الٹ رہے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انھیں مسجد سے باہر اذان دیکر دکھایا تھا۔ یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ تعلیم کے لئے ہی آیا تھا۔ اس لئے آپ نے حکم دیا۔ کہ اندرون مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ۔ فالحمد للہ

ثالثاً۔ اوران سب سے قطع نظر کیا جائے تو ہم ایک تام اور عام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرے اور تیسرے معنیٰ مراد ہیں۔

نفحہ (۱۸) بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے۔ حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا۔

(اے ابراہیم) لوگوں سے حج کا اعلان کرو۔

اور سعید بن منصور اور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ تو آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے فرمایا (جسے مشرق ومغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو اپنے رب کا جواب دو۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر اعلان کیلئے کھڑے ہوئے۔ تو انھیں لے کر بلند ہونے لگا۔ یہانتک کہ زمین کے تمام پہاڑوں

سے بلند ہو گیا ۔ آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا۔ جو سات سمندروں کی تہ سے بھی سنا گیا ۔

ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی ، اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر پکارا اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ، تو باپوں کی پشت سے اور ماؤں کے شکم سے لوگوں نے ان کی آواز سنی ۔

مستدلین کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا ۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا ۔

بحر میں کہا گیا کہ علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے ۔ کہ مقام ابراہیم عہد رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا ۔ ابن جماعہ نے اسی کو صحیح کہا ۔

اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما میں تھا ۔

اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا ۔ پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکایا گیا ۔ حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی ۔ تو وہ اسی حال پر دیوار کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا ۔

ایسا ہی تاریخ قطبی اور بقیہ کتب تاریخ میں تحریر ہے :

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے ۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے ۔ جب دیواریں بلند ہو گئیں ، تو مقام ابراہیم اسی کے قریب لایا گیا ۔ اور آپ اسی پر کھڑے ہو کر دیواریں چنتے تھے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ اعلان حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا ۔ بعد میں کسی مصلحت پر

کچھ اور کھسکا دیا گیا۔

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ عہد قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے، تب بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے۔ اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگ مرمر بچھا ہوا ہے۔ اور مقام ابراہیم اسی میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اذان داخل مسجد مطلقاً جائز ہے۔ اس میں نہ تو کوئی کراہت نہ کوئی بدعت۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے۔ اور پاگلوں بے وقوفوں اور بچوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔

اولاً۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہد جاہلیت میں مقام ابراہیم کے دیوار کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہد خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو۔ اور موجودہ حالت پر قیاس کرکے ایک اِدھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں۔ اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور ظاہرے کی ہے۔ اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔ اس سے معترض کو فائدہ پہونچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔

ثانیاً۔ تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے۔ پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔

ثالثاً۔ قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابراہیم کا ٹھکانا کہیں اور تھا۔ تعمیر کی ضرورت سے دیوار کعبہ کے پاس لایا گیا۔ اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے۔ ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کر لی جاتی ہے۔ خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگا دیئے جاتے ہیں۔ پھر علیحدہ

کرلئے جاتے ہیں۔ اوران کے اصل مقام پر انھیں لوٹا دیا جاتا ہے۔

رابعًا۔ اور اگر یہ ان بھی لیا جائے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا۔ تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیا۔ زعم باطل ہے۔ جس کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔ تو ہم بتا چکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہونچتا۔

خامسًا۔ اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلان حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا۔ جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ازرقی نے ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

> میں نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ اعلان سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس پتھر کو لیا کر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے۔ اور آپ اسی پتھر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔

سادسًا۔ اس شبہ کو جڑ بنیاد سے اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے۔ جیسا کہ اس مبحوثہ روایت میں انھوں نے کیا۔ ابن ابی حاتم ربیع ابن انس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ یہ حضرت موسیٰ و خضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصہ میں ہے۔ مندرجہ ذیل روایت

کو بھی ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ :

میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے۔ جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔ اور میں نے ان سے جنۃ الماویٰ کے بارے میں پوچھا۔ تو انھوں نے فرمایا ایسا باغ جن میں شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔

ابن جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں پوچھا۔

(القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے۔ اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے۔) ادھر امیر المومنین مولا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ثبیر پر چڑھ کر اعلان حج فرمایا تھا۔ عبد الرزاق وغیرہ نے معمر سے انھوں نے ابن جبیر سے انھوں نے حضرت علی سے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) روایت کی کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبریل امین کو بھیجا۔ اور انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کرایا۔ آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیا۔ (ایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے) اور اسی وجہ سے اس کا نام عرفہ پڑا۔ یوم النحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیا۔ تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکری مارنے کی ہدایت کی، اور آپ نے ابلیس کو سنگسار کیا۔ پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اسی لیے حج میں رمی جمار شروع ہوئی۔ حضرت جبرئیل امین نے

فرمایا کوہ ثبیر پر چڑھو ۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا۔ اے بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب دو اے بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو ۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سنا گیا ۔

یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے ۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے ۔ اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں، بالکلیہ سماعی ہے ۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے ۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی سن کر بیان فرمائی ۔ تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلان حج مناشریف کے پہاڑ سے ہوا ۔ اور یہ بات ساقط الاعتبار ہو گئی کہ اعلان حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا ۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں ۔ کہ جبل ثبیر بھی حدود حرم کے اندر ہی ہے چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے ۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے ۔

مسابعًا ۔ اعلان حج کے مقام میں حضرت ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں ۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے ۔ اور بعض میں یہ ہے کہ جبل ابو قبیس پر اعلان حج ہوا ۔

چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ :

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابو قبیس پر چڑھے اور کہا ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اشهد ان لا الٰہ الا اللہ ۔ واشهد ان ابراهیم رسول اللہ اے لوگو مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں، تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب دو ۔

اور بعض روایتوں میں جبل ابو قبیس کے بجائے کوہ صفا کا ذکر ہے ۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اس طرح مروی ہے ۔

. حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پر لوگوں کو حج کا اعلان کریں۔ آپ نے ایسی آواز سے پکار کر مشرق و مغرب کے لوگوں نے سنا۔

اعلان کے الفاظ یہ تھے۔ اے لوگو اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

ابوحاتم اور ابن منذر نے عطا سے روایت کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ صفا پر چڑھے، اور پکارا اے لوگو اپنے رب کا جواب دو۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں تین اضطراب ہوئے۔ ورنہ دو ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

پس اس اعتبار سے بھی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت راجح اور اولی بالاخذ ہے۔ اسی لئے ثعلبی نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیا۔ اور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔

ثامناً ساری بحث ومباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گذشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا۔ اور گذشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں۔ جب تک قرآن و حدیث میں اس کا بیان بلا انکار نہ ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون و شروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا۔

ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی۔ کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی ہے۔

اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسہ نہیں کہ ان لوگوں نے

انھیں محرف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انھیں کی جماعت سے سنا ہوگا۔

(دیکھئے کشف الاسرار للبخاری مثلہ)

بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت میں فرمایا:

خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہیے کہ وہ تو بلاشبہ سچے تھے۔ اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا۔ کیونکہ تحریف تو ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے۔ نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے۔ تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے۔

یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعویٰ جوں کا توں تسلیم کر لیا جائے۔ ورنہ تفصیل گذر چکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کافر سے اندرون مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعویٰ میں اپنی خواہش نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

تاسعًا۔ قابلِ تعجب بات تو یہ ہے کہ "مقام ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔

عاشرًا۔ اس سے زیادہ حیرتناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے۔ جہاں تک عہد رسالت میں مسجد تھی۔ تو زمزم شریف کا اردگرد بھی عہد رسالت کی مسجد میں شامل ہوگیا۔ کہ وہاں بھی سنگ مرمر بچھا ہے۔ اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہد رسالت کی مسجد حرام ہوگئی۔ حالانکہ مطاف تو سنگ مرمر کا گول دائرہ ہے۔ جو کعبہ مکرمہ کے گرداگرد ہے۔ اور جس کے کنارہ پر باب السلام

ہے اور بلاشبہ مقام ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے۔ اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے۔ کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے۔

نفحہ (۱۹) مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے منع کرے۔

اور آیت مبارکہ

اور مسجد جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہوتا ہے۔

اور آیتِ گرامی۔

ان گھروں کو اللہ تعالیٰ نے بلند کرنے کا اور اس میں اپنا نام لینے کا حکم دیا۔

اور بقول صاحب مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث۔ ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے۔

یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں۔ یہ تو ذکر الٰہی۔ نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہیں۔

ہمارے جوابات:۔ اولاً ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کر چکے ہیں۔ کہ اذان محض ذکر الٰہی ہی نہیں ہے۔

ثانیاً۔ مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے۔ اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے

اے لوگو اپنے نفسوں پر آسانی کرو۔ تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلا رہے ہو تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔

بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ذکر الٰہی سے رد کرتے تھے۔ ہم ما سبق میں درر وغیرہ کے حوالہ سے واضح کر چکے ہیں کہ ——— مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔

ملا علی قاری کی منسک متقسط میں ابن ضیار کی تصریح ہے کہ۔ مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔

کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد، اور محیط، فتح القدیر، بحرالرائق، شرح لباب و شامی وغیرہا میں ہے ——— طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا منع ہے۔

تو بنا ہ بجبر کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ سارے ائمہ و علماء معاذ اللہ قرآن و حدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔ وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔

ثالثاً۔ یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہو گی جنھوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی۔ وہ تو بلاشبہ اس سے اللہ تعالیٰ کے امن میں محفوظ ہیں۔ ہاں جو ان پر طعن و تشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڈھے میں مقہور و مردود ہے۔

رابعاً۔ یہ وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں۔ جو آپ سے مروی ہے کہ۔

آپ نے ان لوگوں پر انکار کیا۔ جو ایک مسجد میں گروہ در گروہ حلقہ بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو۔ بار لا الٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔ بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔

آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہدایت پر ہے۔ یا تم لوگ گمرہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔

ان لوگوں نے عرض کی یا ابا عبد الرحمن اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے۔ آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک پہونچتے ہیں؟

ہم نے اپنے فتاویٰ کی گیارہویں جلدیں اس کے متعدد بھرپور جواب دیئے ہیں۔ لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی۔ یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی وعید من اظلم میں شامل کرتے ہیں۔ اور ان سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تو اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں۔ تو قیامت میں انھیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔

نفحہ (۲۰)

ہم شمامہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کر آئے ہیں۔ کہ امام دارالہجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعت مکروہ قرار دیا ہے۔ اور اپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں۔ مگر ابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے۔ اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے۔ اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابوعمر بن عبدالبر بھی ہیں۔ اس کی مخالفت کی اور اذان خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔

حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحب مذہب رحمۃ اللہ علیہ کا قول بتایا۔

تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو سہو لاحق ہوا ہو۔ اور بھول چوک تو انسان کے لئے ہی ہے۔

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا۔ شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح

کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

استذکار میں ہے۔ (یہ موطا کی ایک مختصر شرح ہے، جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیا ہے) کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی۔ تو ان لوگوں نے عہد رسالت اور عہد شیخین میں اذان جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیا۔ اور یہ کہا کہ یہ تو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔ یہ علم حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہے (اور اس سے صاحب استذکار کی مراد شاید داؤدی ہیں) پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے استدلال کیا جو بخاری میں مروی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحاق عن زہری عن سائب ابن یزید نے زائل کر دیا۔ اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے اذان ہوتی۔ اور ایسا ہی ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی ہوتا رہا۔ اھ

تو دیکھئے کہ اعلام مالکیہ دو فرقہ ہو گئے۔ ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے۔ سنت تو منارہ کی اذان ہے۔ اور جمہور کے اس قول کی مخالفت انھیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان تو خطیب کے سامنے کی ہے۔ اور اس کی شہادت میں ابن اسحاق کی حدیث مولہ بالا پیش کی اور یہ ضروری بھی تھا کہ ابن اسحاق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں بین یدیہ کا لفظ نہیں ہے۔ تو حدیث ابن اسحاق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے۔ جسے وہ اپنے جمہور پر رد کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحاق کو بھی رد کیا ہے۔

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اشتباہ ہو، اور انھوں نے رد کو بھی مردود سمجھ لیا۔ (یعنی یہ سمجھا کہ منازعین اپنے جمہور کے قول کی طرح حدیث ابن اسحاق کو بھی رد کرتے ہیں)

اسی لئے وہ فرماتے ہیں :

"بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انھوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ خطیب کے سامنے نہیں، بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ ایسا ہی ابن عبدالبر نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا۔ امر قدیم نہیں۔

اور محمد بن اسحاق کی جو حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے۔ اس کی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی (دروازہ مسجد پر نہیں) اور یہی روایت بخاری کا مقتضی ہے۔

(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول (اذان تو خطیب کے سامنے ہوتی جیسا کہ روایت بخاری کا مقتضا ہے) کا رد کرتے ہوئے فرمایا)

بخاری کی روایت میں نہ بین یدیہ کا ذکر ہے نہ باب مسجد کا۔

ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ "روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں" بجا ہے۔ لیکن منازعین کا استدلال دراصل روایت ابن اسحاق سے ہے (جس میں لفظ بین یدیہ مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لئے لیا گیا ہے۔ کہ روایت ابن اسحاق کی اصل بخاری میں ہے۔ بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحاق کی سند سے یہی حدیث ابوداؤد نے مفصل تخریج کی ہے۔ اور یہی استنذکار کی عبارت سے بھی ہویدا ہے۔

(ایسی صورت میں) بھلا حدیث ابن اسحاق پر اس بات سے کیسے رد ہو سکتا ہے۔ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، خود حدیث ابن اسحاق بھی تو اسی امر کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی۔ تو ایک بات کو خود اسی سے رد

کرنے کے کیا معنی ؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسہ کرکے لکھا۔ اگر منازعت کرنے والوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا۔ تو انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کا بھی رد نہیں کرتے۔ وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف سند میں پیش کرتے ہیں۔

اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں۔ کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے ہونے کی تصریح صرف حدیث ابن اسحاق میں ہے۔ تو جو بات خود حدیث ابن اسحاق ہے۔ اسی سے اس حدیث کو رد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

لیکن حضرت علی قاری بھول گئے اور خود حدیث اور کلام منازعین کو بھی نہیں دیکھا۔ اور جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحاق کا رد کرتے ہیں۔ اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور روایت ابن اسحاق میں جبھی منازعت ہو گی کہ ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے مراد مسجد نبوی کا ایسا دروازہ ہو، جو منبر کے سامنے نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ حدیث ابن اسحاق میں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا مشرقی دروازہ ہے یا مغربی، اور اس کو مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ ان کے زمانہ میں بلکہ ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف کا شمالی دروازہ جو منبر کے بالمقابل تھا۔ ختم ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنا لئے تھے۔ جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے۔ تو انھیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدیہ اور باب المسجد دو مختلف سمتوں میں ہیں۔ اسی لئے انھوں نے اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف سمجھا۔

پھر پلٹ کر اصحاب بین یدیہ کا رد کیا، کہ حدیث بخاری میں تو بین یدیہ کا لفظ ہے ہی نہیں۔ پھر بین یدیہ روایت بخاری کا متعقبی کیونکر ہوا۔ اس لئے آپ حضرت کا علی الباب والی روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے۔

لیکن خود احناف اذان بین یدیہ کے قائل ہیں، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں۔ اس لئے ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتدا میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو۔ جیسا کہ روایت ابن اسحاق یا کلام مالک میں ہے۔ لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام منازعین کی بھی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے۔ پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقاً اذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیا حاصل)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو اذان باب مسجد پر دیتے تھے۔ وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو۔ اور یہی حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعلان کی اصل رہو۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالا اثر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کرکے اس کا رد کیا ہے۔ اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں۔ اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشا بھی ظاہر ہوگا۔ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دیکر فرماتے ہیں:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہوسکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اذان اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔ پھر اذان بین یدیہ دلائی۔
اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع
ہے اس کا ثبوت نہیں۔ اور حضرت عطا رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ
عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان
کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا۔ حضرت عثمان کے دور تک جاری رہا۔ پھر انھوں نے
اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے بلند مکان پر اذان دلانی شروع کر دی
اور ان کے امام مطاع ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عمل درآمد جاری کر دیا۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ شیخ علی قاری کی یہ جد وجہد جمع کے بجائے قمع ہے۔ کیونکہ آخر میں انھوں نے یہ اقرار کیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کر دیا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اذان اول کے موجد ہوئے۔ اور حضرت عطا ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ہونیکا ہی انکار کرتے ہیں۔ تو ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی بات جمع بین القولین کیسے ہوئی؟

اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحب فتح الباری کی طرح کہا جائے (۱) مثبت روایت (یعنی ذوالنورین کا موجد اذان اول ہوتا) نافی (یعنی قول عطا) پر مقدم ہے (۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ہے۔ جس کی تردید نہیں ہوسکتی۔ اس لئے نہ تو حضرت عطا کے انکار کا کچھ فائدہ ہوگا۔ نہ تفسیر جویبر کی روایت اثر انداز ہوگی۔

المختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معنی واضح ہوگئے۔ کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب یا علی باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کی جارہی ہے۔ وہ دراصل اذان نہ تھی۔ نماز جمعہ

کا اعلان تھا۔ اور یہی حضرت فاروق و عثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے۔

لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان کا رواج عہد رسالت سے ہی تھا۔ تو پھر حضرت عمر نے یہی اعلان کرکے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی ؟

ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ۔ یہ اعلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ میں موقوف ہوگیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اور اس کا نام ایجاد رکھا ہوگا۔ جیساکہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعت کہا تھا۔ حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو ہوسکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ لفظ سے شروع کیا ہے۔ کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے۔ نہ ان کی اس جدوجہد سے مختلف اقوال و روایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے تمام امکانات اور احتمالات کا حاصل یہ ہے۔

> کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا۔ پھر امام جب منبر پر بیٹھتا تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی۔ پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔

تو وہ اذان جس کا ذکر روایت ابن اسحاق میں ہے۔ جسے وہ مسجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی۔ وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی۔ مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں۔

اولاً۔ امام مالک رضی اللہ عنہ امام کے سامنے اذان خطبہ دینے سے منع کرتے تھے۔ اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑے۔

ثانیاً۔ یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازہ مسجد پر بھی تھی۔ اور وہی آپ کے سامنے بھی تھی۔ اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علاحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحاق میں جو چیز مذکور ہے۔ اگر اذان ہے تو وہ در مسجد پر ہوتی تھی۔ اور اگر اعلان تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا۔ پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی۔

ثالثاً۔ اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی۔ اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابل اعتماد ہے۔ ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہد رسالت و عہد صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ ان زمانوں میں تثویب کا رواج بھی نہ تھا۔ ہاں نماز فجر کے لئے البتہ الصلوٰۃ خیر من النوم پکارا جاتا تھا۔ اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔

پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا

کہ عہد رسالت میں جمعہ کیلئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی۔ اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔ (رابعًا)
اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ جب عہد رسالت کے اخیر یا عہد صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہو گیا۔
تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کیلئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان، اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔
خامسًا۔ اس صورت میں حضرت عمر کے قول "ہم نے مسلمانوں کی کثرت کیوجہ سے اسکو ایجاد کیا" کا
مطلب احداث ہی ہوگا، تجدید نہیں۔ کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو زمانہ رسالت سے ہی چالو تھا۔
سادسًا۔ اس تقدیر پر اذان خطبہ ہی تو ایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔

سابعًا۔ یہ اعلان حضرات فاروق وعثمان رضی اللہ عنہما کے اعلان کی اصل کیسے
ہوا۔ ان حضرات کا اعلان تو آپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا۔ اور
جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتا رہے ہیں۔ یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت
ہوتا ہے۔ المختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت
وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث
احادیث اور کلام منازعین۔ اور کلام امام مالک اور ان کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر
لکھ دیا۔ ورنہ یہ اوہام عارض ہوتے نہ کہ حدیث ابن اسحاق کی تاویل نا درست ہوتی۔
عہد حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا۔ ڈوبنے والے
کے تنکہ کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے۔ اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ
تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کر چکے ہیں۔
لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔ کہ
ان کا دعویٰ تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے۔ اور اس پوری بحث میں اندرون مسجد
اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

نفحہ (۲۱) | قہستانی نے شرح نقایہ میں مصنف کے قول۔ دوسری اذان خطیب کے

سامنے ہو گی۔ کی شرح میں کہا۔

یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جارہی ہیں۔ ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وسط کی سین ساکن ہے، تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ ومنفرجہ سبھی صورتوں کو شامل ہے۔ یہ سب زاوے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے۔ کہ موذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو. لیکن اذان کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ موذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو۔
اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ موذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو. لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رخ کریں۔
اور اس کی بات سنیں۔ اھ

قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اور اس عبارت کا حل کرنا انھیں مشکل پڑ رہا ہے۔ اور اس کا مطلب بیان کرتے ہیں وہ لوگ باہم متناقض ہیں۔ اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی۔ اور فی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشاں خاطری کے اظہار کا ذریعہ۔ اور ان کی بے وتوقی کے ظہور کا سبب بنی۔ اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابل اعتماد بات نہیں۔

تو بتوفیق اللہ تعالیٰ پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں۔ پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے۔ پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے۔ اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔

مقدمہ اولیٰ :۔ فقہاء کے قول بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازاً خطیب

مراد لیا گیا ہے۔ یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحرالرائق کا یہ قول ہے جو انھوں نے بحر میں فرمایا۔

قول بین یدیہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جو منبر پر بیٹھا ہو،
قدوری میں ہے۔

لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازاً خطیب مراد ہے۔ کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔

ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے۔ کہ منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔ **عقلی** دلیل یہ ہے کہ منبر اگر اتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں۔ تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور موذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنت ترک کر دی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں ہے۔ منبر کے سامنے البتہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ موذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں۔ اس لئے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو لامحالہ موذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہی رخ کرتا تھا۔ یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

مقدمہ ثانیہ :۔ مُغرب میں ہے۔

الوسط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا جیسے دائرہ کیلئے مرکز۔ اور الوسط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے تو مثلاً دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون تو کلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔ اور وسط بالتحریک، مبتدا، فاعل، مفعول بہ واقع ہوتا ہے۔ اور اس پر حرف جر بھی داخل ہوتا ہے۔ اور وسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وَسْطُ خَرَّسْ

طرف اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔ اس صورت میں وسط مبتداء واقع ہوا ہے۔ واتسع وسطہ' یہ وسط کے فاعل ہونے کی مثال ہے کہ اس کا بیچ وسیع ہوا۔ ضربت وسطہ اس کے بیچ میں مارا یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔ اور بلت فی وسط الدار تم نے بیچ گھر میں پیشاب کر دیا۔ یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔ لیکن وسط بالسکون کے استعمال کی صرف صورت یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتا ہے۔ جیسے جلست وسط میں گھر میں بیٹھا۔ یہاں وسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے۔ ام

ایک علامت یہ بھی ہے۔

کہ وَسط بالتحریک مذکر مونث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے وجعلنا کم امۃ وسطا۔ ہم نے تم کو امت وسط بنایا یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے۔ للہ علی ان اھدی شاتین وَسَطا میں اللہ تعالیٰ کے لئے دو متوسط بکری نذر کرتا ہوں۔ یہاں وسط تثنیہ مونث کی صفت ہے واعتق عبدین وسطاً۔ میں اللہ تعالیٰ کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔ یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے۔ ام

صحاح جوہری میں ہے۔

جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے جلست وسط القوم میں قوم کے درمیان بیٹھا۔ اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہو تو وسط بالتحریک ہوگا جیسے جلست وسط الدار میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ (ام بحر)

مقدمہ ثالثہ:۔ جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے

سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے ۔ تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس سے ۔ اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا ۔ تو قوس زاویہ کے ورارے سے اور زاویہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گذرے گی ۔

اسی کو الٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے ۔ کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گذرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے ورارے گذرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا ۔ اور قوس زاویہ کے نیچے سے گذرے تو زاویہ حادہ ہوگا ۔

اسی مدعا کا اظہار بلفظ دیگر یوں بھی ہو سکتا ہے ۔ کسی بھی خط کے تنصیف کے بعد اس متنصف پر خط کے ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے ۔ اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہو جائے ۔ جو جانب قوس واقع ہے ۔ تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر واقع ہو تو وہ زاویہ قائمہ ہوگا ۔ اور راس قوس سے باہر کی طرف واقع ہو تو زاویہ حادہ ہے ۔ اور قوس کے اندر واقع ہو تو زاویہ منفرجہ ہوگا ۔

اور اسے الٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر زاویہ راس قائمہ ہو تو نفس قوس پر واقع ہوگا ۔ اور حادہ ہو تو قوس کے باہر ۔ اور منفرجہ ہو تو قوس کے اندر واقع ہوگا ۔

(توضیح دعویٰ)

ہم نے مان لیا کہ اب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کر دیا گیا ہے ۔ اور اسی ج کو مرکز مان کر اسے شروع کر کے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی ۔ اح ب پھر اسی خط اب کو تین مثلثوں ارب ، ارب ، اہ ب کا قاعدہ قرار دیا تو زاویہ ، جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے ۔ اور زاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے ۔ اور زاویہ ہ جو قوس کے اندر واقع ہے منفرجہ ہے ۔

اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگر زاویہ قائمہ ہے تو قوس پڑا قد ہے جیسے زاویہ ۶ ۔ اور حادہ ہے تو قوس سے باہر ہے ۔ جیسے زاویہ ر اور اندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ

(ثبوت دعویٰ کی تقریر)

یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے ۔ اور اسی پر زاویہ ء واقع ہے ۔ اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے ۔ اور چونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے ۔ اس لئے زاویہ ر کا حادہ ہونا ضروری ہے ۔ ورنہ مثلث ب ر یں بیک وقت دو زاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا ۔ جو مقالہ اولی کی شکل بتیس کی رو سے محال ہے

اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ ر کا زاو ہ بھی حادہ ہے ۔ (اور چونکہ حادہ کے پہلو زاویہ منفرجہ ہوتا ہے) اس لئے مثلث ب ا ہ کا زاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیسا کہ مقالہ اولی کی تیرہویں شکل سے ظاہر ہے ۔

یا یوں کہئے زاویہ ر قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے ۔ اس لئے کہ یہ ر کی طرح خارج قوس واقع ہو ۔۔۔ یا ہ کی طرح تحت قوس تو جس طرح زاویہ ر قائمہ ہے اسی طرح ہ اور ر بھی قائمہ ہو جائیں گے ۔ اور ایک مثلث میں دو ۔ دو زاویہ قائمہ ہونگے ۔

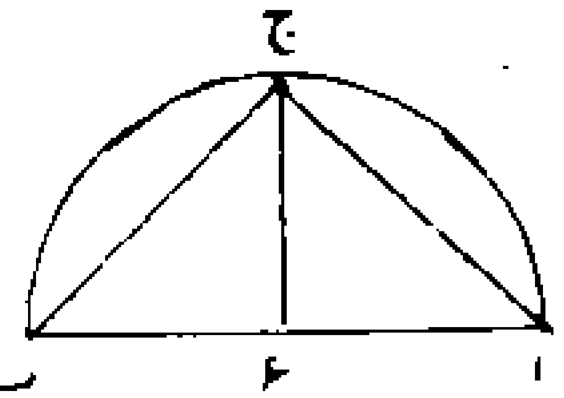
یا یوں کہیے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے ۔ تو لامحالہ داخل قوس ہوگا ۔ کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہو تو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا ۔ یا خارج قوس ہو تو حادہ ہونا لازم آئے گا ۔ دلیل مذکورہ بالا کی رو سے ۔

یا یوں کہئے کہ زاویہ ر اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا ۔ کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لامحالہ وہ قائمہ ہو جائے گا ۔ یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا ۔ دلیل اوپر مذکور ہوئی ۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا ۔ ہماری اس

دلیل سے پہلی عبارت اصلاً و عکساً ثابت ہوئی۔

مقدمہ رابعہ :۔ جس کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود ہمیشہ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا۔ (۲) خواہ وہ زاویہ مطلقاً منفرجہ ہو (۳) یا قائمہ مختلفۃ الساقین ہو۔

(مـا کی توضیح اور ثبوت)



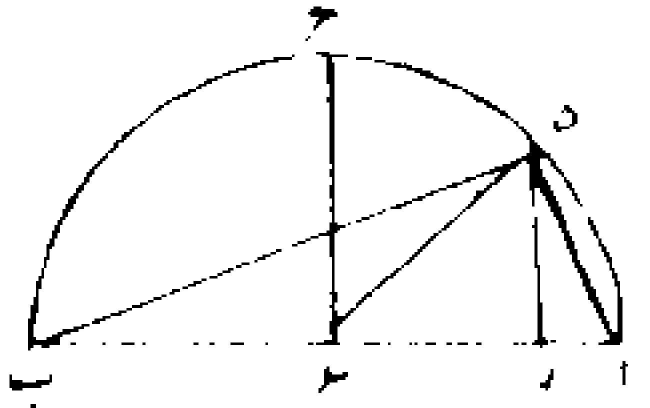
مان لیجئے کہ مثلث اب ج کا زاویہ ج قائمہ متساویۃ الساقین ہے تو عمود ج د جو اس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالا گیا ہے۔ وہ خط اب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔ اس کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

ج اب اور ج ب ا یں اور ب دونوں زاوئے مقالہ اولیٰ کی پانچویں (شکل ماموتی) شکل کی روسے برابر ہیں۔ کیونکہ اس مثلث کی دو ساقین اج اور ج ب برابر ہیں۔ اور جب ج زاویہ قائمہ ہے۔ تو اس کے بقیہ دونوں زاوئے یعنی ا اور ب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی روسے۔ (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے۔ اس سے دو مثلث بن گئے ہیں۔ ا د ج اور ج د ب) اور اس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویہ د قائمہ ہے۔ تو زاویہ ج نصف قائمہ ہوگا۔ مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی روسے اور زاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہو چکا ہے۔ پس اس مثلث کی دونوں ساقین ج د اور د ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ اولیٰ کی چھٹی شکل کی روسے۔

اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقیں ج د اور ا د بھی مساوی

ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے ا ر اور ر ب مساوی ہو گئے۔ اور قاعدے اب کا نصف نصف ہونگے۔ اور خطاج ر کے بھی مساوی ہونگے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے رأس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

(ع۳ کی توضیح اور ثبوت)



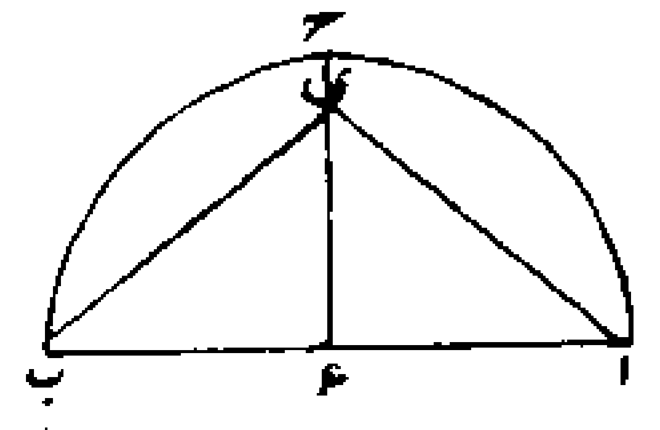
ہم نے فرض کیا کہ مثلث ا ہ ب۔ میں زاویہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے خط ہ ر نصف اب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے۔ اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں۔ ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ا ر ہ اور ہ ر ب۔ میں دونوں خط ا ر اور ر ب برابر ہو جائیں گے۔ اور ہ ر دونوں مثلثوں میں مشترک۔ اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی دو قائمے) پس مقالہ اولیٰ کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ ا ہ اور ہ ب۔ دونوں ساقیں مساوی ہو جائیں اور یہ خلاف مفروض ہوگا (کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب ر کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا۔ تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ر ہے اور ر ہ کو ملا کر نصف قطر کر لیجئے۔ اس صورت میں ہ ر ہ ر کے برابر ہو تو (مقالہ اولیٰ کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ ر اور زاویہ ر دون برابر ہوں گے۔ (اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زاویہ ر قائمہ ہے۔ تو زاویہ ر بھی قائمہ ہوگا۔ تو ایک مثلث کے دو زاوئے قائمہ ہو گئے (اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ ر ہ ر دونوں ساقیں برابر نہیں)

ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ ر کو ہ ر سے بڑا مانا جائے۔ تو مقالہ اولیٰ کی اٹھارہویں شکل سے لازم آئے گا کہ زاویہ ر جسکے وتر ہ ر کو ہم نے ہ ر سے بڑا مانا ہے۔ چھوٹے

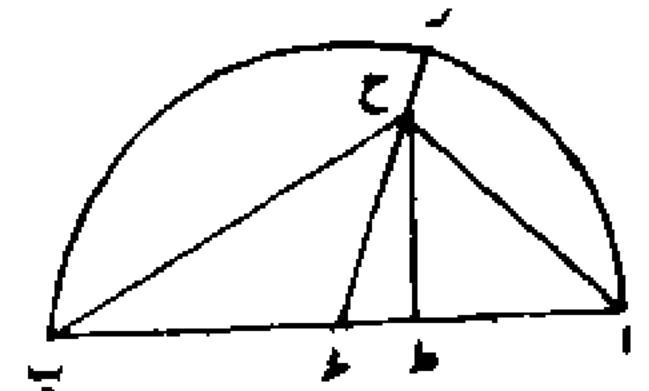
وتر والے زاویہ قائمہ یعنی ر سے بڑا ہو جائے۔ اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہوگا وہ منفرجہ ہی ہوگا۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہو گئے اور یہ بھی محال ہے۔ اور ہ س کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہوگئیں۔ تو لامحالہ ہ س۔ ہ ر ونصف قطرہ سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

(۳ کی توضیح اور ثبوت)

زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطرہ سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے۔



زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ای ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث اح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہوگا۔ تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہوگا۔ یا تو مثلث ای ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا۔ جیسے خط ر ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط رج کا جز ہوگا۔ (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہوگا۔ جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا۔)

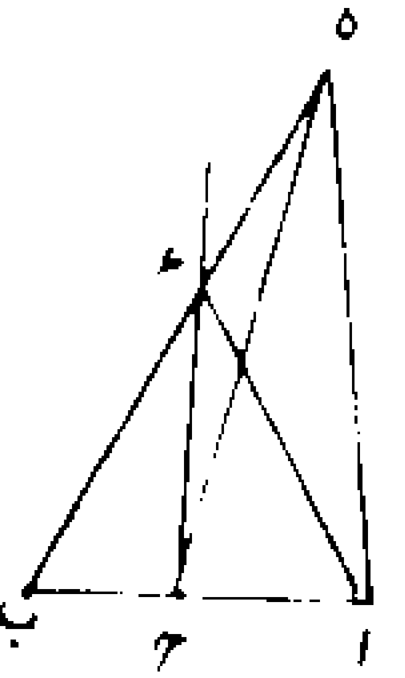


تو ہم ح کو ر ک کی طرف لے چلیں گے (اور ر ک نصف قطر ہے) تو ر ح۔ ر ک سے چھوٹا ہوگا۔ کیونکہ ر ک زاویہ قائمہ کا وتر ہے۔ جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہیے۔ جو زاویہ حادہ کا وتر ہے مقالہ اولیٰ کی شکل ۱۸ کی رو سے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

مقدمہ خامسہ :۔ ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے۔ اور پھر اس خط کے دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں۔ جو پہلے خط پر ایسے دو زاویے پیدا کریں۔ جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔ اور اس صورت میں یہ دونوں زاویے برابر ہوں تو

خطین کا ملتقیٰ عمود پر ہوگا۔ اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقیٰ عمود سے باہر ہوگا۔ اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے۔ کہ ان دونوں خطوں کے ملتقیٰ کا زاویہ قائمہ۔ یا حادہ۔ یا منفرجہ ہو۔

(توضیح و ثبوت)



مان لیجئے کہ ا ایسا خط ہے۔ جس کا نصف نقطہ ج ہے۔ اور اس پر ایک غیر محدود عمود ج ر قائم کیا گیا۔ پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط ا ر اور ب ر ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دو برابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں۔ تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ر پر ملیں گے۔ اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تو لامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔

مثلاً مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں۔ ہم نے ہ ج کو ملا دیا۔ تو یہاں دو مثلث اج ہ اور ب ج ہ پیدا ہوئے۔ جس میں خط مفروض کے دونوں نصف اج، اور ب ج بالفرض برابر ہیں۔ اور چونکہ زاویہ ا، اور زاویہ ب برابر فرض کیا گیا ہے۔ اس لئے مقالہ اولیٰ کی شکل خامس سے جس طرح اج اور ب ج برابر ہیں۔ اسی طرح ا ہ اور ب ہ بھی برابر ہوں گے۔ اور ہ ج دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تو لامحالہ مقالہ اولیٰ کی شکل ثامن کی وجہ سے زاویہ اج ہ اور زاویہ ہ ج ب برابر ہونگے۔ اور مقالہ اولیٰ کی شکل ۱۸ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہونگے۔ یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ اج ء قائمہ ہے اور اج ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا جز ہے) اور اس صورت میں جز و کل کا مساوی ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔

دوسری صورت کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط ا ہ اور ب ہ کھینچتے ہیں۔ خط کے اوپر مختلف زاوئے بناتے ہیں۔ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے ملتقیٰ عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ دونوں خط بھی

عمود کے نقطہ ر پر ملے ہیں اور یہاں مثلث اج ر۔ اور مثلث ر ج ب میں خط کے دونوں نصف اج اور ر ج ب برابر ہیں۔ اور ر ج دونوں مثلثوں میں مشترک اور زاویہ ج دونوں مثلث میں قائمہ اس لئے بشکل رابع زاویہ اور ب برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا۔ اور یہ خلاف مفروض دعویٰ کہ نہ ماننے سے لازم آیا۔ تو دعویٰ ثابت ہوا۔

تیسری صورت کہ دونوں قسم کے ملتقیٰ پر تینوں ہی قسم کے زاویے کا احتمال ہے۔ اسکی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقیٰ زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے تو ملتقیٰ کا زاویہ منفرجہ ہوگا۔ اور اگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے۔ تو ملتقیٰ کا زاویہ حادہ ہوگا۔ خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاویے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔ یہ ساری باتیں مقالہ اولیٰ کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔

مذکورہ بالا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدیہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شمامہ کے نفحہ اولیٰ میں کر آئے ہیں۔ کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔ تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے۔ ۔ دونوں ہاتھ کے درمیان، اس معنی کے تین مصادیق ہیں۔ دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے۔ اور ۔ ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے ۔ اور جب ہاتھ لٹکالیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے۔

لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو

عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یا لغوی مراد ہوتے ہیں۔ جس میں دونوں لفظ کے علیٰحدہ علیٰحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی مراد ہوتے ہیں۔

تو لفظ بین یدیہ کے اجمالی معنی کو یوں سمجھئے کہ دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا۔ اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط سامنے فرض کیا جائے۔ جو اسی فاصلہ پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں۔ ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے۔ اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔ اس مضمون پر ہم مدارک اور کشاف کی شہادۃ بھی پیش کر چکے ہیں۔) قہستانی کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہو گیا۔

اذن ثانیا بین یدیہ ای بین الجہتین المسامتین لیمین المنبر اوالامام ویسارہ قریبا منہ۔

دوسری اذان بین یدیہ ہوگی۔ یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔

یہاں قہستانی کے لفظ قریبًا منہ کے یہ معنی نہیں کہ موذن امام یا منبر کے متصل ہو بلکہ ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے۔ اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقًا اذان منع ہے۔ تو لامحالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کے حدود کے اندر ہوگا۔ گذشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔

اب اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھا۔ اور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھا۔ اس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کریں۔ تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا۔ جس کو اہل لغت وَسَط بالتحریک کہتے ہیں۔ اور ان دونوں

متوازی خطوں کے درمیان میں جو کشادگی ہوگی۔ اسکو وسط بالسکون کہا جاتا ہے۔
علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

وسطهما بالسكون فيشمل اذا اذن فى زاوية قائمة۔
او حادة او منفرجة حادثة من خطين خارجين من
هاتين الجهتين۔

اذان ثانی ان دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو یہ ان سب
صورتوں کو شامل ہوگی جب موذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔
یہ سب زاویے ان دونوں خطوں کے نکتہ اتصال پر پیدا ہوں گے جو ان
دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ موذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ موذن کا عمود یعنی خط وَسْط پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔ بلکہ خط کتفی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمود دَسْط سے اِدھر اُدھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی کافی ہے۔ جیساکہ شیخ قہستانی کے قول وسطهما بالسكون سے ظاہر ہے۔

اب جی چاہے وسطہما کا عطف قریبًا منہ پر مانو۔ کہ لفظ وسطہما اور قریبًا منہ پاس پاس ہی ہیں۔ یا بین الجہتین پر عطف تفسیری مانو ہر طرح معنی درست ہے۔

اسی عمود وسط کے آزد باز و اور خطین متوازیین کے درمیان کہیں کھڑے ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھانا چاہتے ہیں۔ کہ موذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑا ہو، چاہے زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر ہر طرح کھڑے ہونے کو بین یدی خطیب کہا جائیگا۔

سوال یہ ہے کہ یہ زاوئے جن کی ساقوں کے درمیان موذن کھڑے ہو کر اذان دے سکتا ہے مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کتفی کو ان مثلوں کا وتر مانا جائے۔ اور اس کے

دونوں کناروں سے نکل کر جو دو خط عمود وسط پر ملتے ہیں۔ انھیں کے نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جو زاویہ منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہی موذن کے کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ خط کتفی کل ایک ہاتھ لانبا ہوگا۔ اور اس کا نصف ایک بالشت ہوگا۔ تو زاویہ اور وتر کے درمیان ایک بالشت یا اس سے بھی کم کی گنجائش ہوگی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت کر آئے ہیں۔ اور آدمی کے قدم کی لمبان ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ اہل مساحت اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دوثلث ہوتا ہے۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو۔ یا وہ کہتے ہیں کہ خط اُفق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔

ان مسائل کے ضابطے اور تعریفیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کر چکے ہیں۔

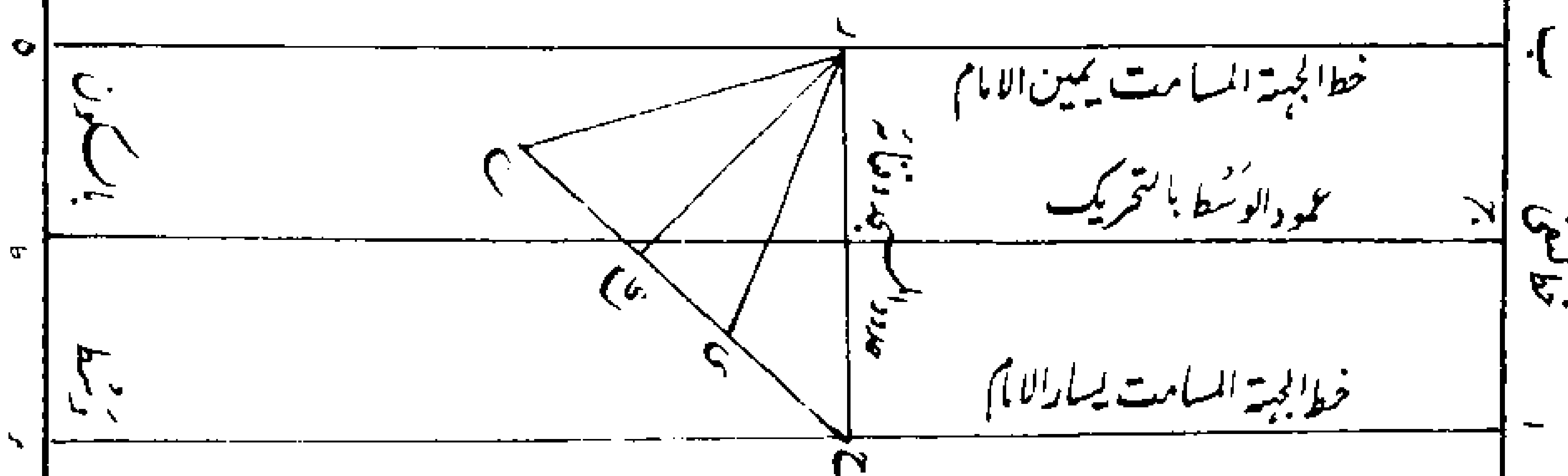
توجب موذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے۔ اور وتر و زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے۔ تو وہاں موذن کیسے کھڑا ہوگا۔ اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں نکل سکتا جس پر موذن کھڑا ہو۔ (جس کا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس کے زاویوں کے اندر موذن کھڑا ہو۔ اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ فرماتے ہیں۔

زاویة قائمة اوحادة اومنفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين۔

زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں

جوامام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔

دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ ان کی تحدید تو محل و مقام کے تقاضے کے موافق ہوگی۔ جیسے ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام موذن کے زاویہ کا وتر فقہاء کے قول اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی۔ اس کی شکل اس طرح ہوگی۔



مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کنتفی ہے۔ اور ا ر، ب ہ دو خطوط جہۃ ہیں اور باہم متوازی ہیں۔ اور ج ط خط کنتفی کے نصف پر عمود وسط بالتحریک ہے ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے، مقام ح ر سے دو خط مقام موذن کے ح ک اور ر ک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی ر ی مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل ر ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر موذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دیگا۔ بین یدی الخطیب ہوگا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جسطرح زوایا مثلث کو شامل ہے۔ اس صورت کو بھی شامل ہے جب موذن کی پشت امام کی طرف ہو۔

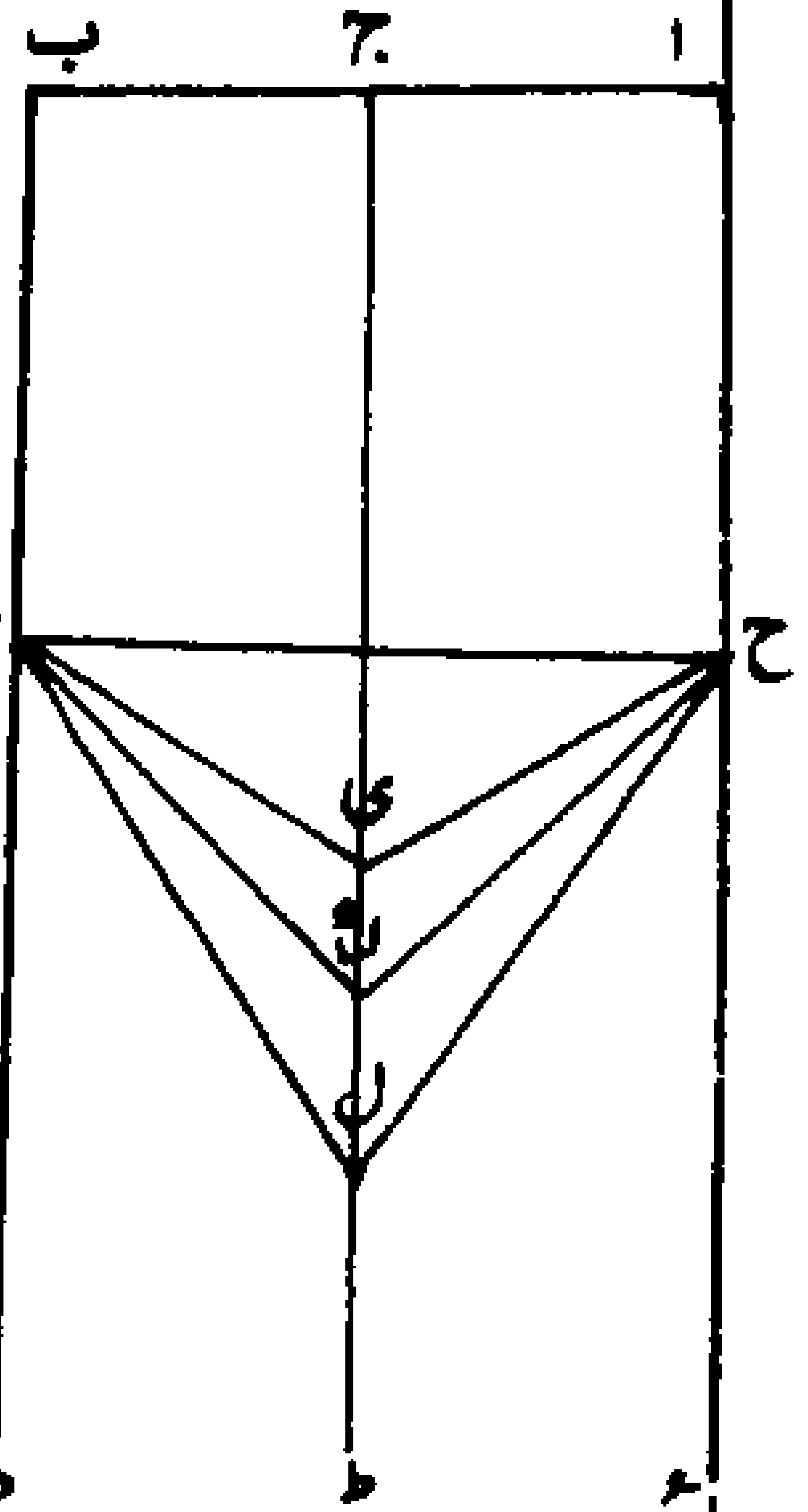
جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی ہوں۔ کیونکہ اطلاق مفہوم کے مغایر ہے۔ اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد و مطلب امام اور موذن میں سامنا ہے۔ اس لئے کہ امام منبر پر قبلہ کی طرف پیٹھ کیئے ہوتا ہے۔ اور موذن کو اس کے سامنے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔ تو متعین ہو گیا کہ موذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔ اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد بھی داخل ہے۔ لیکن دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ داخل مسجد مراد نہیں، نہ مسجد سے اتنا دور مراد ہے کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جا سکے۔ تو متعین ہو گیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود مسجد اور صحن مسجد ہے۔ تو جیسے اس پر یہ اعتراض کرنا غلط ہو گا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ میں داخل ہے اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب موذن قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے اذان کرے۔

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ موذن کے رو بقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس اس صورت کی نفی تو نہیں کرتا کہ موذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو۔ اور موذن امام اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو۔ کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ کافی وسیع جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی ایسا ہی ہے کہ دو طرفہ متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہو سکتی ہیں۔

یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ تن میں سب کو امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے۔ اور سب میں موذن بھی داخل ہے۔ اس لئے اس کو بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رخ کریگا

حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں۔ قہستانی نے اسی لئے اس سوال کا جواب لفظ قیل سے دیا ہے۔ جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انکے حسب منشا ہوئی۔ مگر اس پر پہلا شبہ یہ ہے کہ زوایا ثلٰثہ کی وسط بالسکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عمود پر ملتقی ہونے کے صورت میں بھی متحقق ہوں گے۔ یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہو چکی ہے۔



مندرجہ ذیل صورت میں جب ح ہ کے زاوئے برابر ہونگے۔ تینوں زاوئے عمود پر ہی واقع ہوں گے۔ اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہو چکی ہے۔ زاویہ ی منفرجہ ہے۔ اور ک قائمہ ہے۔ اور ل حادہ ہے۔

مگر اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے۔ افراد کا شمول بتانا ہے۔ (یعنی یہ بتانا نہیں ہے کہ یہ تینوں زاوئے کس صورت میں متحقق ہو سکتے ہیں اور کس میں نہیں۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاوئے بیک وقت عمود اور اس کے اقل بغل میں وسط بالسکون میں متحقق ہونگے)

دوسرا شبہ یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو شکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بین یدیہ کے معنی تفصیلی واجمالی کے بیان میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں۔ تو معنی تفصیلی کے ایک رخ سے اعتراض کے کیا معنی؟ اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے۔ محاورہ میں سمت وجہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رخ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی

کے ہاتھ کا رخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ تو خطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں۔ لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا۔ تو بہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کر دیا جائے۔ اور دسطہا کے بجائے اوسطہا کہا جائے۔ تاکہ عمود پر اور اس کے آزو بازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو۔ جب تک ان دو خطوں سے باہر نہ ہو۔ جن کا استقبال کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس ربع کے وسط میں کعبہ واقع ہے۔ اس پورے ربع کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمداللہ ہماری کتاب هدایۃ المتعال فی حد الاستقبال میں ہے۔

یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور ان پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔ اب ہم آزادیان ہند کی تگ و دو کی طرف رخ کرتے ہیں۔

علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں۔ جن میں دو وہابی، دو جاہل ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ موذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے۔ اور علمائے اہل سنت کے اس دعویٰ کا قہستانی کی یہ عبارت رد ہے۔

موذن اور خطیب کا سامنا بلاشبہ سنت ہے۔ ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے۔ تو یہ نہ سنت سے ثابت نہ اہل حق اس کے مدعی۔ ہم سامنے کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھا آئے لیکن جاہل کیا سمجھیں؟ اور باقیوں نے اس عبارت سے اس بات پر استدلال کیا ہے۔ کہ اذان ثانی مسجد کے

اندر منبر سے متصل ہو گی۔ دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریباً منہ سے استدلال کیا ہے۔ (کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے منبر کے قریب ہونے کی تصریح ہے) لیکن اس سے کیا حاصل؟ قریب کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں۔ کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔ اور اسی شخص نے قہستانی کے لفظ جنتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین ویسار کی دو جہتوں کے درمیان۔ بھلا ایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں؟

اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تو اور گل کھلایا۔ کہ شطرنج کی بساط پر خچر دوڑا دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ قہستانی نے لفظ قریباً منہ کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا۔ حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔ تو یہ طالب صاحب قہستانی پر افترا کر رہے ہیں۔ وہ بھی افترا بے مزہ کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا، تب بھی ان کی تسلی کا کوئی سامان نہ تھا۔ کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے۔ ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس لئے قریب ہونے کے لئے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں۔

اور ان دو جاہل صاحبان نے (ریاضی) کے سمندر میں غوطہ لگایا۔ جو خود انہیں کو لے ڈوبا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑان ہے۔ جبکہ ہم یہ طے کر آئے ہیں کہ علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اور اس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محال ہے۔

اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے، اور موذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دیگا۔ اور چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑان دو ہاتھ کی تھی۔ اور

آدمی کا قدم سوا بالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے تو زاویہ حادہ پیدا ہوگا اور فاصلہ دو ہاتھ سے ذرا کم ہوگا۔ اور قائمہ میں اس سے کم اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔ اور زاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کر دیتی ہے۔ کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہوکر اذان دے۔ کیونکہ دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔ اور مثلث کا وتر ہی دو ہاتھ کا ہو تو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جو زاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بے حد تنگ ہوگا۔ وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی۔ حالانکہ قہستانی کا مقصد تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاوے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالا میں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کا امکان ہی نہیں۔

میری گذارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی۔ یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سو رفہمی کی پیداوار ہے۔

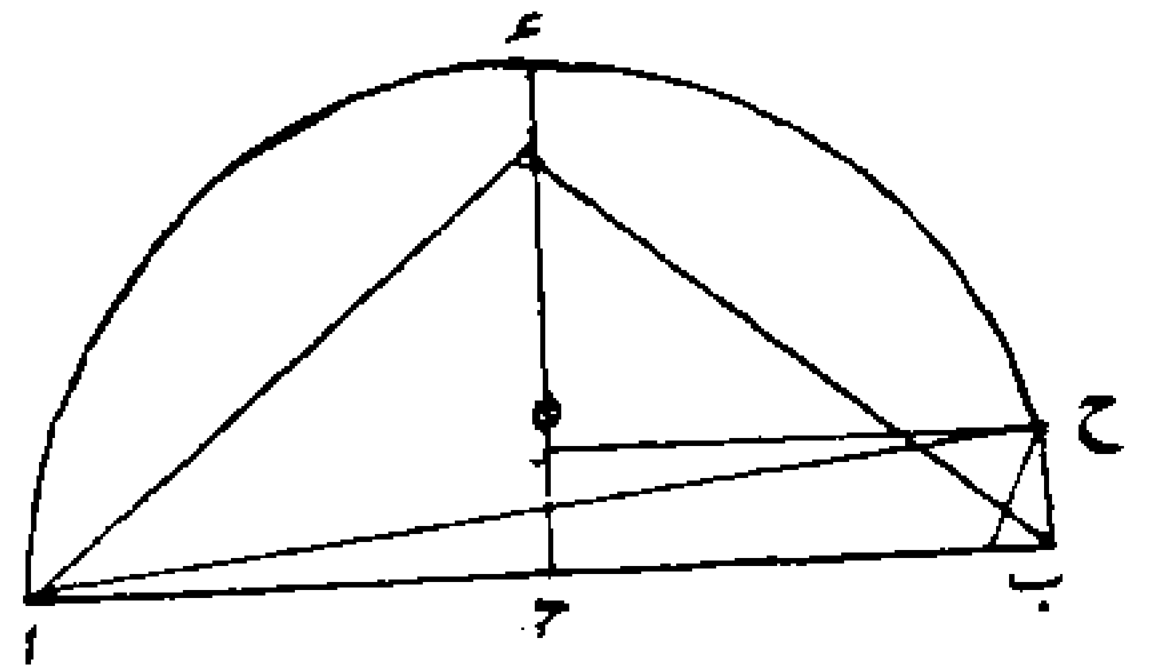
اولاً۔ قہستانی نے مقام موذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کہی بلکہ وہ تو جبین کے دونوں خطوط سے نکلتی ہیں۔ مونڈھوں سے نہیں جیسا کہ ہم واضح کر آئے ہیں۔

ثانیاً۔ اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے۔ تو ان پیدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں بھی موذن کا قیام ناممکن ہے۔ جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے۔

ثالثاً۔ اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یہاں امام کے دائیں بائیں کا ہوگا۔ پھر تقریر ممبر کو مطمح نظر بنا کے کی۔ حالانکہ اس کا بطلان بھی ظاہر ہو چکا ہے۔

رابعاً۔ زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرتا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ

جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کر سکا۔ اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ دو ذراع سے ذرا کم۔ حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف۔ مرفوع کی طرف تا آنز ما الطہ یدکی نسبت کی طرح ہے۔ اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو۔ حالانکہ لبسا اوقات منفرجہ کا فاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔



خط اب پر ہم نے ایک قوس بنائی۔ اور اب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ر قائم کیا۔ اور ہم نے عمود کے دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ر ر ممتاز کیا۔ اور ار ب کو ہم نے خطوط سے ملا دیا۔ تو ایک مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا۔ (کہ زاویہ کا رأس توس سے نیچے ہے) جس کا عمود ج ر ہے۔ پھر ج ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا۔ اور ہم نے اح ب کو بذریعہ خطوط ملا دیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے۔ کیونکہ اس زاویہ کے رأس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں۔ تو یہ عمود مقالہ اولیٰ کی ۲۴ ویں شکل کی رو سے ج ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ج ر کا $\frac{1}{8}$ فرض کر آئے ہیں۔ تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اور اس کے وتر کے فاصلے سات گنا بڑھ گیا ہے۔ اور ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بھی تفاوت ہو سکتا ہے۔ تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا۔ مطلقاً صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینوں زاویوں کا حال یکساں ہے، پھر حادہ کی تخصیص کیسی؟

خامسًا۔ اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں

توانسان کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ مگر زاویہ حادہ علی باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دو خطوں کا نقطہ اتصال تو جزلا یتجزیٰ ہوتا ہے۔ جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تاآنکہ وہ جو ہر فرد نہ ہو جائے۔

سادسًا۔ اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انھیں سمجھانے کیلئے ایک مثلث بنایا جائے، جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں۔ اس طرح اور ان سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہوکر دکھائیے۔ کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو۔ تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے۔ تو انھوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی۔ کہ زاویہ قائمہ میں انسان سما سکتا ہے۔ کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث متساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سما سکتا ہے۔ اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے۔ کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاویے قائمے برابر ہوتے ہیں۔ تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑ گیا۔ پس یا تو آپ ہی بھاری بھرکم ہوگئے۔ یا آپ میں تخلخل ہوگیا۔ یا قائمہ ہی تنگ، وتکاسف ہوگیا۔ تب انھیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئے گی۔ اور خود بداہۃً علیٰ رؤس الاشہاد تجربہ کرکے اعتراف کریں گے۔

سابعًا۔ اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا۔ اور بڑی جہالت ہے۔ جس کا معنیٰ منبر کو وتر مثلث قرار دیتا ہے۔ ورنہ ہم خوب ظاہر کرچکے ہیں کہ یہ تینوں زاویے خارج الباب کیسے پیدا ہوسکتے ہیں۔ اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے تمام اوہام کے ازالہ پر حادی ہے۔ ان اوہام کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔

ویسے ان کی ہر چھوٹی بڑی کتھا کار دمیری اولاد اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے اذان من اللہ - وقایہ اہلسنت، نفی العار - سیف القہار تعبیر خواب، وحق نما فیصلہ وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہونچی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ابتدار اور اسی کے لئے انتہا میں حمد ہے۔ ہمارے سرداروں اور ان علمائے کرام سے (جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ نفع پہونچایا) امید ہے کہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ کریں۔ اور رفع خلاف میں کوشش کریں۔

بزرگ و برتر رب العالمین کے لئے حمد ہے۔ اور افضل درود اور مکمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین اور خاتم النبیین اور ان کے آل و اصحاب عظام پر ہو ان کے صاحبزادے اور ان کی تمام جماعت پر ہو - ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہر آن وہر گھڑی ابد الآباد تک۔

۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ (صاحب ہجرۃ صلی اللہ علیہ وسلم پر بزرگ تحیہ اور سلام ہو (—) کو قلم نے آرام پایا۔ اور حق روشن ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد اور پاک پروردگار کے لئے پاکی ہے۔ اس سے جو اس کے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں۔ اور اسی کیلئے حمد ہے جو رب العالمین ہے۔

اپنی زبان سے کہا۔ اپنے قلم سے لکھا۔ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے کتے احمد رضا محمدی سنی حنفی بریلوی نے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخشے اس کی امیدیں پوری کرے۔ اور ان کے اہل کو صلاح و فلاح دے۔ حضور نبی اکرم کے عمل مقبول کے طفیل، ان پر اور ان کے آل و اصحاب پر برکت و سلام اتارے۔ اپنے حسن و جمال اور جود ونوال اور انعامات واکرامات کے حساب سے آمین۔

نفحہ (۲۸)

اضافات افاضات

جاننا چاہیئے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کر چکا تھا۔ جس میں سمجھداروں کیلئے بے نیازی تھی۔ کہ اک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرہ سے نقاب الٹی۔ اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں۔ جو اس تحریر کو سوخت کرسکتی ہیں۔ لیکن احباب کیلئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے۔ اور عام طالب علموں کے لئے تصریح تلویح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے میں نے ایسے افادات کے اضافہ کو پسند کیا۔ جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میرا بھروسہ اسی پر ہے۔ اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے ______ خصومت وعناد اور خصلت حسادیں انتہا کو پہونچا ہوا۔ رد کے تمام ہونے تک خموش رہا۔ اور پورے رد پر غور وخوض کرکے۔ اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا۔ تو اس کے شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ لغت، شرح، اصطلاح و اصول سب کے خلاف عرف عام کی پناہ لے۔ اور اسی ایک حربہ سے قرآن وحدیث اتاویل ائمہ تفسیر وشروح حدیث اور ائمہ لغت واصول نے جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اور عند کی تحقیق میں کہا ہے۔ سب سے چھٹکارا حاصل کرے کہ ہمارا کلام تو عرف عام میں ہے۔ اور عرف عام میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی قریب کے ہیں۔ اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ رہے ہیں۔ جس سے اذان منبر کے نزدیک اور متصل ہو۔ اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل ہوکر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات سے نجات مل جائے گی۔ جو قرآن وحدیث اور تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عند اور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں۔ اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔ کتب اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں۔ اور یہاں تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کی ساری

عمارت ہی ڈھادی ۔ اورکاتا کوتا کپاس کردیا ۔

اولاً ۔ آپ نے امام راغب اصفہانی کے قول سے استدلال کیا ۔ انکی کتاب تو لغت عرب اور محاورات قرآن میں ہے ۔ اور آپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھر آپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ اس لفظ کو لغت عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنادے گا ۔ اور اگر آپ کو یہی اصرار ہے ۔ کہ استعمال کا مطلب جدید ہے ، تو تاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے ۔ وہ بھی تو کہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو (تاج) اور عند قریب اور بعید دونوں کیلئے مستعمل ہوتا ہے (رضی)

ثانیاً ۔ آپ نے کشاف اور مدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی ، کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں ۔ ان دونوں نے جو کچھ کہا ہے محاورۂ قرآن کی شرح ہے ۔ اور آپ قرآن عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں ۔ زمخشری یا امام النسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا ۔ حقیقۃ قولھم ، ان کے قول کی حقیقت تو ۔ ان ، سے مراد عرب ہی ہیں ۔ اور عرب کی بول چال تو لغت عرب ہے (تو پھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں ، آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں اگر ہوگا تو معنی منقول اور چونکہ نقل خلاف اصل ہوتا ہے ۔ تو اس کیلئے بھی آپ کو دلیل لانی پڑے گی ۔ وہ کہاں سے لائیں گے ؟

ثالثاً ۔ یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا ۔ اس پاک کلام میں ہے ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا ۔ اور یہ بیشک تمہارے ہی کلام کی طرح ہے ۔ تو قرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے ۔ عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگر کچھ ہو تو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے ۔ تو قرآن میں کوئی لفظ کسی معنی میں بولا جانا یہ اس بات

کی سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورۂ عرب میں یہ معنی ہیں۔ اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری۔ اور مسئلہ بین یدیہ میں اس کا ثبوت محال اور خالی دعویٰ لایعنی بڑھ ہے۔

حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحر الرائق میں۔ اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا:

"قرآن کا خطاب لغت عرب میں ہی ہے۔ جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلوٰۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہو جائیگا"۔

حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

نقل کا دعویٰ اللہ تعالیٰ پر ایک دعویٰ ہے۔ تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے۔ اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں، تو کسی مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے اللہ تعالیٰ پر یہ جرأت کرے"۔

(تو آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہونا ہے۔ نہ محاورہ قرآنی ہے۔ نہ حدیث کی بول چال ہے۔ نہ لغت واصول میں ہے۔ یہ تو عرف عوام ہے۔ بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا؟)

سابعًا۔ ہر کلام میں متکلم کے محاورہ اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ اہل عرب اور صاحب لسان عرب ہیں۔ آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔ عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہوگی۔ انھوں نے بین یدیہ کا لفظ دروازہ مسجد کے لئے استعمال کیا۔ اور اس معنی پر ہم نے لفظ عند کے بھی کئی محاورے نقل کئے، جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے۔ یا تو جہالت ہے یا افترا پردازی۔

خامسًا۔ علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا۔ وہی یہ فیصلہ کرے گا۔ کہ فن علم فقہ

کے قواعد وضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے۔ اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہا اور علم اصول فقہ کے اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں۔ جس لفظ کے جو معنی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا۔ فقہا کے نزدیک بھی وہ مسلم ہے۔

مسئلہ اذان ثانی میں فقہا نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ ائمہ اصول فقہ نے عند کے معنی حضور قرار دئے۔ تو ظاہر ہے کہ فقہا ر کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہونگے۔ بالفرض اس لفظ کیلئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو۔ اور اس نے کوئی اور معنی قرار دیئے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہا کے عرف کی ہے۔ کہ یہاں یہ لفظ انھیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے۔ کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار، دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بے کار ہے۔

لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کس ڈھٹائی سے ائمہ اصول فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے۔ کہ یہ سب فضول ہے۔ یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلام فقہا میں عرف عوام کی کیا ضرورت ؟ سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

سادسًا۔ آخر یہ معاند اس کا کیا جواب دیں گے۔ کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاق۔ اگر میں اس شہر میں جاڑے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔ اور اس نے اس شہر کی جامع مسجد میں جاڑا گزارا۔ تو اس کی عورت پر طلاق نہ پڑے گی۔ کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی۔ اور وہ نہیں پائی گئی۔ اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے۔ ہاں ھذا البلد سے اس کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ مسائل حلف کی بنا عرف پر ہے اور امام رملی نے صاف بیان کر دیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا۔ وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی نائب نہیں ۔ اور زبان شرع اور اصول و فقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں ۔ جیسا کہ ہم نے بین یدیہ اور عن کے معنی میں بیان کیا ہے ۔ والحمد للہ

سابعًا ۔ اگر ان سب باتوں سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو مذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں ۔ یہ کہ عند اور بین یدیہ کے معنی قریب کے ہیں ۔ اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے ۔ ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کو انکار نہیں ۔ لیکن وہ آپ کو مفید نہیں ۔ اور اس سے ہمارا نقصان نہیں ۔

دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے لئے خاص ہے ۔ اور یہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے ۔ لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی ۔ اور ہم ایسے بہت سے محاورات ذکر کر چکے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ ہیں ۔

ثامنًا ۔ اگر اس سے بھی قطع نظر کر کے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے ۔ تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگا ۔ تو ایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا ۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہائے کرام کے عرف کی ہے (نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) تو کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ فقہاء قرب کو اسی خاص معنی میں بولتے ہیں ۔

آپ کے اس دعویٰ کے بطلان پر بہت سی دلیلیں ہیں ان میں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو ۔ اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہوگی ۔

اقول بتوفیق اللہ ۔ بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے ، تو جب دونوں حدوں

کا ذکر کر دیا جائے۔ تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے۔ اور اس سے متجاوز نہ ہوگا۔ ورنہ جب تک عالم ختم نہ ہو جائے۔ ہر اگلی منزل قریب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔ جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے۔ تو یہ قریب ہو جائے گی۔

جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دور ہے۔ اتنا دور کہ اس کی دوری کا اندازہ، اس کا پیدا کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔ یا وہ جسے اللہ تعالیٰ بتلائے۔ لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے۔ جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا، اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہیں۔ اسی سے ایک قرب تناول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شئی ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہونچ سکے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے۔ اور ایک گرم بھنا ہوا بچھڑا لائے اور اسے فرشتوں کے قریب کیا۔ اور ان سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔

قرب سمع۔ جہاں تک آپ کی آواز پہونچ سکے۔

قرب سیر۔ یہ کہ وہاں تک پہونچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔

تو اگر فقہا نے اپنے کلام میں قرب کو قرب تناول تک ہی خاص کیا ہوتا۔ تو آپ کا مقصد حاصل ہوتا۔ لیکن وہ حضرات اس سے بری ہیں۔ ان کے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ بقیہ تین معنوں میں سے کسی ایک کے لئے استعمال ہوا ہے۔

فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہا کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں (اور جو مستحضر نہیں وہ بھی اس سے زائد ہونگی)۔ جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے۔

الاولیٰ ۔ سب فقہار کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہو تو مسافر کو تیمم جائز نہیں اور دور ہو تو جائز ہے اور قرب و بعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد سب کے نزدیک وہی مسافت ہے جو آسان ہو ۔ مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں

صاحب عنایہ فرماتے ہیں ۔

یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمم کیلئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے ۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے ۔ لیکن یہ بھی یقیناً معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بہ آسانی دستیاب ہو جائے ۔ تو یہ جواز تیمم کیلئے عذر نہیں، ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمم کرنے لگیگا ۔ اس لئے قرب و بعد میں حد فاصل حرج کو قرار دیا گیا ۔

بنایہ میں ہے کہ ۔

پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمم کی اجازت نہیں

اسی میں ہے :

(مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے) یعنی پانی کی دوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جواز تیمم کو مانع ہے ۔ اور بعد سے تیمم جائز ہوتا ہے ۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی ۔ کہ اس سے زائد حد مقرر کرنے میں مکلف کو پانی تک پہونچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے ۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے ۔

اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی

کی تلاش کیلئے آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اور یہ بہت عمدہ ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ پانی نگاہوں سے دور ہو۔ دوری کی تعین میں پھر اختلاف ہوا۔ تو کسی نے ایک میل کہا، امام محمد نے دو میل فرمایا۔ ایک قول دو فرسنگ کا ہے۔ اور کہا گیا کہ اتنی دور جس کے بعد نماز قصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ جہاں تک اذان کی آواز پہونچے کسی نے کہا کہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے۔

اور کہا گیا کہ اتنی دور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہو کر پکارا جائے تو مخاطب سن نہ سکے۔

بدائع میں لکھا ہے:

اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شور و غوغا سنتا رہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ

پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضی خاں نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کا اعتبار ہے۔

اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تو مطلق ہے۔ اس کو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا تو میں کہوں گا کہ قریب کا مانع ہونا اور بعید کا نہ مانع ہونا۔ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اس لئے حد فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا ۔۔ اھ

الثانیہ :۔ تنویر الابصار میں ہے۔

کواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں ۔ اس سے قریب ہی کہیں اور پانی ہو۔ تو کھانے پینے، دھونے، نہانے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتا ہے۔

علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ

قرب کی مقدار کہیں نظر سے نہیں گذری ۔ تو تیمم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حد فاصل مقرر ہونا چاہیے۔

میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا ۔ یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے ۔ کہ پیاسوں میں بسا اوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی ۔ اور محدث کا یہ حال نہیں شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی ۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑ دیا ۔ تو ہر ضرورت مند اپنی ضرورت کے حساب سے قرب و بعد کی مقدار مقرر کرے ۔

التالثہ ۔ درمختار کے باب الشہادات میں ہے۔

مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے۔

جن کا ذکر بحرالرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے۔ جس میں ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے ۔ شامی اور بحرائق دونوں میں ہی تصریح ہے۔

کہ اگر قاضی دور ہو۔ کہ دن بھر میں گواہی دیکر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہونچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں ۔ کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائے گا ۔

دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے (قرب تناول مراد نہیں ہے)

الرابعہ ۔ محقق امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا ۔

خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گو امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو۔ یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سن رہا ہو۔ اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں۔ اور نصیر الدین یحیٰ قرأت پسند کرتے ہیں۔

الخامسة۔ عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے۔

کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتنی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔

پھر بدائع سے نقل کیا۔

یہ اس وقت ہے جب مقتدی امام کے قریب ہو۔ کہ خود اس کی آواز سن رہا ہو۔ اور اتنی دور ہو کہ خود نہ سنتا ہو، بلکہ مکبروں سے سن کر ادا کرتا ہو۔ تو جتنی سنے سب ہی ادا کرے۔ اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو۔ کیونکہ غلطی کا امکان مکبروں کی طرف سے بھی ہے۔ تو کچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں۔ امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔

السادسہ۔ بحر الرائق کے باب الجمعہ میں ہے۔

مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے جو اتنے قریب ہوں م

کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سنیں ۔

السابعہ۔ تنویر الابصار میں ہے ۔

جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دیدیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں ۔ ان کا قتل منع ہے ، اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انھوں نے خود سنی ہو ۔ تو دور والوں کو امن نہیں ملیگا ۔

الثامنہ۔ تنویر اور شرح درر میں ہے ۔

کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اور وہ کسی کی ملک نہ ہو ۔ نہ مسلمان نہ ذمی ، اور یہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے ۔ اور پکارنے والا بلند آواز ہو (بزازیہ) تو آواز سننے میں نہ آئے ۔ تو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہوگا ۔

کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے ۔

قریب و بعید کے درمیان حد فاصل حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ سے کھڑے ہوکر پوری طاقت سے پکارے اور اور آواز وہاں نہ پہونچے تو وہ بعید ہے ۔

التاسعہ۔ درمختار میں ہے ۔

اگر کوئی مقتول شارع عام میں قیدخانہ میں اور مسجد جامع میں پایا گیا ۔ تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے ۔ البتہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کیجائیگی یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں ۔ اور اگر قریب ہوں تو جو محلہ وہاں سے سب سے قریب ہو ۔ اس پر تاوان ہے ۔

امام شامی نے فرمایا کہ :

ظاہر یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے

العاشرة ۔ ہدایہ میں ہے

اور اگر ویرانہ میں مقتول پایا گیا۔ جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے۔ اور قریب کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ کہ وہاں سے آواز سنی جا رہی ہو ۔ یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔

الحادی عشر ۔ لفظ ثانیہ عود یہ میں ہم ذکر آئے ہیں. کہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔

یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہو اور اتنی دور ہو کہ نہ دیکھے تو حافظ اور نگراں ہی نہیں۔

یہ قرب بصر کی مثال ہے۔ اور فقہاء کے عرف میں یہ سارے مصادیق قرب مطلق تک ہیں تو اگر آپ کے وہاں یہی رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھا تا ہو اور خطیب موذن کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قرب تناول ہوگا۔ ورنہ یہاں قرب تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حق و ہدایت کے طالب ہیں۔

تاسعًا ۔ یہ شخص یہ اعتراف کر چکا ہے کہ عندہ ہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علحدہ علحدہ قرب کے لئے ہے۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہئے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے۔ لیکن اس نے ایک دعویٰ کیا۔ اور ثبوت کے لئے اسی دعوی کو کافی سمجھا۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعویٰ کافی ہوتا۔ تو ہر مبہوت دلیل والا ہوتا۔ لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کر کے انکار کرتے ہیں۔ اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں۔

عاشرًا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ ۔درست میزان سے تولو ، اور میزان و معیار تو ہر چیز کے لئے ہے ۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلے ہیں، شرع اور عقل تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے ۔ وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کریگا اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے، نہ وہ اوزان کو جانتا ہے، تو جب اس سے کوئی اسکا زبردست حاکم کہے کر اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو ۔ تو وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھے توفی الفور نماز پڑھنے کا حکم ہے، اگر میں وضو کرنے لگوں تو فورًا نماز پڑھنے میں تاخیر ہوجائیگی ۔

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا ۔ اور فورًا ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا ۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ۔ اور اسی میں ایک دن لگ گیا ۔ تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہوگیا ۔ کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا ۔ لیکن عالم خوب جانیگا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار ۔ اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہوسکے عقلًا مستثنیٰ ہے تو اس دیر سے فورًا میں خلل نہیں پڑے گا ۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے ۔

جس نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا ۔ خود تو وہ گھر سے باہر ہوگیا ۔ اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگا جو چند دن نہ مل سکا ۔ اہل و عیال اور اسباب اسی گھر میں رہے ۔ اور ایسا ممکن تھا کہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا ۔ تب بھی حانث نہیں ہوگا ۔

یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی ۔ جس پر سامان لاد کر جائے ۔ یا قسم رات میں کھائی ، اور رات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہوسکا ۔ یونہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی ڈھو کر منتقل کرنے لگا ۔ اس میں

تاخیر ہوئی۔ وہ سواری کرسکتا تھا مگر سواری نہیں کی۔ ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان ڈھونے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو۔ معمولا جیسا ڈھوتے ہیں ویسا ہی ڈھویا ورنہ حانث ہوگا "۔

ایسے ہی کوئی عالم افادہ و تعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کررہا تھا اور سامعین دروازہ تک صف در صف بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی طالب علم مسئلہ پوچھنے آیا۔ اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم سے قریب ہونے نہیں دیا۔ تو خود عالم نے اسے قریب ہونے کا حکم دیا۔ یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا۔ تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقاً قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے۔ عالم کی گود میں جا بیٹھے گا۔ اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا، تخت پر چڑھ جائیگا اور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملاکر بیٹھ جائے گا۔ اور بادشاہ کی تعذیر، اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا۔ معاذاللہ ربّ العالمین۔

اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے۔ جس کی شرعاً اور عرفاً گنجائش ہے۔ تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے۔ اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائے گا۔

اور پتہ چل جائیگا کہ جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی، اس لئے کہ مطلقاً قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو۔ نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ لفظ مطلقًا بولا جاتا ہے ۔ اور عقل و شرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط و قیود و آداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے ۔ اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گا ۔ تو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے ۔ امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں کہ:

کسی شے کے شرائط معروف ہوں ۔ اور اسے مطلق بولا جائے تو انھیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا ۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز قائم کرو ۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے شروط کے ساتھ ۔

جب صورت حال یہ ہے تو یہاں لوگ فقہا نے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا ۔ لیکن اس پر نادانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہیے ۔ کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو ، اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے ، ایسی صورت میں قرب کی انتہا حدود مسجد تک ہوگی ۔ اور اس حد میں بھی گنجائش ہے ۔ کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جو اس کے ٹھیک مقابل ہو اس لئے کہ جب ہم منبر سے نیچے کی طرف خطوط کھینچیں تو جو خط سیدھا اس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا ۔ اور بقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہونگے ۔ تو موذن اگر ادھر ادھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تو منبر سے دور ہوگا ۔ اور سامنے کھڑا ہوگا تو اتنا قریب ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں ۔ تو فقہا کے قول قریبًا منہ کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونے کی جو انتہائی گنجائش نکل سکتی ہے ۔ وہاں کھڑا ہو ۔ تو حق ظاہر ہوگیا ۔

اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انکے آل اور جمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درود و سلام ہو ۔ آخری دعا ریہ ہے کہ حمد رب العالمین کیلئے ہے ۔ فقط

ترجمہ :۔ عبد المنان اعظمی
۲۶ ر محرم ۱۴۱۸ھ

بِحَمْدِاللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی

یہ رسالہ مبارکہ جس میں داخلِ مسجد اذان خطبہ کے مکروہ وخلاف سنت ہونے کا روشن بیان ہے۔ اور عموماً ہر اذان کا خصوصاً اذانِ ثانی جمعہ کا بیرونِ مسجد سنت نبویہ وسنت صدیقیہ وسنت فاروقیہ ہونا کالشمس فی النھار روشن وعیاں ہے۔ اس نادر ونایاب رسالۂ مقدسہ کے حضور رامپوری مولوی صاحبوں کا فتوائے خلاف واضح البطلان ہے۔

مسمّٰی باسم تاریخی

اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ لِقِیَامِ سُنَّۃِ نَبِیِّ اللّٰہِ

از افادات

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا مفتی حامد رضا خان قادری برکاتی

رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

مرتب

حضرت محبوب ملت مولانا مولوی حافظ قاری محب الرضا مفتی محمد محبوب علی خاں لکھنوی

رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

ضروری نوٹ: یہ کتاب پہلی بار شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا حامد رضا خان قادری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے نام گرامی سے شائع ہو رہی ہے۔ اس کی تفصیل اس مجموعہ کے صفحہ ۵۷۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سببِ تحریر

یَافَتَّاحُ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

گرامی برادرانِ اہلسنت وجماعت کَثَّرَکُمُ اللّٰہُ تعالٰی وَاَیَّدَکُمْ نَصْرًا عَزِیْزًا ۔ آج فقیر حقیر آپکی خدمت میں اذانیوں کا ایک فتوی مع استفتاء پیش کرتا ہے ۔ جس میں "مفتی" مفتیوں نے اپنے خیال سے اعلیٰ درجہ کے دلائل پیش کئے ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں اور اس کے بعد ہی آستان رضوی دارالافتاء بریلی کا دہ مبارک ومقدس مضمون ہدیہ ناظرین کرتا ہے ۔ جن میں اذانیوں کے اس فتوے کی قلعی کھولی اور حقیقت واضح کی گئی ہے اور اس فتوے کی ہی عبارتوں سے مسجد کے اندر اذان کا مکروہ ہونا بیان فرمایا ہے ۔ عجیب وغریب مضمون ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ مضمون افادات حضور پر نور مرشد برحق سیدنا اعلحضرت عظیم البرکۃ آقائے نعمت دریائے رحمت مجدد اعظم دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین تاج الفحول الکاملین مولنا مولوی حافظ قاری الحاج مفتی شاہ علامہ عبدالمصطفےٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ قادری برکاتی آل رسولی بریلوی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے ہے ۔ جن کو اکابر علماء و مشائخ مدینہ طیبہ مکہ و مکرمہ نے اپنا امام وفرد وپیشوا وشیخ اور اس صدی کا مجدد مانا جن سے احادیث وسلاسل کی سندیں حاصل کیں جن سے شرف تلمذ حاصل کرنے پر فخر کیا ۔ ہندوستان کے صدر الافاضل واستاذ العلماء نے جن سے اجازتیں لیں اللّٰہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پیارے محبوب صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں اس صدی کا مجدد خلق فرمایا اور ان کے ذریعے اس دورِ پُرشر ور وفتن میں دین پاک کا احیاء فرمایا ۔ انہیں مسائل میں سے جن کی حضور پر نور اعلحضرت قبلہ کے ہاتھوں تجدید فرمائی گئی ۔ ایک مسئلہ اذان ہے اور خاص اس مسئلہ میں حضور پر نور اعلیٰ حضرت رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے متعدد رسائل ہیں مثلاً شمائم العنبر فی محل النداء بازاء المنبر اور وقایۃ اھل السنۃ اور سلامۃ اللہ لاھل السنۃ اور اوفی اللمعۃ فی اذان

یوم الجمعۃ اور فیصلہ اذان کا حق نما فیصلہ وغیرہ وغیرہ جن کے جواب سے تمام اذانی عاجز و مبہوت رہے اور ہیں اور رہیں گے اور عجز و ضد کا یہی کافی ثبوت ہے جو اس رامپوری فتوے کا جواب پڑھ کر اس کی تمام کاروائیاں، چالبازیاں معلوم کر کے واضح ہو گا۔ مگر انصاف و حق پسندی شرط ہے۔

سگِ رضوی
فقیر حقیر محب غفرلہ ربہ

استفتاء

منجانب: مسلمین پیلی بھیت

سب مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ تمام ممالک مکہ معظمہ و مدینہ منورہ و ہندوستان و خراسان و ترکستان و ایران و مصر و شام و روم وغیرہ میں تیرہ سو برس سے جمعہ کے روز خطیب کے قریب منبر کے سامنے اندر مسجد کے اذان دوسری واسطے خطبے کے کہی جاتی ہے اور کبھی اس کے خلاف کسی نے زبان نہیں کھولی۔ اب اگر کوئی عالم صاحب یہ فرمائیں کہ یہ اذان اندر مسجد کے مکروہ ہے کیسے مانی جائے۔ خیر انہوں نے اگر مکروہ کہا تو یہ ان کا اجتہاد ہے۔ افسوس اور رونے کی یہ بات ہے کہ اذان مسنون کو جو مسجد کے اندر کہی جاتی ہے بوقت خطبہ کے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ بعض پیروؤں کے گناہ کبیرہ کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کو مرتکب گناہ کبیرہ کا کر دیا۔ اب ہم ایک فتویٰ علماء رامپور کا چھپوا کر آپ صاحبوں کے ملاحظہ کے واسطے پیش کرتے ہیں۔ اس فتوے میں صاف لکھا ہے کہ اذان خطبہ کی اندر مسجد کے مسنون ہے اور اسی طرح علمائے لکھنؤ وغیرہ کے چند فتوے آئے ہیں اگر لکھنؤ وغیرہ کے فتوے بیغرض راز میں ہیں۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اذان ثانی خطبہ کی داخل مسجد قریب منبر کے جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو کیا خارج از مسجد ہونا چاہیے اور آج تک علماء حنفیہ کا مختار مذہب حنفی کیا ہے اور اب علماء

کس طرح پر اذان ثانی خطبہ کی اپنی اپنی مساجد میں کہلاتے ہیں آیا اندر مسجد کے یا خارج از مسجد بَیِّنُوْا بِالدَّلِیْلِ وَتُوْجَرُوْا مِنَ الْجَلِیْل ۔ فتویٰ علمائے رامپور جزاہم اللہ خیر الجزاء

الجواب وَاللّٰہُ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی مُوَفِّقٌ لِلصِّدْقِ وَالصَّوَابُ اذانِ ثانی جو وقت بیٹھنے امام کے منبر پر واسطے خطبہ پڑھنے کے ہوتی ہے اور مسجد میں امام کے سامنے منبر کے پاس ہوتی ہے اور یہی طریقہ مسنون سلف و خلف کا ہے ۔ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِلٰی یَوْمِنَا ھٰذَا مُرَوَّج چلا آتا ہے وہ مسجد میں امام کے سامنے منبر کے پاس ہوتی ہے اور اگر کسی نے اس کے خلاف کیا ہے تو اس کا علمائے محققین نے رد کیا ہے یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر مجمع علیہ ساری اُمتِ مرحومہ کا ہے ۔

عن معاذ ان عمر امر موذنین ان یؤذنا للناس الجمعۃ خارجا من المسجد حتی لیسمع الناس وامران یؤذن بین یدی کما کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والی بکر ثم قال عمر نحن ابتدعنا لکثرۃ المسلمین ۔ انتہی (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

اور چونکہ مشہور روایت ایجادِ اذان علی الزوراء حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے لہٰذا علامہ ابن حجر نے اس طرح تطبیق دی ویمکن الجمع بان الذی ذکرہ عطاء ھو الذی کان فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دام علی عھد عثمٰن ثم رأی ان یجعلہ اذانا وان یکون علی مکان عال فضل ذلک فنسب الیہ لکونہ بالفاظ الاذن وترک ماکان فعل عم لکونہ مجرد اعلام انتہی

عن الزھری کان بلال یؤذن اذ جلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر فاذا نزل اقام وقد تقدم نحوہ فی مرسل

مکحول ۔ قریبًا قال المہلب الحکمة فی جعل الاذان فی ھذا المحل لیعرف الناس بجلوس الامام علی المنبر فینصتون لہ اذا خطب کذا قال وفیہ نظر فان فی سیاق ابن اسحٰق عند الطبرانی وغیرہ عن الزہری فی ھذہ الحدیث ان بلالاً کان یؤذن علی باب المسجد علامہ ابن حجر اس شبہہ روایت ابن اسحٰق کا یہ جواب دیتے ہیں فالظاہر انہ کان لمطلق الاعلام لا لخصوص الانصات، نعم لما زید الاذان الاول کان للاعلام وکان الذی بین یدی الخطیب للانصات انتہی. فتح الباری وایضًا فیہ فلتبین بما مضی ان عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ احدثہ لاعلام الناس بدخول وقت الصلوٰة قیاسًا علی بقیة الصلاة فالحق الجمعة بہا وابقی خصوصیتہا بالاذان بین یدی الخطیب انتہی اور محقق علامہ علی قاری شرح مشکوٰة میں فلما کان عثمٰن وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء کے ماتحت میں تحریر فرماتے ہیں کثر الناس ای المومنون بالمدینة وصار ذلک الاذان الذی بین یدی الخطیب لا یسمعہ، جمیع اھل المدینة قالہ ابن حجر اول ما ظہرت البدعة علی ما قیل انہا اول البدع وھو ترک التکبیر وھو الظاہر لاستبعاد سماع اھل المدینة جمیعہم الا الذی بین یدیہ علیہ الصلوٰة والسلام زاد ای عثمٰن النداء الثالث ای حدوثا وان کان الواقعة اولاً ثم بعدہ اذان اخر قدیما مع الاقامة فی المفاتیح ای فامر عثمٰن ان یؤذن اول الوقت قبل ان یصعد الخطیب المنبر کما فی زماننا انتہی۔ وایضًا قال واما الذی نقلہ بعض المالکیة عن ابن القاسم عن مالک انہ فی زمنہ علیہ الصلاة والسلام لم یکن بین یدیہ بل علی المنارة ونقل ابن عبد البر عن مالک ان الاذان

بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وماذکرہ محمد بن اسحق عند الطبرانی وغیرہ فی ھذا الحدیث ان بلالا کان یؤذن علی باب المسجد فقد نازعہ کثیرون ومنھم جماعۃ من المالکیۃ بان الاذان انما کان بین یدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کما اقتضتہ روایۃ البخاری ھذہ ولیس فی روایۃ البخاری مایقتضی شیئا من ذلک لکن یمکن الجمع بین القولین بان الذی استقر اٰخر الامر ھو الذی کان بین یدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الاذان انتھی۔ وفی الدر المختار ویؤذن ثانیہ بین یدیہ ای الخطیب قال المحقق الشامی ای علی سبیل السنیہ کما یظھر من کلامھم انتھی۔ وھکذا فی الکتب المعتبرۃ الفقھیۃ کالکنز و شروحہ وعالمگیری وغیرھا ھذا صورۃ الجواب والیہ المرجع والمآب

فقط العبد المجیب محمد عبد الغفار خان مفتی عفی عنہ

محمد عبدالغفار خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ وعلی من التزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ افضل الصلوۃ والسلام وعلیٰ الہ الکرام واصحابہ الرحماء اما بعد۔ ازجانب فقیر خادم بارگاہ احمدی محمد سلامت اللہ عفی عنہ واضح ہو کہ ہمارے یہاں عمل درآمد اس پر ہے کہ جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے پاس مسجد کے اندر ہوتی ہے فقط

ابوالذکا سراج الدین محمد سلامت اللہ

جمعہ کے روز خارج مسجد جو اذان ہوتی ہے وہ اذان اول ہے جو زمانہ حضرت عثمان میں مقام زوراء پر ہوئی ہے اور اذان ثانی جو خطبہ کے وقت ہوتی ہے۔ وہ تمام روایات فقہ اور روایات احادیث اسی پر متفق ہیں کہ امام کے سامنے

ہے اور روایات اور نصوص ظاہر ناطق ہیں کہ داخل مسجد جیسا کہ علامہ مجیب نے نقل فرمایا ہے واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ نادم اللہ بہ محمد منور علی عفی عنہ مدرس عالیہ درجہ حدیث شریف ریاست رامپور محمد منور علے

عمل اہل الحرمین الشریفین وجمیع امصار المسلمین

من عہدہ علیہ السلام الی یومہ ھو الاذان بین یدی الخطیب اذا صعد علی المنبر وعلی ھذا جمیع مذاھب الاسلام ولا سیما المذاھب الاربعۃ

فمن یبتغ ۔۔۔۔ غیر سبیل المومنین فالیتھم نفسہ نسل اللہ الحسنیۃ۔ محمد طیب المکی عفی اللہ عنہ۔

صح الجواب: العبد محمد معز اللہ خاں عفی عنہ مدرس سوم مدرسہ عالیہ

اصاب واجاد فیما اجاب وافاد فللہ در المجیب ثم اللہ درہ محمد نفس حق مفتی عفی عنہ

محمد فضل عفی عنہ

الجواب صحیح: احمد امین عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ ریاست رامپور بقلم خود

معمول بزمانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے معہ صحابہ کرام وائمہ مجتہدین اذان ثانی وقت خطبہ قریب منبر نزد خطیب ادا کی گئی ہے اور اسی پر کل کا اجماع ہے۔ اور اجماع عند اہل السنۃ حجت ہے۔ علاوہ حدیث مذکورہ کتب فقہ مثل قدوری وکنز وشامی میں بھی اذان ثانی عند الخطیب مرقوم ہے علی باب المسجد کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے اور باب بمعنی محراب بھی مستعمل ہے لہذا جواب صحیح ہے۔ سردار احمد مجددی بقلم خود

الجواب صواب والمجیب مثاب فداں احمد م الحمد للہ

صد افسوس کہ زبان مادری والے یا اپنی زبان کے ایک فاضل مسائل دین پر غور و فکر کرنے والے دونوں اصحاب دل امراء اور تابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین بین یدی الخطیب وبین یدی المنبر کے معنی عند سے تعبیر کریں اور اسے قریب سمجھتے چلے آئے ہوں

جیسا کہ قریب منبر کے اذان ثانی کا رواج ہے اور اس وقت کے علماء متبحر بھی کتب وحدیث وفقہ سے وہی معنی سمجھتے اور فتویٰ دیتے ہیں۔ اب تیرہ سو برس کے بعد ایک شخص اور اس کے پیرو یہ کہیں کہ اذان ثانی خطبہ خارج مسجد ہو تا سنت ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے تو کیا کوئی عقلمند اس کو تسلیم کرے گا۔ ان سے پوچھا جائے گا کہ بین یدی مصلی سترہ کہیں ہو مگر ہو سامنا اور امام کے پیچھے مقتدی صف باندھ کر کہیں ہوں مگر محاذ ہو۔ بھائیو! خوب جانو یہ سنت زندہ کرنا نہ ہوگا بلکہ زندہ کو مردہ کرنا ہے اور ثواب کے بدلے عذاب مہیا ہے۔ فان ماراه المومنون حسنا فهو عند الله حسن۔

المشتھـــــر

محمد نیاز گل خان متولی و مہتمم جامع مسجد بیلی بھیت و حکیم عبدالکریم خان

ضروری گذارش

مسلمان بھائیو! اس فتویٰ اور اس کے مصدقین کے عبارات کو آپ نے پڑھا لیکن ابھی آپ کو نہیں معلوم کہ جناب مجیب نے ان عربی عبارتوں میں کیا کیا لکھا ہے۔ مسجد سے اندر اذان کہلوانے کے ثبوت میں لکھا ہے یا بیرون مسجد کے سنت ہونے کا بیان کیا ہے۔ عربی عبارتیں ہیں آپ کہتے ہوں گے کہ اگرچہ مفتی صاحب نے عجلت کی بناء پر ترجمہ نہیں کیا ہے مگر انہوں نے اپنے مدعا کو ہی ثابت کیا ہوگا اور اردو میں جو لکھا ہے وہ تو انہیں کے موافق ہے۔ لہذا اب آپ حضرات اس فتویٰ کا جواب اور فتویٰ کی عربی عبارتوں کا ترجمہ پڑھتے جائیں اور حق وانصاف پہچان کر حق کا ساتھ دیں۔

[illegible]

مسلمان بھائیوں کو اذان ثانی جمعہ کے باب میں تحریر خلاف کی فاحش غلطیوں پر ضروری اطلاع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پہلا حصہ

الحمد للہ بفضلہ تعالیٰ تحریر خلاف سے خوب روشن ہو گیا کہ خلاف والوں کے ہاتھ میں مسجد کے اندر اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔ نہ حدیث سے نہ فقہ سے اگر کچھ ہوتا تو کیوں نہ لے آتے ہمارے تھے۔ مسلمانو! اتنا تو دیکھو۔ (۱) ادھر ہم نے سنن ابی داؤد شریف کی صحیح حدیث پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت اس اذان کا امام کے سامنے دروازہ مسجد پر ہونا ہے۔ وہ کوئی حدیث نہ لا سکے کہ حضور کی سنت اس اذان کا مسجد کے اندر ہونا ہے۔ (۲) ہم نے بارہ کتب فقہ حنفی کی صاف صریح عبارات مع ترجمہ و نشان صفحات پیش کیں کہ مسجد کے اندر اذان منع ہے وہ ایک کتاب کی

عبارت بھی نہ دکھا سکے کہ مسجد کے اندر حکم ہے (۳) مجیب کے سوا اوروں نے تو کسی کتاب کا ایک فقرہ تک نقل نہ کیا ہاں مجیب صاحب نے ایک شافعی عالم کی کتاب فتح الباری اور ایک مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ کہ کوئی فقہ کی کتاب نہیں اور ایک درمختار کی عبارت نقل فرمائی مگر افسوس کہ کسی کا ترجمہ نہ دکھایا جس سے ہمارے عام بھائی بھی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان عبارتوں میں ایک جگہ بھی تو اس کا نام تک نہیں کہ مسجد کے اندر اذان کا حکم ہے۔ عوام بھائی تو یہ دیکھیں گے کہ ادھر پون کالم کے قریب عربی عبارتیں لکھی ہوئی ہیں یہ انہیں کیا معلوم ہوگا کہ ان میں اذان کے اندر ہونے کا کہیں حکم نہیں۔ مسئلہ کا فیصلہ تو یہیں ہوگیا۔ حدیث و کتب فقہ حنفی کے مقابل ایک سند بھی نہ دکھا سکنا اور پھر حکم نہ ماننا بلکہ الٹا حکم دینا جو حالت رکھتا ہے مسلمان خود اندازہ کریں (۴) بھائیو جسے اعتبار نہ آئے ہم ایک سہل تدبیر بتاتے ہیں جو ہر انصاف والا فوراً قبول کرلے جناب مجیب کی خدمت میں عرض کیجئے کہ جہاں آپ نے مسئلہ لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے اتنی مہربانی اور فرمایئے کہ جتنی عبارتیں نقل کی ہیں ان کے وہ فقرے الگ لکھ کر ترجمہ یہ ہو کہ اذان مسجد کے اندر چاہیے جس میں خدا کو مان کر کچھ نمک مرچ اپنی طرف سے نہ ملایئے اور ساتھ ہی ان ارہ کتب فقہ کی عبارات و حدیث کا ترجمہ جو ہمارے پرچے میں ہے یا تو اس کی نسبت لکھ دیجئے کہ وہ ترجمہ صحیح ہے یا اگر غلط بتایئے تو ویسا ہی صاف ترجمہ ان کا بھی کر دیجئے۔ اگر وہ تمہاری یہ عرض قبول نہ کریں تو سمجھ جاؤ کہ معاملہ کیا ہے اور اگر مانیں تو ان سے لکھوا کر لو کہ ان عبارتوں کے یہ صرف خالص با محاورہ ترجمے ہیں وہ مہری ترجمے ہمیں دکھاؤ۔ اگر واقعی صاف خالص ترجمہ ہی ہوگا تو ہمارے عام بھائی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ حدیث میں دروازہ مسجد پر ہونے کی صریح تصریح اور کتب فقہ میں مسجد کے اندر ہونے کی صاف ممانعت ہے اور ان کی عبارتوں میں مسجد کے اندر ہونے کا کہیں لفظ تک نہیں مسلمانو! یہ دین ہے ضد اور ہٹ اور

سخن پروری کا محل نہیں۔ دیکھو ہم نے جو تدبیر بیائی کتنا صاف فیصلہ ہے۔ اٹھو اٹھو در جناب مجیب سے اسی مہری اقرار کے ترجمے لاؤ۔ ابھی ابھی نہیں معلوم ہوا یا تم سے کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہٖ وسلم کی سنت کیا ہے تمہاری کتب فقہ کا کیا حکم ہے اور بھائیو جسے بات کی پیچ اور ہٹ پر اڑا رہنا ہو کہ کہ مدعی پر دھوکے بیاہی لگی ہوئی قیامت میں اپنی نجات کو کافی مانے۔ اگرچہ صاف کھل گیا کہ اس میں حق چھپایا گیا اور کل کا ایک بنا ہے تو وہ جلنے اور اس کا کام۔ اتنا یاد رہے کہ ایک دن اللہ و رسول کو منھ دکھانا ہے۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم (۵) بھائیو! ہم تمہیں بتائیں کہ ان عبارتوں میں کیا ہے سب میں بَیْنَ یَدَی کا لفظ ہے یعنی یہ اذان امام کے سامنے ہونا سنت ہے بھائیو! اس کا کسے انکار تھا کس نے کہا تھا کہ امام کی پیٹھ کے پیچھے ہو سامنے نہ ہو ہمارا فتویٰ دیکھو پہلے ہی جواب میں ہے کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر ہوئی دوسرے جواب میں ہے چہرہ انور کے مقابل مسجد کے دروازہ پر ہوئی پھر ان عبارتوں سے دھوکا دینے کے سوا کیا حاصل ہوا۔ بھائیو! اسی لیے تو آپ کو ترجمہ نہ دکھایا (۶) بھائیو تعجب نہیں کہ بات آدمی کی سمجھ میں نہ آئے مگر روشن بیانوں سے سمجھا دیا تھا کہ دیکھو حدیث میں بین یدی ہے اور ساتھ ہی علی باب المسجد یعنی چہرۂ انور کے مقابل دروازے پر ہوتی تھی۔ بس اس قدر بَیْنَ یَدَی کے لیے درکار ہے اور نہ صرف حدیث بلکہ حضور اعلیٰحضرت مجدد اعظم دین وملت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے فتوائے مبارک مسمی باسم تاریخی اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ وغیرہ ۱۳۲۰ھ میں قرآن عظیم کی متعدد آیات سے بَیْنَ یَدَیْہِ کے معنی واضح فرما دیئے تھے فرمایا تھا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ یہ ماضی ومستقبل متصل سے مخصوص نہیں بلکہ ازل تا ابد سب اس میں داخل ہے (۲) یونہی ملائکہ کا قول

نقل فرمایا لہ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذالک یعنی اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ تمام ماضی و مستقبل، حال سب کو شامل ہے۔ ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر ترائن حالیہ ایک نوع قرب ہر شے کے لائق مستفاد ہوتا ہے نہ اتصال کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو قال اللہ تعالیٰ وھو الذی یرسل الریاح بشراً بین یدی رحمتہ حتیٰ اذا اقلت سحاباً ثقالاً سقنٰہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء یعنی اللہ ہے کہ بھیجتا ہے ہوائیں خوشی کی خبر لاتی۔ باران رحمت کے آگے یہاں تک کہ جب انہوں نے ابھارے بوجھل بادل ہم نے اسے رواں کیا کسی مردہ شہر کی طرف تو اتارا اس سے پانی۔ بین یدی نے قرب مطر کی طرف اشعار فرمایا۔ مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی معاً اترے بلکہ ہوائیں چلیں اور بادل اٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے وقال تعالیٰ ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید ٥ یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔ آیت نے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے پھر اس کا قرب اس کے لائق ہے (تیرہ سو سینتیس اور اب تیرہ سو بتا بیس) برس گزر گئے (اور اب تیرہ سو چھیاسٹھ ہو گئے) اور ہنوز وقت باقی ہے۔ پس جو اذان مسجد پر یا فنائے مسجد کی کسی زمین میں جہاں تک حائل نہ ہو محاذات امام میں دی جائے اس پر ضرور بین یدی صادق ہے انتہی۔ حضور پر نور سیدنا اعلیٰحضرت عظیم البرکت مجدد اعظم دین و ملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان آیات کریمہ سے ان کے بہت امثال کی طرف متنبہ فرما دیا تھا جو قرآن عظیم میں بکثرت ہیں۔ یہ فتویٰ بھی جناب مجیب نے دیکھا اور افسوس کہ آیات قرآنیہ کا بھی لحاظ نہ کیا۔ قرآن و حدیث سب کے خلاف وہی اپنی ضد رکھی کہ بین یدیہ کے معنی متصل کے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥، مسلمانو آخر تو لئے

مطبوعہ میں جو ہم نے علماء سے پانچ سوال اضافہ کئے تھے۔ الحمد للہ وہ ان تمام باطل خیالات کے رد کو پہلے ہی حاوی ہو لئے تھے۔ جناب مجیب اور ان کے مقرضان عجیب نے جو جو بے معنی شبہے پیش کئے ان سب کا پیشگی رد ان سوالات میں موجود ہے جب تو حضرات نے ان کے جواب سے پہلو تہی کی حق پرستی تو یہ تھی کہ پندرہ سوالات کا رد۔ پندرہ سوال یہ ہیں ۱۔ جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر ۲۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی ۳۔ فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان دینے کو منع فرمایا اور مکروہ کہا ہے یا نہیں ۴۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں اس پر عمل لازم ہے یا رسم و رواج پر اور جو رسم و رواج حدیث شریف و احکام فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کی پیروی حدیث و فقہ کا حکم ہے یا رسم و رواج پر اڑا رہنا ۵۔ نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم و خلفائے راشدین و احکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو ان سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو۔ ۶۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث و فقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف، اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارۂ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تخواہ دار موذنوں کے فعل اگرچہ خلاف شریعت و حدیث و فقہ ہوں ۷۔ سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو سنت زندہ زندہ کی جائے گی یا مردہ سنت اس وقت مردہ کہلائے گی۔ جب اس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے یا جو سنت خود رائج ہو وہ مردہ قرار پائے گی ۸۔ علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنت مردہ زندہ کریں۔ اگر ہے تو کیا اس وقت

ان پر یہ اعتراض ہوسکے گا۔ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے اگر یہ اعتراض ہوسکے گا تو سنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہوگی ۔ ۹۔ جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اس کی فصیل پر کھڑے ہوکر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائے گا یا نہیں ۔ ۱۰۔ جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہیے اُمید کہ دسوں مسئلوں کا جدا جدا جواب مفصل مدلل ارشاد ہو بینوا توجروا ۔ یہ دس سوال مستفتی کی جانب سے مرکزی دارالافتاء بریلی شریف میں پیش ہوئے جن کے جوابات حضرت مفتی صاحب نے دیئے اور جوابات کے بعد آخر میں تحریر فرمایا " مسلمان بھائیو! یہ دین ہے کوئی دینوی جھگڑا نہیں ۔ دیکھ لو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت کیا ہے ۔ تمہاری مذہبی کتابوں میں کیا لکھا ہے ۔ حضرات علمائے اہلسنت سے معروض حضرات احیائے سنت آپ کا کام ہے اس کا خیال نہ فرمایئے کہ آپ کے ایک چھوٹے نے اسے شروع کیا وہ بھی آپ ہی کا کرنا ہے آپ کے رب کا حکم ہے تعاونوا علی البر والتقوی اور اگر آپ کی نظر میں یہ مسئلہ صحیح نہیں تو غصہ کی حاجت نہیں ہے ۔ بے تکلف بیان حق فرمایئے اور اس وقت لازم ہے کہ ان دسوں سوالوں کے جدا جدا جواب ارشاد ہوں ۔ اور ان کے ساتھ ان پانچ سوالوں کے بھی ۔ ۱۱۔ اشارت مرجوع ہے یا عبارت اور ان میں فرق کیا ہے ۔ ۱۲۔ کیا محمل صریح کا متقابل ہوسکتا ہے ۔ ۱۳۔ تصریحات کتب فقہ کے سامنے کسی غیر کتاب فقہ سے ایک استنباط پیش کرنا کیسا ہے خصوصاً استنباط بعید یا جس کا منشا بھی غلط ۔ ۱۴۔ حنفی کو تصریحات فقہ حنفی کے مقابل کسی غیر کتاب حنفی کا پیش کرنا کیسا ہے ۔ ۱۵۔ قرآن مجید کی تجدید فرض ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا سب ہندی علماء اسے بجا لاتے ہیں یا سو میں کتنے ؟ بینوا توجروا

یہ سوالات مع ان دس سوالات مستفتی کے جوابات کیسا تھ بارہا بریلی شریف

سے شائع ہوئے ملک میں پھیلے اور اب بھی جسے وہ مبارک فتوی دیکھنا ہو فتاوی رضویہ جلد دوم اور احکام شریعت حصہ دوم اور علمائے دین کے متفقہ فتاوے ملاحظہ کرے گا آج تک کسی اذانی نے ان پندرہ سوالوں کا جواب نہ دیا اور نہ اذانیوں میں ان سوالات کے جواب دینے کی ہمت ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی کا علاج نہیں" محب عفرلہ

جواب ہم نے مانگا تھا منصفانہ ان کا جواب دیتے پھر اگر کوئی شبہ بچ رہتا اسے پیش کرتے مگر بچتا کہاں سے بفضلہ تعالیٰ ہم نے پہلے ہی ان کے انتہائی خیالات کا احاطہ کر دیا تھا پھر ان کا جواب دینے کے بعد کچھ خلاف نویسی کی گنجائش کہاں رہتی لہذا ہیر پھیری کتراتے ہی بنی۔ یقین نہ آئے تو اب سے پندرہ سوالوں کے صاف صاف جواب بے ہیر پھیر دے کر اس آئینہ میں اپنی تحریر دل جواب و تصدیقات سب کا منہ دیکھ لیجئے۔ اگر ایک شبہ بھی بچ رہے تو گنہ کرنا۔ اب میں یہ دکھاؤں کہ اسقدر نا انصافیاں اوڑھ کر بھی (باستثنائے جناب مولنا مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب دامت فیضہم، جناب مجیب دمقر شان عجیب نے سنت کے مثل عوام کو بہلانے کو کیا کچھ ناگفتنی باتیں بنائیں۔ مولنا شاہ سلامت اللہ صاحب کی عمر خدمت مذہب اہلسنت و دفع شیاطین کفر و بدعت میں گذری ہے۔ اس کی برکت نے انہیں محفوظ رکھا کہ نہ فقہ کو کایا پلٹ کیا نہ ائمہ پر بہتان لگانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وسلم پر افترا اٹھایا۔ نہ عبارات میں اپنی سمجھ اندھے مطلب کا رنگ دکھایا۔ انہوں نے یہ بھی نہ فرمایا کہ زمانہ اقدس میں کیا تھا یہ بھی نہ فرمایا کہ کتب فقہ میں منع یا حکم نہیں لکھا صرف [illegible] اسکل صحیح ہے اور عبارت بھی کسی کو خط کے انداز میں لکھی نہ ابالجدا تہ جانب فقیر سلامت اللہ واضح ہوتا کہ تصدیق فتوی کے رنگ سے الگ رہے۔ جب مخالفین علماء کے رسائل کو کیا سمجھیں بلکہ خدا

انصاف دے تو حضرت مولانا نے سمجھ دار کو حکم جان لینے کا راستہ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث و فقہ کی بحث تھی۔ حضرت مولانا ان سے عند رکھتے تو ضرور لکھتے مگر ان کے دین و دیانت ان کے صدق و امانت نے انہیں جھوٹ بولنے، افترا گڑھنے، دھوکے دینے سے بچایا۔ فقط اپنے یہاں کے عملدر آمد کا ذکر فرمایا یعنی اے لوگو! دین و عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو کہ حدیث و فقہ کا اعتبار ہے یا اپنے عملدر آمد کا۔ الحق عالم حقانی کی شان یہی ہے کہ اگرچہ کسی وجہ سے کچھ کرے مگر شریعت پر غلط افترا نہیں باندھتا و للہ الحمد اور حضرات نے جو جو خوش انصافی کیے ان کی اجمالی فہرست عرض کر دوں۔

سلف[1] پر افترا، ائمہ[2] پر افترا، محققین[3] پر افترا، روایات[4] پر افترا، نصوص[5] پر افترا محمد[6] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم پر افترا، عبارات[7] میں قطع برید، بد مردود[8] سے سند لانا اور رد کو الگ چھپانا، دلیل[9] و رد میں تمیز نہیں، حکم[10] و بحث میں امتیاز نہیں، جزم[11] و امکان میں فرق نہیں، مانع[12] و متدل کی پہچان نہیں۔ راوی مجہول و متروک کی شناخت نہیں صریح و محتمل کا ادراک نہیں، عبارت[13] و اشارات کی معرفت نہیں مفید[14] و مہمل میں تفرقہ نہیں بلکہ مضر[15] و نافع کی سمجھ نہیں، محض[16] منہ زوری سے یعنی حدیث کی تحریف، حنفی[17] کہلا کر فقہ حنفی کے مقابل ایک شافعی عالم سے استناد اور وہ بھی نراخرط القتاد۔ کثیر[18] کتب فقہ کے رد کو ایک غیر فقہی کتاب سے استناد اور وہ بھی محض بے بنیاد۔ میں ان بیسوں باتوں کا ثبوت پیش کروں ان سے بہتر ان شاء اللہ الکریم خود ان صاحبوں کے منہ منوا لوں۔ میرے پندرہ سوال پہلے کے ہیں۔ آگے چلوں اگر بے پھیر پھار سوالوں کے جواب دے تو بعونہ تعالیٰ سب دیکھ لیں گے کہ وہ بیسوں باتیں کیسے روشن طور پر ثابت ہو گئیں اور کھل گیا کہ حضرات نے اس تحریر میں کس دین و دیانت کو بیٹھ دی اور اگر پہلے کی طرح اڑان گھائی سے کام لیا تو الحمد للہ میں حق واضح کر چکا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

جناب مولنا مولوی عبدالغفار خان صاحب السلام علیکم۔ مزاج شریف۔ جناب کے مصدقین میں جو دیوبندی وغیرہ مقلد صاحبان ہیں آپ ہی کے صدقہ میں انشاء العزیز ان کی بھی خبر لی جائے گی۔ ورنہ میں پہلے ہی فتوے میں حضرت علمائے اہلسنت کی تخصیص کر چکا۔ زیادہ عرض آپ سے ہے اور یوں بھی کہ آپ ہی اصل مجیب ہیں، اور یوں بھی کہ عبارتیں آپ ہی نے پیش کی ہیں جن سے عوام سمجھیں کہ آہا کتاب سے کہہ رہے ہیں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کی تحریر اگر چھپی نہ ہوتی تو میں ہرگز آپ کے اغلاط شائع نہ کرتا۔ کاش آپ حساب دوستاں در دل پر نظر رکھ کر مجھ سے باہم طے کر لیتے مگر جب آپ کی تحریر چھپ چکی تو رد شائع نہ کرنے میں گمراہی عوام ہے لہذا مجبوری ہے۔ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ اس تحقیق امر و نہی کو تا طع محبت قدیمہ نہ ٹھہرایئے۔ الحمد للہ آپ بھی سنی میں بھی فرعی سنی فقہی اختلاف ہوا ہی کرتے ہیں۔ ہاں آپنے بعض وہابیہ کی خواہش کے مطابق خلاف ظاہر کیا اور انہیں مدد دی اور باہم طے ہونے سے پہلے چھپوادی یہ ضروری غلطی ہوئی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

تمہید ابتدائی۔ قبل اس کے کہ بعونہٖ عزوجل ان سوالات کا سلسلہ شروع کروں جن سے دعوئے علم و دیانت کی آنکھیں کھلیں، پہلے تین سوال عرض کروں جن کو ہمارے عوام بھائی بھی سمجھ لیں۔ پھر تو انشاء اللہ تعالیٰ علم کا میدان ہے اور ہمارے قلم کا جولاں و باللہ التوفیق وعلیہ التکلان۔

سوال ۱۔ جو حدیث موقوف اور شروح بخاری و مشکوٰۃ کی عبارتیں آپ نے پیش کیں، بعونہٖ تعالیٰ آگے دکھاؤں گا کہ وہ حدیث کیسی ضعیف اور ان عبارتوں میں آپنے کیا کیا کارروائی کی اور کیسی خوش فہمی برتی۔ تھوڑی دیر کو ان تمام تر اعتراضوں سے قطع نظر ہی سہی تو آپ کو حق دوستی کی قسم ایمان ایمان سے کہنا اگر آپ ایک مسئلہ پر صحاح کی حدیث مرفوع اور بارہ کتب فقہ حنفی کی صریح تصریحیں لکھیں جن میں صاف صاف

حکم مسئلہ لکھا ہو اور ایک شخص آپ کے خلاف مسئلہ بتائے اور اس پہ ایک عبارت فقہ بھی نہ لا سکے صرف غیر صحاح کا ایک اثر موقوف اور دو شرح حدیث کی ایک جملہ عبارت جس میں حکم مسئلہ کی کہیں تصریح نہیں سامنے لائے تو کیا یہ منصفوں کے نزدیک جواب ہو گیا یا عقل و علم و دیانت سب کو جواب کیا جو عوام لیسے مقابلہ پر کود دیں اور فتویٰ کے جواب میں فتویٰ سمجھیں وہ احمق بدعقل دھٹ دھرم ہیں یا نہیں۔

سوال ۱۲ مسئلہ اشارہ میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات جلد اول مکتوب ۳۱۲ میں آپ کی نظر سے ضرور گذرے ہوں گے جن میں صراحۃً اقرار فرمایا ہے کہ دربارۂ اشارہ بہت حدیثیں ہیں اور نوادر میں امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے مانا اور اسے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی قول بتایا اور علمائے حنفیہ نے اس پر فتویٰ بھی دیا تو حدیثوں میں بھی ہے، فقہ میں بھی ہے، فتوے میں بھی ہے، بایں ہمہ صرف اس وجہ سے کہ ظاہر الروایۃ میں نہیں اس پر عمل جائز نہ رکھا اور فرمایا ہم مقلدوں کو جائز نہیں کہ حدیثوں پر عمل کر کے اس پر جرأت کریں اب اسے اپنے مسئلہ سے ملا دیکھیں نہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے نام کو ایک حدیث، نہ نام کو کسی کتاب فقہ میں حکم بھلا فتویٰ تو بڑی چیز ہے پھر آپ کو کیونکر حلال ہوا کہ برخلاف تصریحات فقہ ایک اثر موقوف اور دو شرح حدیث کی عبارتیں دکھائیں، ان میں بھی ایک شافعی المذہب کی اور ان کے سبب تمام تصریحات کتب فقہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیں اور پھر آپ کی مقلدی برقرار۔

سوال ۱۳۔ اشارہ در کنار امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے میں کتنی صحاح احادیث ہیں حضرت شیخ مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جی پڑھنے کو چاہتا تھا۔ مگر محض اس وجہ سے کہ فقہ حنفی کے خلاف ہے نہ پڑھتے اور فرماتے "نقل از مذہب الی مذہب دیگر مذہب سے عدول کرنا ملحد کا کام ہے دیکھو حضرت کا رسالہ "مبدأ و معاد"، کیا آپ بارہ کتب

فقہ حنفی کے خلاف ایک اثر موقوف در شرح حدیث پیش کر کے مقلدیت و محدیت دونوں کو استعفا دینا گوارا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کہیں یہ تو سے آپ کے نام سے کسی وہابی نے تو نہیں لکھ دیا بہر حال کچھ بھی ہو اب ذرا آپ حضرات سنبھل کر ہوشیار ہو جائیں کہ تاہم سوالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

بیس ربیع الاول شریف روز بان افروز دو شنبہ مبارکہ ۱۳۳۲ھ

دوسرا حصہ

بنام تاریخی (سوالات قاہرہ) در زبر و بینات

سوال ۱۹: آپ نے فتح الباری سے ایک اثر موقوف منسوب بامیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کیا اور فتح الباری میں جو اس کا حال بتایا تھا تو کیسی کتاب میں ہے اور خود کیسے بیٹے سے سند فرما دی۔ جناب اگر فتح الباری کی پوری عبارت نقل فرماتے یا اس اثر کے حالی سمجھتے تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم مروی کتاب صحاح کے مقابل اسے پیش کرنے شرم فرماتے نہ وہ حدیث ابو داؤد کے مقابل ہو سکتا ہے نہ اس میں کوئی حرف اس سنت کے خلاف نہ آپ کو مفید غرض نہ روایت مقبول نہ درایت معقول مگر حدیث صحاح و فقہ حنفی دونوں کا رد تو ضرور۔ اولاً کیا عبارت فتح الباری کا آغاز یہ نہ تھا کہ فی تفسیر جویبر عن الضحاک عن زیادۃ عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ آپ نے معاذ سے عبارت شروع کی اور اوپر کے حلیے چھوڑ دیے جن سے واضح تھا کہ یہ روایت تفسیر جویبر کی ہے اور تفسیر جویبر بہت نامعتبر کتاب ہے۔ آپ کو نہیں معلوم کہ ائمہ نے جویبر کو شدید الضعف متروک کہا ہے اور راوی من دونہ ہے تو اس کی تفسیر بھی تفسیق آپ پر تھی کہ احکام میں مجہول یا مجروح سے احتجاج جائز ہے۔

یہ آپ کی پہلی قطع برید ہوئی۔

سوال نمبر ۲۰ ثانیاً کیا فتح الباری میں اس عبارت کے متصل یہ الفاظ نہ تھے وھذا منقطع بین مکحول و معاذ یہ روایت مکحول و معاذ کے درمیان منقطع ہے۔ فتح الباری میں جو اس پر صریح جرح فرمادی تھی یہ بھی آپ نے حذف فرمادی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ روایت منقطع جب حدیث متصل مُسند کے معارض ہو بالاتفاق مردود ہے یہ دوسری قطع برید ہوئی۔

سوال نمبر ۲۱ ثالثاً اسی پر بس نہیں اس کے متصل ہی فتح الباری میں اس روایت کی صاف بے ثبوتی بیان فرمادی تھی کہ ولا یثبت یہ روایت ثابت نہیں جناب نے اسے بھی اڑادیا یہ تین قطع بریدیں ہوئیں۔

سوال نمبر ۲۲ رابعاً فتح الباری نے تاریخی واقعات سے وہیں اس کی بے ثبوتی کا ثبوت دیا تھا کہ لان معاذاً کان خرج من المدینۃ الی الشام فی اول ما غزوا الشام واستمر الی ان مات الشام فی طاعون عمواس۔ یعنی شروع خلافت صدیقی میں ملک شام پر جہاد کا آغاز ہوا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی جہاد میں مدینہ طیبہ سے شام کو چلے گئے اور وہیں رہے یہاں تک کہ طاعون عمواس میں شہید ہوئے۔ انہوں نے خلافت فاروقی میں مدینہ طیبہ دیکھا ہی نہیں کہ یہ روایت بیان فرماتے جناب نے اسے بھی اڑادیا یہ چار قطع بریدیں ہوئیں۔

سوال نمبر ۲۳ خامساً اس کے متصل ہی فتح الباری میں تھا وقد تواردت الروایات ان عثمان ھو الذی زادہ فھو المعتمد یعنی اور بیشک پے درپے روایات آئی ہیں کہ پہلی اذان امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ فرمائی تو اسی پر اعتماد ہے کیا انہوں نے نہ بتایا کہ یہ روایت نہ فقط شاذ بلکہ منکر د

ناقابل اعتماد ہے۔ جناب نے اسے بھی اڑا دیا۔ یہ پانچ قطع بریدیں ہوئیں شاید جناب کے خیال میں یہ تھا کہ فتح الباری دنیا میں آپ ہی کے پاس ہے۔

سوال ۲۴ سادسًا مولنا ان تمام قطع بریدوں سے آپ نے فائدہ کیا پایا نہایت یہ کہ ایک اثر ضعیف ناثابت بن کر غیر معتبر کو ثابت و معتبر ٹھہرا لیں اچھا یوں ہی پھر حاصل تو بتائیے اس میں کون سا حرف مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے۔ اگر بین یدیہ پھیے تو یہ وہی وہم بے اصل ہے جسے خود قرآن عظیم کی بکثرت آیات کریمہ رد فرما رہی ہیں۔ اور اگر یہ کہیے کہ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو مؤذنوں کو حکم فرمایا کہ مسجد سے باہر اذان کہیں تو اس سے یہ سمجھا کہ دوسری اذان مسجد کے اندر ہے۔ مفہوم مخالف ہوا اور وہ بھی سب میں ضعیف، سب میں ردی، مفہوم لقب جسے حنفیہ تو قطعًا مانتے ہی نہیں۔ صرف بعض حنابلہ قائل ہوئے۔ یا دقاق شافعی یا مندا دمالکی دیس اور کتب حنفیہ میں اس پر یہاں تک انکار فرمایا کہ مفہوم لقب مانا جائے تو معاذ اللہ کلمہ طیبہ کفر ہو جائے (دیکھو توضیح تلویح وغیرہ کتب اصول) تو کیا حدیث صریح صحاح و تصریحات کتب معتمدہ فقہ حنفی کے رد کو ایک ایسی پوچ تر لچر بات کا دامن پکڑنا ایک حنفی کو زیب دیتا ہے

سوال ۲۵ سابعًا مولنا یہ تو ایسی صاف بات تھی کہ ایک جاہل سے پوچھیے تو وہ بھی بتا دے مثلاً بادشاہ دیوان خانہ میں ہو اس کا بیرونی دروازہ بالکل محاذات میں ہے جہاں سے چوبدار حاضران دربار کو لاتا اور نگاہ روبرو عرض کرتا ہے تین نفر آئے ہیں ایک دروازہ تک پہنچا دو ابھی باہر ہیں۔ اس وقت بادشاہ انہیں بوچھے تو کیا نہ کہا جائے گا۔ ایک حضور کے سامنے ہے اور دو باہر حاضر ہیں یا فارسی میں یکے پیش روئے منور ست، دو بیرون دربار، یا عربی میں احدھم بین یدی الملک و اثنان خارج الحضرۃ۔ کیا

کوئی عاقل اس سے یہ گمان کرے گا کہ یہ جسے بَیْنَ یَدَی کہا جوفِ مکان میں ہے، دروازہ محاذی پر نہیں۔

سوال ۲۶ شاہ مگا مولنا آپ نے اندر باہر کے محاورات پر نظر کی نہ ہی یہی جانا کہ اذان کس معنی پر باہر ہے کیا مسجد کے دو اطلاق نہیں۔ ایک موضع صلاۃ فصلیں دیواریں، دروازہ سب اس معنی پر مسجد سے خارج ہیں اور اس کے توابع۔ دوسرا چار دیواری مسجد معہ افیہ ایں معنی وہ سب داخل مسجد ہیں۔ کیا خود قرآن عظیم میں یہ دونوں محاورے موجود نہیں۔ انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ یہ بنا پر موقوف نہیں دیکھو حدیث ترمذی و ابن ماجہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وعلی الہ وسلم لھدمت صوامع وبیع وصلوت ومسجد ہدم بنا ہی کے لیے ہے بمعنی دوم وہ اذان جدید خارج مسجد تھی اور اذان بین یدیہ داخل۔ مگر بمعنی اول خارج مسجد تھی۔ اور اسی قدر اسے درکار ہے بلکہ یہاں تیسرا اطلاق اور ہے۔ فنائے مسجد کو بھی مسجد کہتے ہیں۔ لہذا منارہ پر جو اذان ہو اسے یہی کہیں گے چلو مسجد میں اذان ہوئی یہ کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوئی۔ بدائع پھر ردالمحتار میں ہے لو صعد ای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلا خوف وان کان بابھا خارج للسجد لانھا منہ لانہ یمنع فیھا من کل مایمنع فیہ من البول ونحوہ فناشبہ زاویۃ من زوایا المسجد اب تو امر بہت واضح ہے مگر فقہ کے لیے سمجھ درکار ہے مولنا مستدل بنا ذرا کارے دارد اور وہ بھی حدیث صحاح و فقہ حنفی دونوں کے رد کو۔

سوال ۲۷ تاسعًا ہمیں احتمال ہی کافی تھا کہ خود آپ کی پیش کردہ روایت

میں خارجًا عن المسجد کے ساتھ حتی یسمع الناس موجود ہیں نے
لکھا کہ خارج مسجد بیرون حدود مسجد مراد ہے کہ دور والوں کو آواز پہنچے جس
طرح [illegible] عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زوراء پر دلوائی کہ مدینہ طیبہ
[illegible] کا بازار ہے۔

سوال [illegible] تھا [illegible] ہمارے [illegible] اذان [illegible] امام ابن الہمام کا کلام نزدیک
[illegible] المسجد ای فی حد [illegible] لکن [illegible] الاذان [illegible] خارجہ [illegible]
[illegible] اذان ثانی [illegible]
[illegible] آپ [illegible] کے [illegible]
عشق کا اجالا مبارک [illegible]

سوال [illegible] آپ [illegible] تک [illegible] حالت [illegible]
[illegible] اذان ہونے کا [illegible]
[illegible] تو [illegible] پھر فرمایا اذان ثانی [illegible]
[illegible] حضرت [illegible] اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [illegible]
سوال [illegible] بھی تھا کہ [illegible] بات [illegible] حضور [illegible] تعالیٰ علیہ
وسلم [illegible] ہوا [illegible] کی طرف الجزم [illegible] ہے [illegible] کے خلاف
ثابت ہوا ہے [illegible] حضور [illegible] اللہ [illegible] علیہ وسلم [illegible] قول افترا ہوا یا نہیں:
جواب [illegible] آپ خود جانتے ہیں کہ محمد [illegible] اللہ [illegible] علیہ [illegible] آلہ وسلم پر
افترا [illegible] سخت شدید اعظم آفت ہے [illegible] نہیں لہذا آپ قصدا اس کے
[illegible] ہوں [illegible] اللہ [illegible] تعالیٰ [illegible]
[illegible] رکھے گا۔ آپ تو ما شاء اللہ ذی علم ہیں۔ مگر [illegible] غلط فہمی
[illegible] اللہ و رسول معاف فرمانے والے ہیں۔ لہذا حق دوستی کے لیے بہت

منت ہے معروض کہ اب مطلع ہو کر توبہ فرما لیجئے اور جس طرح اس کا وقوع علانیہ ہوا چھپ کر بیٹا تو یہ بھی چھاپ کر بانٹیے کہ ہمارے آپ کے مولائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے۔ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ۔ خفیہ گناہ کی توبہ خفیہ اور علانیہ کی توبہ بھی علانیہ کیا جناب کی حق پرستی سے امید نہ ہو کہ آپ اس سے انکار اور اس پر اصرار نہ فرمائیں گے۔ دیکھئے آپ کا رب عزوجل فرماتا ہے لم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون۔

سوال ۳۲ فتح الباری میں یہاں اس کی بحث ہے کہ اذان اول امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زائد کی یا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان ثانی کے اندر باہر ہونے کا یہاں کچھ ذکر نہیں۔ ایسی مجرد اثر اس کے بیان کو ہے کہ بخلاف روایات مشہورہ یک اثر میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زائد فرمانا آیا پھر اس اثر کا رد کیا۔ پھر خطابی سے اس کی تائید نقل کی پھر اس کا رد کیا پھر تطبیق نکالی یا یہ ہے آپنے نقل کیا جس کا حاصل یہ کہ ممکن ہے زمان فاروقی میں اذان سے پہلے کوئی اعلان بے اذان ہوتا ہو اور یہی ابتدائے خلافت ذی النورین میں رہا۔ پھر امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بالفاظ اذان کر دیا ہو۔ فرمایئے اس کا ہم کو اس مسئلہ سے کیا علاقہ۔ پھر اس کا لانا سطریں بھرنے اور عوام کو یہ رعب دلانے کے سوا کیا ہے کہ آہا سطریں عربی عبارتوں کی ہیں یہ آپ کی پہلی تبرئی ہے۔

سوال ۳۳ پھر یہاں فتح الباری نے مہلب سے نقل کیا کہ اذان ثانی یہاں اس لئے رکھی گئی۔ کہ لوگ حاضر ہو کر خطیب جب منبر پر بیٹھا تو خطبہ کے وقت خاموش سنیں۔ پھر اس روایت میں ابن اسحق اسی حدیث ابو داؤد بحوالہ طبرانی وغیرہ سے اس کا رد کیا کہ یہ اذان تو در دروازہ مسجد پر ہوتی تھی تو ظاہر ہے کہ مطلق اعلام کے لیئے تھی نہ اس

چپ کرنے کو ذرا خدا کو مان کر اپنی ہی نقل کی ہوئی عبارت ایک نظر پھر دیکھ لیجئے کہ امام ابن حجر تو اس روایت ابن اسحٰق کو حجت بناسے ہیں اس کی سند سے مہلب کا قول رد کر رہے ہیں کہ فیہ نظر فان فی سیاق ابن اسحٰق کان یؤذن علی باب المسجد فالظاہر انہ کان لمطلق الاعلام لا لخصوص الانصات اور آپ عین استدلال میں نتیجہ کو دلیل سے توڑ کر علی باب المسجد پر ختم کرتے اور فالظاہر کو جو اس روایت ابن اسحٰق پر تصریح تھی اسی کا رد ٹھہرائے دیتے ہیں کہ فرماتے ہیں " علامہ ابن حجر اس شبہہ روایت ابن اسحٰق کا یہ جواب دیتے ہیں فالظاہر انہ کان لمطلق الاعلام " انا للہ وانا الیہ راجعون مولانا اگر یہ سمجھ کر یہ بالتصریح نتیجہ کو دلیل سے جواب دلیل کا رد ٹھہرایئے تو سوا انا للہ وانا الیہ راجعون مولانا میں جانتا ہوں کہ ایسے ناخوش فہمی پر اگر آپ کا کوئی کافیہ خواں طالب علم اڑے تو شاید اس پر سخت غضب کی قینچی پڑے پھر آپ نے عجب اور کروڑ ہا عجب اور جب آپ ہی ایسی ٹھوکریں کھائیں تو آپ کے فتوے پر تصدیقیں کرنے والوں سے کیا شکایت کہ وہ تو آپ ہی کی رہ جی بجالائے ہیں منطقیوں اور فلسفیوں کو بھی نہ سوجھی کہ کیا اندھیر کھاتا ہے۔ یوں نامی زٹلیات میں بال کی کھال نکالنے کا دعویٰ ہے۔

سوال ۳۵: بتانے دیکھئے یہ ہے کہ اصل مدعا کی نافہمی ہے اور لیجئے کہ ابن حجر فالظاہر سے روایت ابن اسحٰق کا جواب دے رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم پر آپ کا افتراء اب بھی ثابت رہا۔ آپ بزعم خود ابن حجر سے سند لاتے ہیں ابن حجر عدوث اذان اول تک علی باب المسجد کو مسلم رکھتے اور اس کی وجہ قصد اعلام بتاتے ہیں تو ثابت ہوا کہ صدر خلافت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک اذان خطبہ بیرون مسجد ہی ہوا کی تو مسجد میں ہونے کو آپ کا فرمانا کہ " یہی

طریقہ زمانۂ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے چلا آتا ہے"، آپ ہی کے منہ، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر افترا ہوا یا نہیں۔

مولنا قصور معاف۔ آپ بھی شیروں سے شکار چھیننے چلے ہیں غرض یہ جناب کی تیسری بھرتی تو اور الٹی چھری ہوئی۔ رہا اتصات و اعلام کا خرخشہ اسکی سنیئے۔

سوال ۳۶ اولاً کیا جناب حنفیت کو بالکل استعفٰے دے بیٹھے جو ایک عام غیر حنفی سے نقل کرنے چلے کہ اذان ثانی اعلام کو نہیں اور آپ کے کتب مذہب میں صریح تصریح ہے کہ وہ بھی اعلام کو ہے۔ ہدایہ و کافی و تبیین و عنایہ و بحر و درمختار وغیرہا میں ہے واللفظ للبحر تکوارہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض. شرح تنویر میں ہے الاذان اعلام مخصوص، ثم یقل یدخول الوقت یعم القائمۃ و بین یدی الخطیب۔

سوال ۳۷ ثانیاً۔ کیا اعلام بعد اعلام ناممکن ہے یہ تو خلاف اجماع امت ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ ثبوت اعلام بعد اعلام ہے اور علمائے امت کے اس میں دو قول ہیں مکروہ یا مستحب اور دونوں نوع وجود ہیں۔ محال نہ مکروہ ہو سکتا ہے نہ مستحب تو بالاجماع اذان ثانی بھی اعلام ہے۔ اب ایک غلط بات کی اتباع میں نہ صرف حنفیت کا خلاف بلکہ اجماع کا خرق ہو گا۔ کیا آپ نے حدیث اتقوا زلۃ العالم نہ سنی۔

سوال ۳۸ ثالثاً اعلام رکن اذان ہے اذان کا اس سے انسلاخ کیونکر ممکن ردالمحتار میں ہے۔ لا یسمی اذانا شرعا لعدم الاعلام اصلاً۔

سوال ۲۹ را بعا رح عمل اس کا مقصود ہے۔ شک نہیں کہ اذان خطبہ زمانہ رسالت میں اعلام کو تھی۔ اگر اذان اول کی زیادت سے صرف انصات کو رہ جاتی تو مقصود بدل جاتا تو امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شئے زیادہ نہ فرمائی بلکہ معاذ اللہ اصل سنت کو بدل ڈالا کہ اس کی صورت رہ گئی اور معنی فوت ہوگئے یہ کیونکر معقول ہے

سوال ۳۰ خامسًا بغرض باطل یوں ہی سہی پھر کون سی دلیل شرعی ہے کہ انصات کی اذان داخل مسجد ہو۔ ہاں تو ایں ہا نکم اگر منبر کی آواز باہر نہ جائے تو اندر کی منبر تک جائے گی۔ پھر وجہ تخصیص کیا اور اگر نہ جائے گی تو باہر کی دوسرے زیادہ موجب انصات ہیں کہ اندر والے تو امام کو منبر پر بیٹھا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ابن بن عبارت منقولہ دیکھئے جسے آپ تیرتے بھی بعد حدوث اذان اول مسلم رکھتے کہ ليعرف الناس جلوس الامام على المنبر فينصتون لوگوں کو معلوم ہو کہ امام منبر پر بیٹھ گیا اب اس کی حاجت اندر زیادہ ہے یا باہر۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ باہر ہی ہے نہ کہ اندر۔ غرض یہ کہ الحمد للہ ساری بات ایک غیر حنفی سے نقل کرکے فقہ حنفی کی روشن تصریحوں کو اس سے رد کرتے ہوئے ایک حنفی عالم کو شرم چاہیے خصوصًا حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ان عظیم تہدیدوں وعیدوں کے بعد ایک مجددی کو۔ میں اور کیا کہوں سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائیوں کو ہدایت دے۔ آمین

۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

تیسرا حصہ:

بنام تاریخی اسوالات قاہرہ اور زبر بینات

سوال ۴۱ پھر فتح الباری کی ایک اور عبارت نقل کی کہ امیر المومنین نے پنجگانہ پر قیاس فرماکر اذان اول حادث فرمائی۔ اور رو بروئے خطیب کی اذان باقی رکھی، کہیے اس سے کیا نکلا یہ جناب کی چوتھی بھرتی ہے۔

سوال ۴۲ نہیں نہیں یہ کبھی نری بھرتی نہیں بلکہ الٹی مضر ہے۔ اگر یہ اذان اعلام کو نہ رہتی تو نرخ خوبصورت مع زمانہ اقدس میں تھی کب باقی رہی۔

سوال ۴۳ پھر شرح مشکوۃ کی عبارت نقل کی کہ جب لوگوں کی کثرت ہوئی اور اذان روبروئے خطیب کی آواز سب اہل مدینہ کو نہ پہنچی یا جب لوگوں نے اس وقت سے حاضر ہوجانا ترک کر دیا۔ تو امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان اول زیادہ فرمائی۔ کہیے اس میں کیا ہے۔ کیا اندر باہر کا ذکر ہے۔ یہ جناب کی پانچویں بھرتی ہے۔ شاید یہ سمجھے ہوں کہ اندر ہی کی اذان ایسی ہوگی کہ سب شہر کو نہ پہنچے دروازہ کی بھی ایک اذان شہر بھر کو ہرگز نہ پہنچے گی۔ سرکار مدینہ طیبہ کی آبادی خود زمانہ رسالت میں دور دور تک تھی۔ خلاصہ امام سمہودی میں ہے

ومن تامل ما ذكرناه في الوصل من منازل القبائل من المهاجرين مع منازل قبائل الانصار علم عظيم سعتها۔

سوال ۴۴ پھر اسی کی ایک طویل عبارت نقل کی جس میں اس کی بحث ہے کہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اذان ثانی جمعہ کا خطیب کے

سامنے ہی ہوتا سرے سے بدعت ہے ان کے نزدیک زمانہ اقدس میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی نہ محاذات خطیب ہیں امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں۔ ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلک کان علی عہد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی الہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ علامہ یوسف سقطی مالکی حاشیہ جواہر زکیہ شرح عشماویہ میں فرماتے ہیں۔ الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وفعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرذلی وقد نہی عنہ مالک وفعلہ علی المنار والامام جالس ہو المشروع اھ سکندری توضیح امام خلیل بن اسحاق سے مجموعہ امام ابن القاسم تلمیذ امام مالک وکافی امام ابو عمر یوسف مالکی کی عبارتیں عنقریب آتی ہیں۔ واقعی یہی وہ بات ہے جس پر اور علماء یہاں تک کہ خود بعض مالکیہ نے انکار فرمایا اور ثبوت دیا کہ زمانہ اقدس میں یہ اذان امام کے روبرو ہی ہوتی تھی نہ منارے پر اور اس کے ثبوت کو وہی حدیث ابن اسحاق پیش کی جو ہم نے اپنے فتوے میں لکھی اور بلاشبہہ یہ بات کہ زمانہ اقدس میں یہ اذان خطیب کے محاذات میں ہوتی تھی جو اس کا ثبوت حدیث سے دینا چاہیے اسے اسی حدیث ابن اسحٰق کا دامن تھامنا ضرور ہے اسے رد کرکے حدیث سے ہیں بدن کا ثبوت نہ ملے گا۔ اب اس کے بیان میں ائمہ کا کلام سنئے۔ امام ابوعمر ابن عبد البر کتاب الاستذکار پھر امام خلیل شرح ابن الحاجب پھر امام احمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ پھر علامہ محمد زرقانی شرح میں فرماتے ہیں۔

واللفظ لھذین وقال الشیخ خلیل اختلف النقل ہل کان یؤذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ وسلم او علی

المنار الذی نقلہ اصحابنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالک فی المجموعۃ ونقل ابن عبد البر فی کافیہ عن مالک ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وقال غیرہ ای غیر مالک (ھو اصل الاذان فی الجمعۃ وکذا نقل صاحب تھذیب الطالب لعبد الحق او المازری وفی الاستذکار ان ھذا اشتبہ علی بعض اصحابنا فانکر ان یکون الاذان یوم الجمعۃ بین یدی الامام کان فی زمنہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وقال وھذا قول من قل علمہ بالاحادیث وکانہ یعنی الداودی (ثم استشھد) فی الاستذکار (بحدیث السائب بن یزید المروی فی البخاری ثم قال وقد رفع الاشکال فیہ ابن اسحق عن زھری عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وعلی اٰلہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ وابی بکر وعمر اھ) کلام التوضیح اھ باختصار۔ ملاحظہ ہو یہ وہ کلام ہے جس کا خلاصہ علی قاری نے ادا چاہا۔ یہاں اس اذان کو روبروئے امام مان کر مسجد کے اندر یا باہر ہونے کی بحث نہیں جیسے ہمارے مسئلہ سے علاقہ ہو بلکہ اس کی بحث ہے کہ جمہور مالکیہ اس کے روبروئے امام ہونے ہی کو بدعت کہتے ہیں اس کا بھی منارہ ہی پر ہونا سنت جانتے ہیں اور اسی کو اپنے امام مذہب سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں یہ حدیث سے ناواقفی ہے۔

سائب بن یزید کی حدیث سے جس کی اصل صحیح بخاری میں ہے۔ ابن اسحاق نے اس کی روایت میں واضح کردیا ہے کہ یہ اذان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وعلیٰ آلہ وسلم و صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں خطیب کی محاذات میں ہوتی تھی، انتہی۔ لیس اتنی بات ہے اور ان کی بحث سے مسجد کے اندر ہونے کا اس میں کونسا لفظ ہے۔ مالکیہ نے رد بر رد کے نام سے ناحق خلاف نہ کیا؟ محققین نے اس کا رد کیا چشم ما روشن دل ما شاد۔ ہم خود کہتے ہیں کہ دور ... ہوا سنت ہے پھر کہیے اس میں ہمارا کیا خلاف ہے اور آپ کے اس ادعائے باطل کا کب ثبوت ہوا۔ اذان ثانی مسجد میں ہوتی ہے یہی طریقہ مسنون ہے۔ اور اگر کسی نے اس کے خلاف کیا ہے تو اس کا علمائے محققین نے رد کیا ہے۔ یہ علمائے محققین پر افترا ہوا یا نہیں۔

سوال (۲) طرفہ یہ کہ محققین کا یہ کلام ان کی یا دونامائی کتاب سے نقل نہ کیا جن میں انہوں نے قبول رکھا ہو نقل فرمایا تو مرقاۃ سے جس میں اسے صراحۃً رد کر دیا ہے اور انہوں نے تردید کے ساتھ ہی در رد بھی نقل کر دیا کہ لیس فی روایۃ البخاری ما یقتضی شیئا من ذالک یعنی یہ جو ابن عبدالبر وغیرہ نے جمہور مالکیہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ اذان خطیب کی محاذات ہی میں ہوتی تھی۔ جیسا کہ حدیث بخاری کا مقتضی ہے۔ ان کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ بخاری کی روایت اصلاً اس کی مقتضی نہیں کہ اذان امام کے سامنے ہو۔ اب فرمائیے یہ الٹا مخالف سے استناد ہوا یا نہیں اگر کہیے ہمیں محققین کے کلام سے کام ہے اگرچہ علی قاری نے اس کا رد کیا تو جناب اس رد کو یوں نقل کر لائے۔ اگر کہیے یہ عبارت بھی بھرتی تھی تو جناب بھرتی تو لغو و بے علاقہ بات ہوتی ہے۔ یہ تو جناب کو مضر تھا جس کے حوالے سے کوئی کلام سند کو لائے اسی کے کلام میں اس کا رد موجود ہو۔ اس کو چھپانا خیانت ہوتا اور نقل کر دینا خود اپنی بنا ڈھانا مگر یہ کہ رد کا رد کر دیتے اگر کہیے ہم نے علی قاری کے رد کی طرف اس لیے توجہ نہ کی کہ انہوں نے محققین کے مقابل تنہا ایک کی بات کیا

قابل التفات، تو جناب قاری کی اتنی بات کہ بخاری کی روایت امام کے سامنے اذان ہونے کی اصلاً مقتضی نہیں۔ یقیناً سچی ہے اور نہ مانیے تو اب آپ کسی حدیث بخاری سے ثبوت دیجئے کہ یہ اذان امام کے سامنے ہوتی۔ پھر حق بات کیوں ناقابل التفات۔ اگر کہیے یہاں علی قاری کو کلام محققین نقل کرنے میں سخت اشتباہ ہوا محققین نے یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ حدیث بخاری کا مقتضی ہے بلکہ بخاری کا توڑا پتا دیا تھا کہ اصل حدیث اس میں بھی ہے اور سند لائے تھے۔ روایت ابن اسحاق سے کہ اس نے امر واضح کر دیا ہے تو جناب اب ٹھکانے سے آگئے اور ظاہر ہو گیا کہ محققین نے روایت ابن اسحاق کو اپنی حجت بنایا ہے نہ کہ اس کا رد فرمایا ہو تو علی قاری کا فنازعه کثیرون منهم جماعة من المالکیة میں حدیث ابن اسحاق کو داخل کرنا اسی سخت اشتباہ پر مبنی ہے۔ و اللہ الحمد

اگر کہیے ان کثیرون اور جماعت سے ہم باز آئے ہم نے فقط علی قاری کو علمائے محققین کہا ہے انہوں نے تو اس کا رد کیا ہے تو جناب یہ تو بعد کو عرض کروں گا کہ قاری نے کس کا رد کیا۔ کہاں رد کیا؟ اولاً اپنے لفظ یاد فرمائیے کہ" اگر کسی نے اس کا خلاف کیا ہے تو اس کا علمائے محققین نے رد کیا ہے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ امر مجمع علیہ ساری امت مرحومہ کا ہے۔ کیا ایک اکیلے قاری کا رد کرنا ساری اُمت مرحومہ کا اجماع ہو جائے گا۔ تنہا قاری اگر علمائے محققین ہو گئے تو ساری اُمت مرحومہ تو نہ ہو جائیں گے۔

سوال ۴۲ ثانیاً قاری نے پہلے وہ قول نقل کیا کہ جمہور ائمہ مالکیہ اور خود امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ پھر کثیرین سے اس میں منازعت نقل کی، پھر اسی منازعت کا رد کیا۔ پھر ایک احتمالی طور پر دونوں قولوں میں تطبیق پیدا کی کہ شاید یوں ہو تو انہوں نے صراحۃً ان کثیرین کا رد کیا جو بین یدی کے قائل تھے نہ کہ امام مالک و مالکیہ کا جو منارہ پر ہونا مانتے ہیں، کیا آپ اسی کو اُمت مرحومہ کا

مجمع علیہ مانتے ہیں کہ اذان ثانی امام کے سامنے نہ ہو بلکہ منارہ پر۔ رہی تطبیق وہ دونوں قولوں کے خلاف پر امت مرحومہ کا اجماع ہے یعنی نہ منارہ پر نہ امام کے سامنے بلکہ زمین پر امام کے پیچھے۔

سوال ۴۷ ثالثاً یمکن کہہ کہ ایک احتمالی بات پیدا کرنا کیا کوئی حکم ہوتا ہے اجماع حکم پر ہوتا ہے یا کسی مشکوک بات پر۔ اجماع درکنار۔ کیا امکان واحتمال سے کسی سنت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

سوال ۴۸ رابعاً قاری کی تطبیق اول تک تو بحمد اللہ تعالیٰ بالکل مطلع صاف ہو گیا۔ اور بعد کی نرمی بے سند تطبیق کہ ممکن کہ زمانہ رسالت میں درِ مسجد پر اذان بلال مجرد اعلام ہو للہ انصاف کتنی بے اصل و ناقابل قبول اور جملہ ائمہ و علماء و شراح حدیث و روایت سیر سے ایک نئی راہ متروک و مخذول ہے اولاً تمام احادیث و علماء بالاتفاق ناطق ہیں کہ زمانہ رسالت میں روز جمعہ یہی ایک ندا تھی کہ وقت جلوس خطیب ہوتی۔ اس بے معنی احتمال نے اسے اذان ہی نہ رکھا نرا کوئی اعلام کر دیا تو حاصل یہ ہوا کہ زمانہ رسالت میں جمعہ کی اذان ہوتی ہی نہ تھی۔ مولنا اسے خلاف اجماع امت مرحومہ کہیے۔ ثانیاً بالغرض باطل سوا اعلام اذان سے پہلے مانیے مگر یہ جو وقت منبر تھی یہ تو باجماع امت مرحومہ اذان تھی۔ محققین نے حسب روایت ابن اسحاق سے استدلال فرمایا توضیح سے اس کی عبارت سن چکے کہ اذا جلس علی المنبر اس اذان کو مجرد اعلام سے تاویل کرنا کس درجہ باطل صریح و خلاف اجماع ہے ثالثاً اعلام عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما قبل اذان خطبہ تھا۔ اس کے بعد اذان یہاں جب اذان خطبہ ہی محض اعلام ٹھہری تو یہ اس کی اصل کیونکر ہوئی۔ امیر المؤمنین نے اعلام سابق کو اپنا احداث بتایا اس طور پر تو خود اذانِ خطبہ ہی کو احداث کہنا تھا۔

رابعًا۔ جب اعلام زمانہ رسالت میں تھا تو احداث فاروق کیونکر ہوا، اس کے بنانے کو علی قاری ایک اور امکان واحتمال نکالتے ہیں جسے آپ نے چھوڑ دیا کہ لعلہ ترک ایام الصدیق او اواخر زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہ وسلم ایضًا فلہذا اسماہ عمر بدعۃ یعنی شاید یہ اعلام صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں متروک ہو گیا یا خود آخر زمانہ رسالت میں بھی چھوٹ گیا ہو۔ اس لیے فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے بدعت کہا۔ پہلے تو اذان خطبہ کو اعلام بنایا تھا اب وہ بھی گیا۔ ویسے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے۔ حالانکہ وہ حدیث جس میں یہ تاویلات کی جا رہی ہیں زمانہ رسالت وزمانہ صدیق وزمانہ فاروق سب میں وقت خطبہ اس کی تصریح فرمادی ہے خطبہ کے وقت کی ندا ہرگز متروک نہ ہوئی، بات یہ ہے کہ علی قاری کو اس وقت نہ کلام محققین بلفظ محفوظ تھا نہ یہی یاد تھا کہ وہ خود روایت ابن اسحاق سے سند لائے ہیں نہ وہ حدیث ہی پیش نظر تھی جس پر کلام کر رہے ہیں۔ ورنہ ہرگز نہ محققین سے وہ نقل کرتے کہ یہ حدیث بخاری کا مقتضی ہے۔ نہ ان پر اعتراض کرتے کہ ایسا نہیں نہ اذان خطبہ کو نرا اعلام ٹھہراتے نہ اسے زمانہ صدیق یا زمانہ رسالت میں بھی متروک بتاتے نہ روایت ابن اسحٰق سند محققین میں نزاع محققین بتاتے۔ روشن ہے کہ یہ سب باتیں محض بے منشا وخلاف واقع ہیں۔ قاری نے یاد پر یہ بحث لکھی کلام محققین میں جو حدیث کی اصل صحیح بخاری میں ہونا بتایا۔ اور روایت ابن اسحاق سے استناد فرمایا یہ یاد رہا کہ خود روایت بخاری سے استناد کیا اور روایت ابن اسحٰق سے فقط دروازہ کا لفظ یاد رہا نہ اذا جلس علی المنبر خیال رہا کہ اذان خطبہ کو اعلام نہ کہتے نہ لفظ اوابی بکر وعمر نہ زمانہ صدیق بلکہ زمانہ رسالت میں بھی اذان

خطبہ متروک نہ بتاتے۔ ظاہر ہے کہ ایسے کلام سے استناد محض باطل و خرط القتاد اسی لیے تو حدیث میں لا تکن امعۃ ارشاد ہوا

سوال ۴۹ سب جانے دیجئے پھر اس عبارت فارسی میں کون سا لفظ ہے کہ مسجد کے اندر اذان ہو یا زمانہ رسالت و خلافت میں مسجد کے اندر ہوتی تھی عبارت بھر میں فی المسجد کا کہیں حرف بھی تو نہیں۔ فی جوف المسجد وغیرہ تو بڑی بات ہے صرف اتنا کہ وہ ایک احتمال نکالتے ہیں کہ پہلے علی الباب ہوتی ہو پھر بین یدیہ یہ بھی ان کے صریح ذہول بھول بھول پر مبنی ہے۔ یہی روایت ابن اسحاق مروی سنن ابی داؤد یاد ہوتی تو دیکھتے کہ ایک ہی وقت میں بین یدیہ بھی ہے اور علی باب المسجد بھی پھر حدیث کتاب صحاح کا اثر معتبر ہوگا یا ایک متاخر عالم کی بھول۔ یہاں تو کسی حکم کی بھی بحث نہیں جس میں آپ بادعائے تقلید ایک متاخر عالم کی پیروی میں حدیث صحیح کورد کر دیں۔ یہاں تو واقعہ کی بحث ہے کہ زمانہ رسالت میں اذان کہاں ہوتی تھی۔ اس کا بتانے والا حدیث کے سوا کیا ہوگا۔ پھر ایک تخیل بے اصل کی بنا پر حدیث ثابت جو واقعہ بتا رہی ہے کیونکر رد ہو سکتی ہے۔

سوال نمبر ۵۰ آپ مستدل ہیں۔ تعین مفید و رفع جملہ احتمالات خلاف کا بار آپ پر ہے۔ علی قاری کی عبارت میں کہاں ہے کہ دروازہ محاذی پر اذان ہو تو بین یدیہ نہ ہو گی یا خاص جوف مسجد کے اندر نہ ہو تو بین یدیہ نہ ہو گی یہ تو قطعاً یقیناً معلوم و متیقن کہ علی قاری یہاں جس حدیث پر بحث کر رہے ہیں۔ اس بھی ذہول کئے ہوئے ہیں۔ تو یہ ایک جدا بات ہے کہ زمانہ انور میں مسجد اطہر میں شمالی دروازہ بھی تھا اگر خیال میں نہ ہو کیا دشوار ہے ان کے زمانہ سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے مسجد کریم میں کوئی شمالی دروازہ نہ رہا تھا۔ وہاں لوگوں کے مکان

بن گئے تھے۔ کما فی خلاصۃ الوفاء لہٰذا دروازے سے غربی و شرقی
دروازوں کی طرف ذہن گیا اور شک نہیں کہ ان دروازوں کی طرف ذہن گیا
اور شک نہیں کہ ان دروازوں پر اذان ہو تو ہرگز بین یدی الخطیب نہ ہو گی
ناچار روایت ابن اسحٰق جس سے محققین سند لائے تھے خود اسی کو ان کی منازعت
میں شامل کر دیا۔ اور اب دروازے کے لیے آپ ہی تاویلوں کا دروازہ کھولنا
پڑا کہ محاذات فوت ہو کر مالکیہ کا مذہب ثابت ہوا جاتا ہے۔ کذٰلک یریکم
اللہ آیاتہ فی الآفاق وفی انفسکم افلا تبصرون۔ ھکذا
ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔
سوال ۱۵ انصاف پر آیئے تو علی قاری کے اشتباہ کا جو منشا ہم نے احتمالاً بیان
کیا خواہی نخواہی ماننا ہی پڑے گا کہ وہ اگرچہ عربی نہ تھے ہراۃ کے ساکن تھے
مگر آخر عالم متبحر تھے، مکہ معظمہ کے مجاور رہے۔ آج کل کے دو چار ہندیوں کی
طرح نہ تھے کہ صحابی اہل زبان کا ارشاد سنتے جائیں کہ اذان دروازہ مسجد پر بین
یدیہ تھی اور ہٹ دھرمی سے کہے جائیں کہ دروازہ محاذی منبر ہو گی۔
تو بین یدیہ نہ ہو گی۔ صحابی اہل زبان درکنار خود قرآن عظیم کے محاورات
کریمہ سنتے جائیں اور پھر وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہ جب تک امام کی گود میں چڑھ
کر نہ ہو بین یدیہ نہ ہو گی۔ اور اگر کوئی صاحب علی قاری کو بھی اپنا ہی
سا بنانا چاہیں جس سے علی قاری مزید بیزار ہیں تو فرمایئے کہ صحابی اہل
زبان کا ارشاد معتبر ہے یا ایک قریب زمانہ کے عالم کا۔ نہیں نہیں یہ بتائیں
کہ قرآن عظیم کے محاورات صحیح ہیں یا گیارہویں صدی کی ایک عجمی سمجھ۔ غرض
زمین سے آسمان تک اڑیے ہرگز ہرگز حدیث کا یہ ارشاد مٹ نہیں سکتا
کہ اذان دروازہ مسجد پر بین یدیہ تھی۔ والحمد للہ رب العلمین

سوال ۵۲۔ اب بھی جناب پر روشن ہوا یا نہیں کہ اب تک جتنی عبارتیں لائے سب بے کار و دور از کار تھیں۔ اور دو شرح کتب حدیث کا پیچھا چھوڑ کر جو ہدایہ کی عبارت لکھی یہ جناب کی ساتویں بھرتی ہوئی۔ اور در مختار کی عبارت آٹھویں بھرتی کہ ان میں وہی بین یدیہ ہے کہ نہ آپ کو مفید نہ ہمارے خلاف اور اسی پر کنز کا حوالہ نویں بھرتی۔ عالمگیری کا نام لینا دسویں بھرتی۔ پھر اس پر شروح اور اس پر بھی وغیرہ کا حوالہ یہ خدا جانے کتنی بھرتیوں کے پلندے رسالے۔

سوال ۵۳ ذرا دیکھنا شروح کنز میں بحر تو نہیں کیا بحر میں وہ صریح تصریح نہیں کہ لا یؤذن فی المسجد مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

سوال ۵۴ ذرا دیکھنا کہیں عالمگیری میں بھی یہی الفاظ نہ نکل آئیں کہ لا یؤذن فی المسجد۔ مسجد میں اذان منع ہے اب تو یہ حوالے اور اُلٹے پڑے

مولٰنا فتوی یوں نہیں لکھا جاتا۔ ہمارا آپ کا دوستانہ ہے۔ پہلے آپس میں سمجھ لیتے تو یہ دن کیوں دیکھتے اب بھی کیا گیا ہے۔ صبح کو بھولا شام کو آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے ؎

عفو جلنے دو آؤ مل جاؤ | سنی آپس میں سب برادر ہیں
نجدیوں کو سقر میں جانے دو | دشمن مصطفٰے ہیں اکفر ہیں
انکو شیطاں کا خبث طیب ہے | کفر کی ظلمتیں منور ہیں
ان سے اور مسئلہ سے کیا نسبت | وہ تو اسلام ہی سے باہر ہیں

نسائل اللّٰہ العفو والعافیۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

۲۶۔ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

بحمدہٖ تبارک وتعالیٰ

یہ مبارک فتوی نافع تقوی دافع بلوی جس میں جمعہ کی اذان ثانی کے خارج مسجد ہونے کا واضح وروشن بیان ہے

مسمی باسم تاریخی

اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ

۱۳۲۰ھ

مصنفہ

حضور پرنور مرشد برحق امام اہلسنت تاج الفحول الکاملین شیخ الاسلام والمسلمین مجدد اعظم دین وملت سیدنا اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسکی تصدیقات حاصل فرماکر

حضرت مولانا مولوی حافظ قاری علامہ ابوالمظفر محب الرضا محمد محبوب علی خاں صاحب قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی دام مجدہم العالی نے شائع کیا

تصنیف

اعلیحضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت

مولانا شاہ احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رضا اکیڈمی ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ ممبئی ۳
فون: ۳۴۵۹۶ ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ از ملک بنگالہ موضع شاکوچیل ضلع سلہٹ۔ ڈاک خانہ جگہ بسپور

مرسلہ مولوی ممتاز الدین صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان مسجد کے اندر دینا کیسا ہے جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دی جاتی ہے آیا وہ اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کھڑا ہو کر کہے یا باہر مسجد کے اور بر تقدیر اول بلا کراہت جائز ہے یا نہیں بعض لوگ کہتے ہیں یہ بلا کراہت سب علما کے نزدیک جائز ہے اور سلف صالحین سے لیکر اس زمانے تک کل امصار و دیار میں اسی طریقۂ مسنون پر باتفاق علمائے کرام جاری و دائر ہے۔ شامی میں ہے کہ مؤذن اذان خطیب کے سامنے کہے۔ ہدایہ میں ہے منبر کے سامنے کہے۔ اور اسی پر علما کا عمل ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا مگر یہ اذان اور درمختار میں ہے خطیب کے سامنے کہے ان عبارات سے ہویدا ہوا کہ روبرو خطیب کے مسجد کے اندر کہے اور باہر مسجد یا صحن مسجد میں کھڑا ہو کر اذان کہنا خلاف کتب فقہ و سلف صالحین کا ہے انتہی اور بعض لوگ کہتے ہیں جمعے کی اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے سامنے کھڑے ہو کر مکروہ نہیں ہے۔ اگرچہ یہاں تک اطلاق بلفظ یہ آثار

سب جگہ درست ہے انتہی۔ ایس کو لسا قل صحیح ہے بینوا توجروا

الجواب

ہمارے علما کرام نے فتاوی قاضی خاں وفتاوی خلاصہ وفتح القدیر ونظم وشرح نقایہ برجندی وبحرالرائق وفتاوی ہندیہ وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے فتاوی خانیہ میں ہے ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ اوخارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہیے مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔ بعینہ یہی عبارت فتاوی خلاصہ وفتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے فتح القدیر میں ہے الاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد یعنی تکبیر تو ضرور مسجد میں ہوگی۔ رہی اذان وہ منارے پر ہو منارہ نہو تو بیرون مسجد زمین متعلق مسجد میں ہو علما فرماتے ہیں مسجد میں اذان نہو۔ نیز خود باب الجمعۃ میں فرمایا ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ وہ اللہ تعالی کا ذکر ہے مسجد میں یعنی حوالی مسجد کے اندر اس لیے کہ خود مسجد کے اندر اذان دینی مکروہ ہے۔ شرح مختصر الوقایہ للعلامۃ عبد العلی میں ہے فی ایراد المئذنۃ اشعار بان السنۃ فی الاذان ان یکون فی موضع عال بخلاف الاقامۃ فان السنۃ فیھا ان تکون فی الارض وایضا فیہ اشعار بانہ لا یؤذن فی المسجد فقد ذکر فی الخلاصۃ

انہ ینبغی الخ اھ باختصار یعنی صدر الشریعۃ قدس سرہ نے اذان کے لیے
منارے کا جو ذکر فرمایا اسمیں تنبیہ ہے اسپر کہ اذان میں سنت یہ ہے کہ بلند جگہ
پر ہو بخلاف تکبیر کہ اوسمیں سنت یہ ہے کہ زمین پر ہو۔ نیز اوسمیں تنبیہ ہے کہ اذان
مسجد میں نہ دیجائے خلاصہ میں اس کی ممانعت کی تصریح ہے۔ بحر الرائق میں
ہے فی القنیۃ یسن الاذان فی موضع عال والاقامۃ علی الارض
وفی المغرب اختلاف المشایخ اھ والظاھر انہ یسن المکان العالی
فی اذان المغرب ایضاً کما سیأتی وفی السراج الوھاج ینبغی ان یؤذن
فی موضع یکون اسمع للجیران وفی الخلاصۃ ولا یؤذن فی المسجد اھ
مختصراً یعنی قنیہ میں ہے کہ اذان بلندی پر اور تکبیر زمین میں ہونا سنت ہے اور مغرب کی اذان
میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ وہ بھی بلندی پر ہونا مسنون ہے یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب میں بھی اذان بلندی
پر ہونا سنت ہے اور سراج الوہاج میں ہے کہ اذان وہاں ہونی چاہیے جہاں سے ہمسایوں کو خوب آواز پہنچے اور خلاصہ
میں فرمایا کہ مسجد میں اذان دے اوسی میں بعد چند ورق کے ہے السنۃ ان یکون
الاذان فی المنارۃ والاقامۃ فی المسجد سنت یہ ہے کہ اذان منارے
پر ہو اور تکبیر مسجد میں۔ حاشیہ طحطاویہ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی
القہستانی عن النظم فان لم یکن ثمہ مکان مرتفع للاذان یؤذن
فی فناء المسجد کما فی الفتح یعنی مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی
میں نظم سے منقول ہے تو اگر وہاں اذان کے لیے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد
کے آس پاس اوس کے متعلق زمین میں اذان دے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔
یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلا قید ہیں جنمیں جمعہ وغیرہا کی تخصیص نہیں

دعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلمات صریحۂ معتمدہ میں اذان ثانی جمعہ کا استثنا دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکیگا ر ہا لفظ بین یدی الامام یا بین یدی المنبر سے استدلال مذکور فی السوال وہ محض ناواقفی ہے ان عبارات کا حاصل صرف اسقدر کہ اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے آگے امام کے مواجہہ میں ہوا ب سے یہ کہاں سے نکلا کہ امام کی گود میں منبر کی گگر پر ہو جس سے داخل مسجد ہونا استنباط کیا جائے بین یدی سمت مقابل میں نتہائے جہت تک صادق ہے۔ جو وقت طلوع مواجہ مشرق یا ہنگام غروب مستقبل مغرب کھڑا ہو وہ ضرور کہیگا کہ آفتاب میرے سامنے ہے یا فارسی میں مہر روبروی من ست یا عربی میں الشمس بین یدی حالانکہ آفتاب اوس سے تین ہزار برس کی راہ سے زیادہ دور ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتا ہے جو کچھ اون کے سامنے ہے یعنی آگے آنیوالا ہے اور جو کچھ اون کے پیچھے ہے یعنی گزر گیا۔ یہ ہرگز ماضی ومستقبل سے مخصوص نہیں بلکہ ازل تا ابد سب اوسمیں داخل ہے۔ یونہیں ملائکہ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا قول کہ قرآن عظیم نے ذکر فرمایا لہ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذلک اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے تمام ماضی ومستقبل وحال سبکو شامل ہے ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظر قران حالیہ ایک نوع قرب ہر شے کے لائق مستفاد ہوتا ہے نہ اتصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو قال اللہ تعالیٰ وھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت

سحابا ثقالا سقنہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء الآیہ۔ اللہ ہے کہ بھیجتا ہے
ہوائیں خوشی کی خبر لاتی باران رحمت کے آگے یہانتک کہ جب انھوں نے او
بھارے بوجھل بادل ہمنے اوسے رواں کیا کسی مردہ شہر کی طرف تو اوتارا
اوس سے پانی بین یدی نے قرب مطر کی طرف اشارہ فرمایا مگر یہ نہیں کہ
ہوائیں چلتے ہی پانی معًا اوترے بلکہ چلیں اور بادل اوٹھے اور بوجھل پڑے
اور کسی شہر کو چلے وہاں پہونچکر برسے وقال تعالیٰ۔ ان ھو الا نذیر لکم بین
یدی عذاب شدید ٥ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے نہیں جیسا کہ اے
کافرو تم گمان کرتے ہو وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈرسنا نیوالے ایک سخت عذاب
کے آگے۔ آیت نے قرب قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت
ہے پھر اوسکا قرب اوسی کے لائق ہے۔ تیرہ سو تینتالیس برس گذر گئے اور
منوز وقت باقی ہے پس جو اذان مسجد پر یا فنائے مسجد کی زمین میں جہانتک حائل نہو
محاذات امام میں دیجائے اوسپر ضرور بین یدیہ صادق ہے بلا شبہہ
کہا جائیگا کہ امام کے سامنے خطیب کے روبرو منبر کے آگے اذان ہوگی اور
اسیقدر درکار ہے غالبًا خود مستدلین کو معلوم تھا کہ قریب مسجد بیرون
مسجد مواجہہ امام کو بھی بین یدیہ شامل ہے وہذا ردبرو خطیب کہنے کے
بعد ان لفظوں کی حاجت ہوئی کہ مسجد کے اندر مگر خاص یہی لفظ کہ اصل مدعا
تھے صرف اپنی طرف سے اضافہ ہوگئے۔ شامی وہدایہ ودرمختار وغیرہا میں
کہیں اسکی بو بھی نہیں۔ اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس
بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی طرح روشن ہوجائیں اور اوس ادعا سے

تو ارث کا حال بھی کھل جائے سنن ابی داود شریف میں بسند حسن مروی ہے حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحٰق عن الزہری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب روز جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ اس حدیث جلیل نے واضح کر دیا کہ اس مدینہ کے امام پیش منبر کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ زمانہ رسالت و خلفائے راشدین سے کیا متوارث ہے۔ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہیں شائع ہو رہی ہے مگر نص حدیث سے جدا تصریحات فقہ کے خلاف کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں حالانکہ وہاں تو اون تصریحات ائمہ کے مقابل بین یدی وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ یہاں اس سنت کریمہ کا احیاء رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا میرے یہاں مؤذنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے۔ جمعہ کی اذان ثانی بحمد اللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی ہے جسطرح زمانہ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہوا کرتی تھی ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم والحمد للہ رب العلمین بعض دیگر جن سے سائل نے دوسرا قول نقل کیا اگرچہ

اتنا سمجھے کہ بین یدی سے داخل مسجد ہونا اصلا مفہوم نہیں ہوتا مگر کتابوں پر نظر ہوتی تو خلاف تصریحات علما یہ ادعا نہوتا کہ مسجد کے اندر مکروہ نہیں سنہ ۱۳۰۲ھ ہجریہ میں فقیر بہ نیت خاکبوسی آستانہ علیہ حضرت سلطان الاولیا محبوب آلہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالی عنہ بریلی سے شد الرحال کرکے حاضر بارگاہ بیات پور شریف ہوا تھا دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی فقیر نے سب عادت کہ جو امر خلاف شرع مطہر پایا منانہ گزارش کردیا اگرچہ ادن صاحب سے اصلا تعارف نہوا ان مؤذن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے کہا کہاں لکھا ہے۔ میں نے قاضی خان۔ خلاصہ۔ عالمگیری۔ فتح القدیر کے نام لیے۔ کہا ہم اُدن کی نہیں مانتے فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین سے ہیں۔ گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں معلوم ہوا کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جل جلالہ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع واعلی ہے آپ انھیں کچہریوں میں روز دیکھتے ہونگے چپراسی مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضری کچہری کے کمرے کے اندر کھڑا ہوکر پکارتا ہے یا باہر۔ کہا باہر۔ کہا اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہریگا یا نہیں۔ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب ادن کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کرلیا ع۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست الحمد للہ حق واضح ہوگیا (اقول) وباللہ التوفیق یہاں دو نکتے اور قابل لحاظ وغور ہیں

اول - اگر بانی مسجد نے مسجد بناتے وقت تمام مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کیلیے منارہ خواہ کوئی محل مرتفع بنایا تو یہ جائز ہے اور اوتنا ٹکڑا

اذان کے لیے جدا سمجھا جائیگا اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت یہاں عارض نہو گی جیسے مسجد میں وضو کرنا اصلاجائز نہیں مگر پہلے سے اگر کوئی محل معین بانی نے وضو کے لیے بنوادیا ہو تو اوس میں وضو جائز ہے کہ اوسقدر مستثنے قرار پائیگا اشباہ میں ہے تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعد لذلک لا یصلی فیہ ادفی اناء درمختار میں ہے یکرہ الوضوء الا فیما اعد لذلک ردالمحتار میں ہے لان ماءہ مستقذر طبعًا فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیہا عن المخاط والبلغم بدائع فقیر نے اوس پر تعلیق کی ھذا تعلیل علی مذھب محمد المفتی بہ اما علی قول الامام من تنجیس الماء المستعمل فظاھر ردالمحتار میں ہے قولہ الا فیما اعد لذلک انظر ھل یشترط اعداد ذلک من الواقف ام لا فقیر نے اوس پر تعلیق کی اقول نعم وشیٔ اخر فوق ذلک ھی ان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیۃ فان بعد لا یسلم ولا لغیرہ تعریضہ للمستقذرات ولا فعل شیٔ یخل بحرمتہ اخذ تہ مما یاتی فی الوقف من مسئلۃ بناء الواقف فوق المسجد بیتا لسکنی الامام اسی طرح اگر منارہ یا مئذنہ بیرون مسجد فنائے مسجد میں تھا بعدہٗ مسجد بڑھائی گئی اور زمین متعلق مسجد مسجد میں لیلی کہ اب مئذنہ اندرون مسجد ہو گیا اسپر بھی اذان میں حرج نہو گا کہ یہ بھی وہی صورت ہے کہ اس زمین کی مسجدیت سے پہلے اس میں یہ محل اذان کیلیے مقنوع ہو چکا تھا کما لا یخفی ہاں اگر داخل مسجد کوئی شخص اگرچہ خود بانی مسجد نیا مکان اذان کے لیے مستثنے کرنا چاہے تو اُس کی اجازت نہونی چاہئے کہ بعد تمامی مسجد کسیکو اوس سے استثنا یا فعل مکروہ کیلیے بنا کا اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے لو بنی فوقہ بیتا للامام

لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیہ فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد دوم متعلقات مسجد میں مسجد کے لیے اذان ہو تو عرف میں یوہیں تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوئی مثلاً منارہ بیرون مسجد زمین خاص مسجد سے کئی گز کے فاصلے پر ہو اور اس پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہیگا کہ مسجد میں اذان ہوگئی نماز کو چلو یوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی نماز کو اٹھو یہ عرف عام شائع ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں ولہذا امام محقق علی الاطلاق نے ھوذکر اللہ فی المسجد کی وہ تفسیر فرمادی کہ ای فی حدودہ اور اس کی دلیل وہی ارشاد فرمائی کہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ کوئی سخن ناشناس نظائر حدیث مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتقا ان من سنن الھدے الصلاۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ وامثال عبارت کرہ خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ سے دھوکا نہ کھائے اور راشاہ حدیث ابن ماجہ عن امیر المؤمنین عثمن الغنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من ادرک الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجتہ وھو لا یرید الرجعۃ فھو منافق سے دھوکا اور بھی ضعیف تر ہے فان فی المسجد ظرف الادراک دون الاذان ولہذا علامہ مناوی نے تیسیر میں اس حدیث کی یوں شرح فرمائی (من ادرک الاذان) وھو (فی المسجد) الخ بلکہ خود حدیث شرح حدیث کو بس ہے احمد بسند

صحیح عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال امرنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلاة فلا یخرج احدکم حتی یصلی بالجملہ جہاں ایسے الفاظ واقع ہوں اور نہیں دو نکتوں سے ایک پر محمول ہیں **اقول** وبه ینجلی ما فی الجلابی انه یؤذن فی المسجد او ما فی حکمه لا فی البعید منه اھ ای یؤذن فی حدود المسجد وفنائه کما فسر به الامام المحقق علی الاطلاق او فی نفس المسجد ان کان ثمه موضع اعد له من قبلُ او یؤذن فیما هو فی حکمه لقربه منه بحیث یعد الاذان فیه اذانا للمسجد کما فعل عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه حدیث احدث الاذان الاول علی الزوراء دارٍ فی السوق ولا یؤذن للمسجد فی البعید منه فان المسجد اذا کان غربی البلد مثلاً واذن شرقیه بل اذن لمسجد حی اٰخر لا یعد ذلك اذانا له کما لا یخفی فلا استبداد لك بکلام الجلابی علی کلام النظم کما زعم القهستانی وبالله التوفیق وبما قدمنا من تحقیق مفاد بین یدیه وانه یستدعی بقرینة الحال قربا یناسب المقام لا الاتصال وضح بحمد الله ما قال القهستانی تحت قول النقایة اذا جلس علی المنبر اذن ثانیا بین یدیه ما نصه ای بین الجهتین المسامتین لیمین المنبر او الامام ویساره قریبا منه ووسطهما بالسکون فیشتمل ما اذا اذن فی زاویة قائمة او حادة او منفرجة حادثة من خطین خارجین من ما بین الجهتین اھ فلیس القرب منکرا ولا الاتصال مشعرا وانما اراد به اخراج البعد الذی

لا یعد به الاذان اذانا فی ذلک المسجد کما ذکرناہ فی کلامِ الجلابی
غرض عامہ کتب معتمدہ مذہب کے خلاف اگر ایک آدھ غریب و نامتداول کتاب
میں کوئی تصریح بھی ہوتی عقلاً و عرفاً و شرعاً قابل قبول نہ ہوتی الا تری ان العلامۃ
الطحطاوی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایۃ ما فی القہستانی عن النظم
ولم یعرج علی استدلالہ اصلا علما منہ ان الاستدلال مستدلک
لا یبتغی نقلاً نہ کوئی لفظ محتمل نا صریح صاف صاف لائق توجیہ و تصحیح
کما لا یخفی علی ذی عقل نجیح ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی
التوفیق والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولٰنا
محمد والہ وصحبہ اجمعین آمین:۔
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وحکمہ عزشانہ
اجل واعظم

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
کتبہ
عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری
عبد المصطفٰی احمد رضا خان

تصدیقات علمائے بریلی بھیت وکچھوچھہ شریف و لاہور و سیالکوٹ و کاٹھیاواڑ و دہلی
ارباب نزدنی علماء بریلی کا فتوی بلا ریب و تردد صحیح ہے اور موافق
کتب معتمدہ فقہ و حدیث شریف ہے بیشک اذان خطبہ جمعہ کا مسجد کے باہر ہونا مسنون

ہے اور فقہانے تصریح فرمائی ہے کہ اندر مسجد کے مکروہ ہے فقیر قادری وصی احمد خادم
حدیث در مدرستہ الحدیث پیلی بھیت

اصاب من اجاب فقیر ابوالمحمود احمد اشرف جیلانی عفی عنہ (کچھوچھہ شریف)

۴
صاحب حجت قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ حضرت عالم اہلسنت دام فیضہ وکثرت احبابہ
وکسرت اعدادہ کا فتویٰ بالیقین حق ہے اس حقیر فقیر سراپا تقصیر نے اسکو بالاستیعاب بنظر
غور دیکھا ہے العبد الحقیر ابو سراج عبد الحق تلمیذ مولنا و بالفضل اولانا مولوی محمد وصی
احمد محدث سورتی عم فیضہ العلی

لقد اصاب المجیب واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم
عبدالحی قادری برکاتی بقلم خود امام جامع مسجد پیلی بھیت

۵
الجواب صحیح ابوالمساکین محمد ضیاء الدین حنفی پیلی بھیتی غفرلہ ربہ
بریلی شریف کا فتویٰ اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ فقیر نے بحمداللہ تعالیٰ
خود مطالعہ کیا۔ اس نے میری آنکھوں کو نور دل کو سرور بخشا اور میں نے اسکو بالکل
بجا و درست پایا۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا واللہ ثم باللہ مطابق حکم جناب
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ وسلم اور موافق شریعت غرا ہے۔ اور
کیسے خلاف ہوتا کیونکہ وہ ایک عالم ربانی مجدد وقت کا فتویٰ ہے۔ ہاں البتہ اس نے
ایک سنت مردہ کے احیاء کا ضرور سبق تعلیم فرمایا ہے جسکی تصدیق ہمارے علامہ ارشد
حضرت مولنا و سیدنا مولوی وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ
سبکو اسپر عملدرآمد کی توفیق بخشے چنانچہ بحمداللہ تعالیٰ اکثر جگہ اس کا رواج بھی ہوگیا ہے فقط
عبدالاحد حنفی قادری رضوی غفرلہ ساکن پیلی بھیت

بیشک امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ مولٰنا الحاج مفتی شاہ عبد المصطفےٰ محمد احمد رضا خان صاحب قبلہ فاضل بریلوی دامت برکاتہم القدسیہ وعمت فیوضہم المقدسہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتوائے مبارکہ مسمی بنام تاریخی اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ بالکل حق وصحیح وصدقِ صریح ہے اوسپر عمل کرنے والا مصیب ومثاب ونجیح ہے۔ اوس کا مخالف برسر باطل قبیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ وانا عبدہ الاثیم الفقیر محمد عبد الکریم الچتوڑی الحنفی النقشبندی المجددی غفرلہٗ ربہ (مفتی اعظم شہر اوجین علاقہ گوالیار)

۸ ھذا ھو الحق والحق احق بالقبول۔ الفقیر السید ابو محمد محمد دیدار علی الحنفی الرضوی الالوری عفی عنہ۔ محدث وامیر مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور۔

۹ الجواب صحیح۔ ابو المحمود محمد مسعود حنفی نقشبندی عفی عنہ (ساکن الٰہڑ ضلع سیالکوٹ)

۱۰ الجواب صحیح وصواب۔ فقیر قادری ابو البرکات سید احمد قادری رضوی الوری غفرلہٗ

۱۱ حامدًا ومصلیًا ومسلمًا بیشک فتوائے مبارکہ مسمی باسم تاریخی اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعۃ مصنفہ حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت تاج الفحول الکاملین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراسر حق وصواب اور موافق سنت وکتاب ہے۔ مسلمانوں کو اسپر عمل کرنا چاہیے۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ توفیق بخشے امین امین فقیر محمد عبد الغنی سنی حنفی قادری غفرلہٗ (قلی بازار۔ کانپور)

۱۲ رسالہ مبارکہ اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ حق وصحیح ہے فقیر نثار احمد کانپوری عفی عنہ۔ (مفتی شہر آگرہ)

۱۳ یقیناً یہ مبارک فتویٰ حنفی حق و صواب ہے۔ محمد عبدالغنی قادری اشرفی ہزاروی عفی عنہ صدر مدرس مدرسہ اہلسنت حنفیہ غنیہ۔ سیالکوٹ (پنجاب)

۱۴ حضور پر نور سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت عظیم البرکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک فتویٰ اوفی اللمعہ فی اذانِ یوم الجمعۃ بالکل حق و صحیح ہے وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا وحبیبنا وشفیعنا ومولٰنا محمد وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین فقیر فتح علی شاہ قادری برکاتی رضوی غفرلہٗ (ساکن کھروٹہ ضلع سیالکوٹ)

۱۵ الجواب ھو الصواب۔ محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری عفی عنہ

۱۶ الجواب صواب والمجیب مثاب فقیر محمد امانت رسول قادری نوری رامپوری عفی عنہ

۱۷ الجواب صحیح۔ غلام جان قادری رضوی ہزاروی عفا اللہ عنہ۔

۱۸ الجواب ھو الصواب۔ فقیر احمد مختار صدیقی میرٹھی غفر اللہ لہٗ

۱۹ لقد اصاب من اجاب محمد نظام الدین حنفی وزیر آبادی غفر اللہ تعالیٰ لہ

۲۰ الجواب صحیح۔ حافظ محمد عبدالمجید قادری اشرفی دہلوی عفی عنہ

۲۱ صح الجواب۔ بشیر حسن قادری برکاتی رضوی دہلوی عفی عنہ

۲۲ لاریب حضور پر نور سیدنا اعلیحضرت عظیم البرکۃ امام اہلسنت مجدد دین و ملت حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک فتویٰ اوفی اللمعہ فی اذان یوم الجمعہ حق و صحیح و صواب ہے فقط فقیر حقیر عبدالرضا غلام رسول قادری برکاتی رضوی مجددی بہاولپوری غفرلہ ربہ

۲۳ مجدد وقت حضور اعلیحضرت قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز کا فتویٰ اوفی اللمعہ سراسر حق

وصواب ہے۔ عبدالنبی المختار محمد یار فریدی بھاولپوری عفی عنہ۔ تمت

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

صدق الله العظيم

جمعہ کی دوسری اذان کہاں ہونی چاہیے اسکی تحقیق نہایت سلیس اور عام فہم اردو میں و مخالفین کا رد بلیغ

جسکو

حامی سنت جناب مولوی عرفان علی صاحب قادری رضوی نے تصنیف فرمایا

اور

التحقیق الحسا فی احکام الاذان

نام رکھا

اور بحکم جناب منشی عظمت علی صاحب قادری رضوی بیلپوری

حسنی پریس بریلی میں چھپکر رضوی کتبخانہ محلہ بہاری پور بریلی سے شائع ہوئی

بار اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد ۴ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اس وقت مسئلہ اذان ثانی میں مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھی مدرس مدرسہ سہارنپور کی تحریر تنشیط الاذان فی تحقیق محل الاذان ہمارے پیش نظر ہے کانپور سے بھی انہیں صاحب کے ہم مذہب علماء کی ایک تحریر شائع ہوئی تھی جسکے جواب میں وقایۃ اھل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ میں بل تو نے شائع کیا جو اس وقت تک لاجواب ہے اس رسالہ مبارکہ میں روز روشن کی طرح ظاہر کیا گیا تھا کہ کانپوری تحریر نے اہلسنت کے صحاح ستہ و ائمہ اربعہ سبکو باطل و بے اعتبار کردیا۔ وقایہ اہل سنت کی زبردست اور لاجواب تحریر کے ہوتے ہوئے تنشیط الاذان کسی عاقل کے نزدیک باوقعت اور اعتدا قابل التفات نہیں رہتی کیونکہ اسمیں زیادہ تر وہی کانپوری اور رامپوری تحریرات کی مردودات کا اعادہ کیا گیا ہے۔

مسلمانو! للہ انصاف وقایہ اہل السنت کے تین سو قاہر اعتراضات کے جواب نہ دینا اور کانپوری اور رامپوری تحریر دل سے کچھ دال دلیا کرلینا اور تنشیط الاذان کا لشلط میں آکر تنشیط الاذان نام دھر کر قوم میں شائع کرکے سنیوں کو احیائے سنت و عمل بالسنۃ سے روکنا اور یہ کہتے پھرنا کہ تنشیط الاذان کا کوئی جواب نہیں ہوا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے چونکہ بعض جگہ وہابیہ نے اس سہارنپوری تحریر کو احیائے سنت سے روکنے کا آلہ بنا رکھا ہے لہذا احباب کے اصرار پر ہم اوسکے رد کیطرف عنان قلم پھیرتے اور اپنے اسپ تحریر کو میدان احقاق حق و ابطال باطل میں جولان دیتے اور اس تحریر کا نام التحقیق الحسان فی احکام الاذان رکھتے ہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان ۱۲۔

تعریف واحکام اذان

پہلے اسکے کہ میں سہارنپوری تحریر کے اعتراضات کے جوابات کیجانب متوجہ ہوں یہ بتادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اذان کیا ہے اور اسکے متعلق مسائل فقہیہ کیا ہیں، تاکہ زیر بحث مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اذان کی تعریف جاننا چاہئے کہ اذان عرف شرع میں ایک خاص قسم کا اعلان ہے جسکے لئے الفاظ مقرر ہیں یہ اعلان غائبین کی اطلاع کیواسطے ہے کیونکہ اعلام غائبین رکن حقیقت اذان ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے الاذان اعلام الغائبین والاقامۃ اعلام الحاضرین یہ وہم کہ اذان خطبہ غائبین کی اطلاع کو نہیں بلکہ مثل اقامت حاضرین کی اطلاع کو ہے محض بے بنیاد اور لاعلمی پر مبنی ہے۔ ہدایہ وکافی وتبیین وعنایہ وبحر ودر مختار وغیرہا میں ہے واللفظ للبحر تکلما دہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لا علام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض کیسی صاف تصریح ہے کہ جمعہ کی اذان بھی غائبین کی اطلاع کو ہے لہذا خطبہ کیوقت دوبارہ کہنا مفید ہے کہ شاید پہلی اذان بعض غائبین نے نہ سنی ہو تو اب سن لینگے محققین فرماتے ہیں کہ حضور پرنور نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے زمانہ اقدس میں نماز جمعہ کیواسطے صرف ایک ہی اذان یعنی اذان خطبہ تھی جو خارج مسجد میں یعنی دروازہ مسجد پر خطیب کے مقابل میں ہوتی تھی جبکہ بفضلہ تعالے مسلمان کثیر ہوگئے امیر المؤمنین عثمن غنی رضی اللہ تعالے عنہ نے اپنے پاک زمانہ میں ایک اور اذان اضافہ فرمائی جو آجکل اذان اول جمعہ کہلاتی ہے۔ یہ اذان مسجد سے دور بازار میں دیجاتی تھی ہشام اپنے زمانہ میں اسی اذان کو مسجد کے منارہ پر لے آیا مگر اذان خطبہ مسجد کے دروازے پر خطیب کے محاذ میں بدستور ہوتی رہی اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل اذان جمعہ وہی اذان خطبہ ہے جو خطیب کے محاذ میں ہوتی ہے پس اس اذان کو مسجد کے اندر منبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر جیساکہ رواج ہوگیا ہے اس بنا پر کہنا کہ یہ اذان

خطبہ مثل اقامت کے حاضرین کی اطلاع کیواسطے ہے اس اذان خطبہ کو اذان کی تعریف اور اذان کے احکام ہی سے خارج کرنا ہے کہ اذان کیواسطے اعلام غائبین ضروری ہے اور یہ جب ہی ہوسکیگا کہ یہ اذان خطبہ بھی فنائے مسجد میں بلند آواز سے مثل دیگر اذانوں کے کہی جائے البتہ اس اذان خطبہ میں ہمارے نزدیک یہ زائد ہے کہ بین یدی الخطیب یعنی خطیب کے محاذ میں ہو ولبس۔ باقی وہی احکام ہیں جو اور پنجوقتہ اذانوں کیواسطے ہیں

احکام اذان} فرض پنجگانہ کہ انھیں میں جمعہ بھی ہے۔ جب جماعت مستحبہ کیساتھ مسجد میں وقت پر ادا کئے جائیں تو انکے لئے اذان سنت موکدہ ہے اور اسکا حکم مثل واجب کے ہے کہ اگر اذان نہ کہی جائے تو وہاں کے سب لوگ گنہگار ہونگے سنت یہ ہے کہ اذان بلند جگہ کہی جائے اور بلند آواز سے کہے (بحر) مگر طاقت سے زیادہ آواز بلند کرنا مکروہ ہے (عالمگیری) اذان مادنہ پر کہی جائے یا اور کہیں خارج مسجد اور مسجد میں اذان نہ کہے (خلاصہ عالمگیری) مسجد میں اذان کہنا مکروہ ہے (فتح القدیر طحطاوی علی مراقی الفلاح۔ فتاوی قاضیخاں فتاوی خلاصہ خزانۃ المفتیین۔ بحر الرائق۔ شرح نقایہ علامہ برجندی۔ غلبہ شرح منیہ) یہ حکم ہر اذان کے لئے ہے فقہ کی کتاب میں کوئی اذان اس حکم سے مستثنی نہیں۔ پس اذان ثانی جمعہ بھی اس حکم میں داخل ہے امام اتقانی اور امام ابن الہمام نے یہ مسئلہ خاص باب جمعہ میں لکھا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسجد میں اذان نہ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ عین مسجد یعنی موضع صلاۃ میں اذان کہنا ممنوع ہے اور مسجد سے باہر ہونیکا یہ مطلب ہے کہ موضع صلاۃ سے باہر کسی جگہ فنائے مسجد میں ہو البتہ اذان خطبہ میں ہمارے نزدیک محاذات خطیب بھی سنت ہے لہذا موضع صلاۃ کے علاوہ ہر وہ جگہ جو فنائے مسجد میں محاذی منبر ہو محل اذان خطیبہ ہے خواہ دروازہ ہو یا کوئی اور جگہ جو جگہ محل اذان ہو وہ جگہ مسجد بنجائیگی سے بدستور اذان کیواسطے مستثنی رہیگی یعنی جو جگہ پہلے سے اذان کے لئے مقرر تھی اگر اور کہیں اور گرد مسجد کی توسیع کرلی گئی اور وہ محل اذان اب موضع صلاۃ کے اندر آگیا تو اس محل میں اذان بلاکراہت جائز رہیگی اور صرف اتنی جگہ ہمیشہ خارج مسجد مثل سابق سمجھی جائیگی۔

مسجد کے اطلاق

مسجد کے دو اطلاق ہیں ایک موضع صلاۃ بس فصیلیں۔ دیواریں دروازہ سب اس معنی پر مسجد سے خارج ہیں اور اسکے توابع دوسرا چار دیواری مسجد معہ ما فیہ بایںمعنی وہ سب داخل مسجد ہیں۔ خود قرآن عظیم میں یہ دونوں محاورے موجود انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ یہ بنا پر موقوف نہیں دیکھو حدیث ترمذی و ابن ماجہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومسجد۔ ہدم بنا ہی کے لئے ہے بلکہ یہاں تیسرا اطلاق اور ہے فنائے مسجد کو بھی مسجد کہتے ہیں ولہذا معتکف اس میں جا سکتا ہے اور اسوقت بھی وہ معتکف فی المسجد کہلائیگا ولہذا منارہ پر جو اذان ہوا سے بھی کہینگے چلو مسجد میں اذان ہوئی یہ کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہوئی۔ بدائع پھر رد المحتار میں ہے لو صعد ای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلا خلاف وان کان بابھا خارج المسجد لا نہ امنہ لانہ یمنع فیھا من کل ما یمنع فیہ من البول ونحوہ فاشبہ زاویۃ من زوایا المسجد:۔

تنشیط الاذان کا اجمالی رد

(۱) فتوائے مبارکہ بریلی میں سوال دہم کے جواب میں صاف صاف تھا کہ حضرات اہلسنت سے معروض الخ انبٹھی صاحب نے دس سوالوں کے جوابات پر تو خامہ فرسائی کی مگر گیارہ تا پندرہ پانچ سوالوں کو قطعی فرو گزاشت کیا اگر انکو یہ سمجھکر چھوڑ دیا کہ انکے جوابات کا مطالبہ علمائے اہلسنت سے تھا تو ان دس سوالوں کے جوابات کا دلکھنے کی بھی کیا ضرورت تھی سکوت ہی بہتر تھا کہ فتوائے مبارکہ بریلی میں دس سوالات کے جوابات بھی سنیوں کیواسطے تھے دس جوابات بے جوڑ لکھدیئے اور پانچ آخری سوالات کے جوابات سے پہلوتہی کر نیسے ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان پانچ سوالات نے

انبٹھی صاحب کے ہوش عنقریب ان کر دیئے۔ ہر ذی علم جانتا ہے کہ یہ وہ سوالات ہیں جسمیں مخالفین کے تمام شبہات کا پیشگی رد ہے انکے فرار کی سب گلیاں بند ہو جاتی ہیں اسی لئے دیدہ و دانستہ انکے جوابات سے مخالفین نے پہلو تہی اختیار کی ۔

(۲) سہارنپوری تحریر کے صفحہ ۲ لغایتہ ۹ میں یہ دعوی کیا گیا ہے کہ مسجد میں ہر اذان دینا جائز ہے خواہ وہ اذان پنجوقتہ ہو یا اذان خطبہ اور دلیل یہ پیش کی گئی ہے ۔ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کا مسجد میں ہونا مکروہ نہیں ۔ سنی بھائیو! دیکھو یہ کیسا کھلا ہوا حنفیت سے مستعفی ہوتا ہے فتوای بریلی میں فقہائے کرام کے اقوال فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں جنمیں صاف صاف موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دیجائے ۔ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے ۔ ایک ذرا سی بات سمجھ لینے کی یہ ہے کہ فتوائے بریلی میں صاف صریح حدیث اور مستند کتب فقہ حنفی کے حوالے مع نشان صفحہ و ترجمہ درج ہیں خدا الصاف دیتا تو اسکا جواب یہ تھا کہ حدیث کے مقابل ویسی ہی معتمد حدیث دکھاتے اور کتب فقہ کے مقابل ویسی ہی مستند کتب فقہ حنفی سے ثبوت پیش کرتے کہ مسجد میں اذان مکروہ نہیں یا صرف اسقدر ثابت کرتے کہ اذان خطبہ ان کتب فقہ کے حکم سے مستثنی ہے مگر اسکا کہیں پتہ نہیں محض سخن پروری سے ہر مخالف کام لے رہا ہے اور اذان پنجوقتہ اور اذان خطبہ کو بلا کسی دلیل کے فی جوف المسجد فقہائے کرام کے ارشادات کے خلاف جائز دلے خلل بتاتا ہے ہم انبٹھی صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں کہ آپکی کتاب بھر میں یہ کن الفاظ کا ترجمہ ہے کہ مسجد میں بلند آواز کیساتھ اذان دینا بلا کراہت جائز ہے یہ وہم کہ اذان ذکر اللہ ہونیکی وجہ سے مسجد میں مکروہ نہیں لاعلمی پر مبنی ہے اذان کہ جسکے واسطے رفع صوت لازمی ہے اور جو غائبین کی اطلاع کیواسطے ایک خاص قسم کا اعلان ہی ہرگز ہرگز ذکر خالص نہیں امام عینی بنایہ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اذان ذکر خالص نہیں اور ایسا ہی بحر الرائق وصلاۃ مسعودی میں ہے پس مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں بلکہ رفع صوت بذکر سے منع ہے اور اسکی ممانعت در مختار و مسلک متقسط و

تجرازیہ وغیرہ میں مصرح۔ اسی لیے مسجد میں اذان کہنا دربار الہی کی بے ادبی ہے
مزید تفصیل دیکھنا ہو تو وقایۃ اھل السنۃ کا صفحہ ۴۵ تا ۶۵ ملاحظہ ہو۔ یہ یاد رہے
کہ مسجد میں اذان نہ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ موضع صلاۃ میں اذان نہ کہی جائے پس
منارہ فصیل۔ دیوار مسجد۔ دروازہ پر اذان کہنا بلا کراہت جایز ہے۔

مسلمانو! مقام غور ہے کہ کیا معاذ اللہ فقہائے کرام جنکے ارشادات اوپر گذرے انبیٹھی صاحب سے علم میں کم تھے جو انھوں نے انبیٹھی صاحب کی پیش کردہ آیات قرآنیہ واحادیث پر غور وخوص کرکے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ بتادیا؛ در یہ کہ چودھویں صدی میں یہ بات صرف انبیٹھی صاحب ہی کی سمجھ میں آئی کہ چونکہ مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر اعلان حج پکارا گیا تھا پس مسجد کے اندر اذان بلا کراہت جائز ہوگئی کیا معاذ اللہ فقہائے کرام اس سے بے خبر تھے کہ اذان اعلی ترین ذکر اللہ ہے اور مساجد محل ذکر اللہ ہیں عام اس سے کہ اذان ہو یا نماز نہیں نہیں وہ ہرگز بے خبر نہیں تھے یہ آیات واحادیث انکے زیر نظر تھیں مگر بات وہی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ فقہائے کرام اذان کو ذکر خالص نہیں مانتے اور اسی لئے ان آیات واحادیث کے حکم کے تحت مثل ذکر خالص کے اذان داخل نہیں مانتے اور بالاتفاق مسجد کے اندر اذان کہنے کی ممانعت فرما رہے ہیں طرہ یہ کہ انبیٹھی صاحب کے نزدیک فقہائے کرام آیات واحادیث سے محض بے خبر ہی نہیں ٹھہرتے بلکہ معاذ اللہ بڑے ظالم قرار پاتے ہیں کیونکہ انبیٹھی صاحب نے صفحہ ۵ پر آیہ کریمہ ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ الآیۃ مسجد کے اندر اذان کہنے کو منع کرنیوالوں پر چسپاں کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی کرتی ہے کہ مساجد محل ذکر اللہ اور عبادات کی جگہ ہیں عام اس سے کہ اذان ہو یا نماز گویا کہ مسجد میں اذان کہنے کو منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا ہے اور یہ بحکم قرآن عظیم سب سے بڑا ظلم ہے تو اس تقدیر پر معاذ اللہ توبہ توبہ خاک بدہن گستاخ فقہائے کرام جنھوں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ بتایا ہے سب سے بڑے ظالم ٹھہرے والعیاذ باللہ تعالیٰ
سچ تو یہ ہے کہ فقہ کے لئے بہت بڑی سمجھ درکار ہے۔ انبیٹھی صاحب نے یہ خیال کیا

کہ مساجد کو ذکر سے روک دینے اور مساجد میں ذکر کو منع کرنے میں فرق ہے علاوہ اسکے اذان اعلام غائبین ہے بے آواز بلند کیے ناممکن تو مسجد میں اذان سے منع ذکر سے منع نہیں بلکہ رفع صوت بذکر سے منع ہے نیز اذان ذکر خالص نہیں پس موضع صلاۃ کیونکر مثل عبادات کے محل اذان ہو سکتا ہے۔

(۳) مسلمانو! فقہائے کرام کو انبٹھی صاحب کا معاذ اللہ ظالم ٹھہرانا آیت وحدیث سے بے خبر سمجھنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہی انبٹھی صاحب ملک الموت و شیطان کے علم کو نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے علم سے زیادہ بتا چکے ہیں۔ تھانوی صاحب نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جیسا علم ہر سور اور کتے کو بتایا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیال آنے کو بیل اور گدھے کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر گردانا۔ گنگوہی صاحب نے اللہ واحد قہار سے وقوع کذب مانا۔ غرضکہ وہابیہ کے اکابر نے اللہ واحد قہار اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ وہ گھونی توہینیں کیں کہ آخر کار علمائے حرمین شریفین نے صاف صاف نام بنام فرمایا کہ یہ توہین کرنیوالے سب کے سب ایسے کافر ہیں کہ جو انکے ان اقوال کفریہ پر مطلع ہو کر اونکے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے من شك في كفره وعذابه فقد كفر۔ جن کے یہاں انبیا کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی یہ عزت وعظمت ہو کہ گاؤں کا مکھیا بنایا جائے انکے یہاں غلامان سرکار کی عزت وعظمت کا کیا ذکر۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام کے ارشادات لا یؤذن فی المسجد کے رد کرنے کے واسطے آیہ کریمہ ومن اظلم کو بے موقع اور بے محل چسپاں کیا گیا ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(۴) اذان کا مسئلہ ہمارے دین کا ایک فرعی مسئلہ ہے وہابیوں سے اسکا کیا تعلق ان کے عقائد اور ہمارے عقائد میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ بہت سی ضروریات دین کے منکر ہیں اور اس فرقہ ضالہ کے رد میں اہل حق کے سیکڑوں رسالے شائع ہو چکے ہیں جو آجتک لاجواب ہیں مگر کوئی ان سے اتنا پوچھنے والا نہیں کہ آجتک انکے جوابات

کیوں نہ دیئے بھلا سنیوں کے ایک فرعی مسئلہ میں ٹانگ اڑا دینا اور لاکھوں اعتراضات سے خاموشی اختیار کرنا کونسا انصاف ہے اچھا یہ بھی سہی وقایۃ اہل السنۃ تو خاص اس مسئلہ اذان میں مدتوں کا چھپ چکا ہے اسکے تین سو قاہر اعتراضات کے جوابات دینا پہلے ضروری تھا نہ کہ کانپوری تحریر کے اعتراضات الٹ پلٹ کر ایک جدید رسالہ کی شکل میں شایع کر دینا۔

انبٹھی صاحب اگر مسئلہ اذان میں آپکو لب کشائی ہی کرنا تھی تو وقایۃ اہل السنۃ میں کانپوری تحریر کے جن جن اعتراضات کے جوابات ہو چکے تھے انکا اعادہ چہ معنی دارد اس رسالہ مبارکہ کے قاہر دلائل کے جوابات کا مطالبہ تو تمام دیوبندی خیالات کے لوگوں سے تھا پس انکے جوابات نہ دینے سے ہر منصف بے تامل کہہ سکتا ہے کہ وقایۃ اہل السنۃ نے آپکے حواس باختہ کر دیے ہیں۔

تفصیلی رد

یہاں تک تو اجمالاً بحث تھی اب ہم میدان تفصیل میں سمند خامہ کی باگ موڑتے ہیں وباللہ التوفیق۔

قولہ دلیل اول:۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مقام ابراہیم پر حج کا اعلان کیا گیا تھا اور یہ کہ جسوقت اعلان پکارا گیا تھا وہ مقام مسجد الحرام شریف کے اندر تھا لہذا مسجد کے اندر اذان دینا بلا کراہت جائز ہی نہیں بلکہ سنت ابراہیمی ہے۔

انبٹھی صاحب۔ اولاً حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مقام ابراہیم ملصق بجدار کعبہ ہونے سے یہ کیونکر لازم آیا کہ وہ عہد ابراہیمی صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہ میں وقت اعلان حج بھی اسی جگہ تھا۔

ثانیاً:۔ تاریخ قبلی سے اس پر استناد کیونکر صحیح ہوا اسکے کون سے لفظ سے اسطرف اشارہ ہو سکتا ہے کیا رفع تعمیر کے لئے مقام کا وہاں لیجانا اس پر دلالت کرتا ہے؟

ہاں استناد تو جب صحیح تھا جبکہ اس تاریخ میں قرب لہ المقام کے بعد یہ بھی ہوتا کہ

سب سے پہلے ایک زمین ہے وہ یہ مقام ہے مکہ میں وہاں سے نشان پایا گیا۔ وقت اعدن منقصر
کعبہ ہے کہ تحقیق میں کہیں اس کی تصریح ہے۔

اگر یہ مان لی جائیں تو وہ شریعت ابراہیمی تھی جس میں اذان فی المسجد جائز تھی
شریعت محمدی میں صاحب مقصد نے تحقیق کر کے وہ تحریر کی ہے کیا شرائع من قبلنا ہم پر
حجت ہو سکتی ہے۔

یہ روایت قیام ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل سے مروی ہے حضرت
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے اخذ فرمایا کرتے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ
تعالیٰ وجہہ سے اس کی مخالف روایت صحیحہ موجود ہے اور یہ ظاہر من الشمس ہے کہ حضرت
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ لکھ کر بنی اسرائیل سے اخذ روایت نہ فرمایا کرتے تھے تو یہ
یقیناً حضور پر نور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے مروی ہو گی و قال علی ابن ابی طالب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] ان ابراہیم [illegible] بعث اللہ جبرئیل فحج به حتی اذا
اتی عرفۃ قال قد عرفت وكان اتاها قبل ذلك مرة فلذلك سميت عرفة حتى
اذ كان [illegible] عند الجمار [illegible] قال [illegible] ثم [illegible] اجيبوا الله
اطيعوا الله [illegible] فرمایا جب
حضرت ابراہیم علیہ السلام بنائے کعبہ سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام
کو مبعوث فرمایا انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حج کیا یہاں تک کہ جب
عرفہ دیکھا تو فرمایا میں نے پہچانا اور وہ اس سے پہلے ایک دفعہ وہاں تشریف
لائے تھے اور اسی سے اس کا نام عرفہ رکھا گیا۔ جب قربانی کا دن آیا تو حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے سامنے شیطان آیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ اسے کنکریاں ماریئے
حضرت خلیل علیہ السلام نے سات کنکریاں ماریں پھر دوسرے تیسرے روز بھی یہی
ہوا اسی لئے رمی جمار ہوئی اسکے بعد جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی اس پہاڑ ثبیرہ پر تشریف
لے جائیں حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر تشریف لے گئے اور ندا فرمائی کہ اے اللہ
کے بندوں اللہ کی دعوت قبول کرو اور اس کی بندگی بجا لاؤ اس ندا کو سات سمندر بیچ

یوم الحج الاکبر [illegible]

سب نے سنا روی عبد الرزاق وغیرہ عن معمر قال قال ابن المسیب قال علی بن ابی طالب لما فرغ ابراھیم من بنائہ الخ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزدلفہ کے پہاڑ ثبیرہ پر اعلان حج فرمایا۔

خامساً: خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف روایتیں مروی ہیں کسی میں ہے کہ مقام پر اعلان حج فرمایا کسی میں ہے کہ جبل ابوقبیس پر بعض روایات میں صفا پر تو ایک روایت معتبرہ صحیحہ مرویہ عن الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہوتے چند آثار مختلفہ مضطربہ سے ایک اثر لیکر اس سے استدلال کسی عاقل کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلان حج مسجد الحرام شریف کے باہر مقام ابراہیم پر پکارا گیا ازرقی نے اس روایت کی تخریج ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے کہ عبد اللہ ابن سلام سے میں نے پوچھا اس نشان سے جو مقام میں ہے انھوں نے کہا کہ جب امر فرمایا اللہ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ اعلان کریں حج کا لوگوں میں تو وہ کھڑے ہوئے مقام پر پھر جب فارغ ہوئے تو انھوں نے حکم کیا متعلق مقام میں وہ رکھدیا گیا جانب قبلہ تو اسکی جانب نماز پڑھتے تھے سامنے دروازہ

قولہ دلیل دوم وسوم۔ حاصل ان دونوں دلیلوں کا یہ ہے کہ مساجد محل ذکر اللہ اور عبادات کی جگہ ہیں عام اس سے کہ اذان ہو یا نماز پس اذان مساجد میں مکروہ نہوگی۔ دوسری دلیل کے تحت تین آیات قرآنیہ لکھیں اور تیسری دلیل میں ایک حدیث باختلاف روایت دو کتابوں سے تحریر کی جن سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مساجد محل ذکر اللہ ہیں یہ کہیں بھی نہیں کہ مساجد محل اذان ہیں اور نہ ان آیات میں کوئی ایسا لفظ ہے جسکے یہ معنی یا مطلب ہو کہ اذان خالص ذکر الٰہی ہے پس انبٹھی صاحب کا اذان کو مسجد میں جائز ٹھہرانا قرآن عظیم پر افترا ہے مساجد بیشک محل ذکر اللہ ہیں مگر جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں اذان ہرگز خالص ذکر الٰہی نہیں۔ بنایہ امام عینی میں ہے **فان قلت** الاذان ذکر فکیف تقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشئ غیرہ قلت **ھو لیس بذکر خالص علی**

مالا یخفی وانما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار اکثر الفاظہ ذکرہا اھ ایسی ہی اکثر کتب فقہ معتمدہ مغنیہ، بحر الرائق وغیرہ میں ہے اذان کی ممانعت مسجد میں ممانعت رفع صوت بالذکر فی مسجد سے نہ منع الذکر کیا جس شخص نے ایک وقت ایک جگہ ایک جلسہ میں چند اشخاص کو قرآن عظیم بالجہر پڑھنے کو منع کیا وہ مانع عن ذکر اللہ اور ان وعیدوں کا مستحق ہے کیا سکا یہ فعل منع الذکر ٹھہرےگا یا منع قرأت بالجہر سے منع قرأت ہوگا۔

مصرعہ: ببیں عقل و دانش بباید گریست

قولہ دلیل چہارم اس دلیل کے تحت جو عبارت غنیہ شرح منیہ کی پیش کیگئی ہے وہ خود انبیٹھی صاحب کا اشارہ کر رہی ہے فما کان فیہ نوع عبادۃ ولیس فیہ اھانۃ ولا تلویث لا یکرہ والا کرہ کا ترجمہ انبیٹھی صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ پس جس فعل میں کسی نوع کی عبادت ہو اور اس میں مسجد کی اہانت اور تلویث نہ ہو وہ فعل مکروہ نہ ہوگا ورنہ مکروہ ہوگا چونکہ عرف میں دربار کے اندر حاضری پکارنا دربار کی بے ادبی ہے پس اس امر امتہان کے عارض ہونیکی وجہ سے غنیہ کی اس عبارت سے اذان کی مسجد میں ممانعت صاف ظاہر ہے کہ اذان میں رفع صوت ضروری اور مسجد میں رفع صوت مکروہ ہے بلکہ رفع صوت بالذکر خالص بھی مسجد میں مکروہ ہے کما فی الدر المختار ورد المحتار والاشباہ وغیرہا من معتمدات الاسفار اور اذان تو ذکر خالص بھی نہیں کما صرح بہ الامام العینی فی البنایۃ شرح الہدایۃ تو اس میں رفع صوت بدرجہ اولیٰ مکروہ ٹھہرا۔

انبیٹھی صاحب نے جو کچھ رفع صوت کے متعلق لکھا وہ غلط اور مصر مدعا ہے رفع صوت کی دو حالتیں بتائیں، در مانحن فیہ نقول پر نظر نہ کی بہت منتے رفع صوت یا بذکر یا ایسے کلمات سے جو ذکر خالص نہیں یہ تین صورتیں ہیں پہلی کی دو صورتیں ہیں یا اس ذکر میں رفع صوت محمود مطلوب شرع ہے یا نہیں اگر ہے تو حسب ضرورت رفع کیا جائیگا ضرورت سے زیادہ رفع کرنا مکروہ ہوگا جیسا کہ عبارت درمختار منقولہ انبیٹھی صاحب ما تعارف فی زماننا فلا یبعد انہ مفسد اذ الصیاح ملحق بالکلام سے ظاہر اور متصلے

عقل بھی یہی ہے اور اگر نہیں تو رفع صوت کا ممنوع و مکروہ ہونا ظاہر دوسری کا بھی ناجائز و ممنوع ہونا خود روشن تیسری بعض وہ جو خالص نہیں اسکا بھی مسجد میں رفع جائز نہیں بلکہ جہاں رفع صوت مطلوب شرعی ہے وہاں بھی ضرورت سے زائد مکروہ ہے تو وہ ذکر جسکی صورت ذکر ہے اور حقیقت شرعاً و عرفاً ہر طرح اعلام ہے ہرگز ذکر خالص نہیں اسکا مسجد میں بلند آواز سے ہونا کیونکر مکروہ نہ ہوگا۔ ہر شخص جسکے سر میں دماغ اور دماغ میں ذرا سی عقل جسکے منہ پر آنکھ اور کان ہیں وہ سمجھتا دیکھتا سنتا ہے کہ اذان درحقیقت اعلام ہے۔ شرع میں اسے اعلام فرمایا۔ عرف اسے اعلام جانتا ہے ہرگز ذکر خالص نہیں مانتا تو اسکا مسجد یعنی موضع صلاۃ جسکی بنا ذکر خالص اللہ عزوجل کیلئے ہے اسمیں ہونا اور بلند آواز سے ہونا کیوں مکروہ نہ ہوگا۔ فقہا کی تصریحات موجود اور حدیث سے محل اذان کا پتہ معلوم و مشہود۔ عرف میں اعلام کا بلند جگہ اور دربار سے باہر ہونا ہی معروف اور حاضری کا بر سر دربار پکارنا عرفاً سخت قابل سرزنش اور نہایت معیوب تو فقہ و حدیث و عرف سب کو پس پشت ڈالنا اور وہ عبارتیں جو خود اپنے مدعا کا رد کر رہی ہیں نقل کرلانا اور یہ کہہ دینا کہ اذان کا مسجد میں یعنی اس جگہ جو نماز کے لئے موضوع ہے ہونا جائز ہے اور اذان کا جو ذکر خالص نہیں اذکار خالصہ خطبہ و قرات وغیرہ پر قیاس کرنا جیسا کچھ ہے ہر عقلمند پر ظاہر ہے اقامت اعلام حاضرین کے لئے ہے اور اذان اعلام غائبین کے لئے۔ اعلام حاضرین بر سر دربار ہی ہوتا ہے وہ دربار سے باہر نکلکر اگر کوئی کرے تو احمق سمجھا جائے اور اذان اعلام غائبین ہے یعنی حاضری پکارنا اگر ایسا اعلام خود دربار میں کوئی کھڑے ہو کر کرے مجرم سمجھا جائے الفاظ ایک سے دیکھکر اگر کوئی اس اعلام کو جو دربار سے باہر کرنیکا تھا اس اعلام کی طرح جو دربار کے اندر کرنیکا ہے دربار کے اندر اسے کرے یا اسکا کرنا جائز جانے ہر سمجھ وال کے نزدیک مجرم و بدتمیز ٹھہریگا انبھی صاحب کیا کسی حدیث یا معتمد کتاب فقہ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اذان ثانی جمعہ اعلام غائبین کے لئے نہیں بلکہ اعلام حاضرین کے لئے ہے اور عجب کہ حاضرین کے لئے اعلام پر اعلام کی حاجت ہو اور غائبین کے لئے صرف ایک اعلام کافی ہو۔ للہ الصاف۔ حضرت سیدنا عثمن غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے تو اعلام غائبین کے لئے اس اذان جمعہ سے پہلے ایک اذان اور زائد فرمائی حضرت کا مدعا اس سے یہ تھا کہ ایک اعلام لوگوں کی کثرت کی بنا پر شاید کافی نہ ہو تو اس لئے ایک اذان زوراء پر اور زائد فرمائی کہ زوراء کے قریب قریب کے لوگ اس اذان سے اطلاع پائیں اور مسجد شریف کے لوگ اس اذان سے جو وقت خطبہ عہد سرکار رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ سے ہی اعلام غائبین کے لئے تھی سوچو تو سہی کہ اذان خطبہ عہد پاک میں غائبین کے لئے رہے حضرت عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلام غائبین ہی جانیں اسے اسکی محل پر رہیں چھوڑ دکون ایسا ہے جو اذان خطبہ کی حقیقت باطل کر کے جس لئے وہ شرعاً موضع تھی اس سے بر کراں کر کے اسے ایک دوسری حقیقت پہنادے۔

انبیٹھی صاحب کا یہ لکھنا کہ اگر رفع صوت بالا اذان کو مکروہ اور بے ادبی مسجد کی قرار دیجائیگی تو سب سے پہلے یہ بے ادبی حضرت خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ کر چکے ہیں الخ سراسر غلط ہے انبیٹھی صاحب کو معلوم نہیں کہ شرائع من قبلنا ہم پر حجت نہیں علاوہ اسکے اسکا کیا ثبوت ہے کہ وہ پتھر وقت اعلان حج عہد نورانیت مہار حضرت خلیل جلیل علیہ الصلاۃ والسلام میں مسجد الحرام کے اندر تھا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مسجد الحرام کے اندر تھا تو اسکا کیا ثبوت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقام پر یہ اذان دی اسکے متعلق ہم کافی بحث دلیل اول میں کر چکے ہیں اور کہے دیتے ہیں کہ قیامت تک اسکا ثبوت کوئی نہ لا سکیگا۔

انبیٹھی صاحب کا یہ لکھنا کہ پھر بلال بھی یہ بے ادبی کرتے رہے کوئی تعجب خیز بات نہیں جبکہ بلا ثبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جبرئیل علیہ السلام کو معاذ اللہ بے ادب بنایا گیا تو حضرت بلال اب کس گنتی میں ہیں۔ انبیٹھی صاحب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام و جبرئیل علیہ السلام کو بے ادب ٹھہرانے سے قبل جس طرح یہ ثابت کرنا لازمی تھا کہ اعلان حج یقیناً اس پتھر پر پکارا گیا اور جسوقت اعلان پکارا گیا تھا اسوقت وہ پتھر مسجد الحرام کے اندر تھا اسیطرح حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے ادب لکھنے سے قبل یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور پر نور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے عہد مقدس میں یہ

اذان فی جوف المسجد ہوئی۔

قولہ دلیل پنجم ۔صفحہ ۱۰ پر اس دلیل کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ اذان خطبہ مثل اقامت ہے یہ سب کو مسلم ہے کہ زمانۂ **اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صرف ایک ہی اذان تھی اور وہ اذان خطبہ تھی جواب اذان ثانی جمعہ کے نام سے مشہور ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ اقدس میں اعلام غائبین کیواسطے یہی اذان خطبہ تھی کیونکہ اگر اس اذان خطبہ کو اعلام حاضرین کیواسطے مثل اقامت مانا جائیگا جیسا کہ انبیٹھی صاحب نے لکھا ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ جمعہ کیدن جمعہ کی نماز کیواسطے زمانہ اقدس میں اعلام غائبین مفقود تھا اور یہ نہ مانیگا مگر وہ جسکو حدیث وفقہ پہ نظر نہیں۔ ہم ہدایہ وکافی تبیین وعنایہ وبحر ودرمختار وغیرہا کے حوالہ سے پہلے ہی ثابت کر چکے کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی غائبین کی اطلاع کو ہے لہٰذا خطبہ کیوقت دوبارہ کہنا مفید ہے کہ شاید پہلی اذان بعض غائبین نے نہ سنی ہو تو اب سن لینگے ۔ پس کتب فقہ کی اس صراحت کے ہوتے ہوئے مولوی عبدالحی صاحب کی سعایہ شرح شرح وقایہ کا دامن پکڑنا اور اذان خطبہ کو اعلام حاضرین کیواسطے مثل اقامت بتانا بالکل بے سود ہے ۔ کیا انبیٹھی صاحب نے فتوے مبارکہ بریلی میں نہ دیکھا کہ یہی مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۲۴۰ میں اذان خطبہ کو مسجد کے باہر ہونا ہی سنت کہتے ہیں۔

مسلمانو! یہ کونسا انصاف ہے کہ انبیٹھی صاحب نے مولوی عبدالحی صاحب سے اذان خطبہ کا اعلام حاضرین ہونا تو نقل کیا مگر انکا دوسرا قول جو اذان خطبہ کو مسجد کے باہر ہونا ہی سنت بتاتا ہے چھوڑ دیا کیا مولوی عبدالحی صاحب کے کالاقامۃ لکھنے سے اذان خطبہ کا داخل مسجد ہونا معلوم ہوا کاف تشبیہ دیکھکر یہ مضمون کہاں سے آگیا کیا کوئی شخص زید کالاسد کہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ زید ہاتھ پاؤں ناک کان تمام خصائل وعادات واوضاع واطوار میں شیر کی مثل ہے۔

صفحہ ۱۱ تا ۱۲ میں انبیٹھی صاحب نے کانپوری تحریر کے اعتراضات کا **اعادہ** کرتے ہوئے بین یدیہ اور عند کی بحث کو چھیڑا ہے اور ان الفاظ کے یہ معنی ومطلب نکالے ہیں کہ

اذان خطبہ مسجد کے اندر خطیب سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو جیسا کہ رواج ہو گیا ہے اور اسی کو امر متوارث بتایا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے یا منبر کے سامنے یا امام و منبر کے قریب ہونا امر متوارث ہے۔ وقایۃ اھل السنۃ کے صفحہ ۲۴ تا ۵۰ میں اسکے متعلق کافی بحث موجود ہے اور اسمیں آیات قرآنیہ۔ کلمات علما تصریحات فقہا محاورات عرب سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ بین یدیہ اور عندکچھ اتصال ہی سے خاص نہیں انکا مفاد محاذات وحضور ہے متصل ہو یا منفصل ولہذا قریب و بعید دونوں میں استعمال ہوتا ہے پس بین یدی الخطیب و عندالمنبر کے صرف یہ معنی ہوئے کہ خطیب کے محاذی یا منبر کے محاذی ہو ان الفاظ سے متصلاً بالخطیب سمجھ لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ سنن ابوداود شریف کی حدیث میں علی باب المسجد موجود ہے جو صریح ایسے معنی سمجھنے کا رد ہے۔ بین یدیہ اور عند کی بحث کیواسطے وقایۃ اہل السنۃ کے علاوہ نفی العار، سلامت اللہ لاہل السنۃ۔ مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ۔ سد الفرار۔ مقتل کذب و کید۔ مقتل اکذب اجہل رسائل بھی ملاحظہ ہوں۔ انہیں توارث کے متعلق بھی مخالفین کے اوہام باطلہ کا کافی ازالہ ہے ان عبارتوں میں بین یدی الخطیب وعند المنبر وغیرہ ہرگز ہرگز محل اذان کو بیان نہیں کرتے بلکہ مؤذن کی سمت معین کرتے ہیں کہ خطیب کے سامنے یعنی محاذ میں منبر کے مقابل ہو دہنے بائیں پیچھے نہو لیس انبیٹھی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہانے جو اذان جمعہ ثانی کے محل کو بیان کیا ہے سے آخر بحث تک بالکل غلط اور فقہائے کرام پر افترا ہے ۔

صفحہ ۹۰ ۔ ایہ جتنی بھی عبارتیں ہیں انہیں سے کسی میں بھی کوئی لفظ ایسا نہیں جسکا یہ ترجمہ یا مطلب ہو کہ اذان مسجد کے اندر دیجائے۔ فی جوف المسجد در کنار فی المسجد تک نہیں لیس انبیٹھی صاحب کا یہ لکھنا کہ میرے نزدیک کوئی عاقل منصف ان تعبیرات کے مدلولات کو دیکھکر اسمیں ہرگز بھی تردد نہیں کر سکتا کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہونا چاہیئے محض بے بنیاد ہے۔ ہر وہ شخص جسکے دو آنکھیں ہیں اگر ایمان و عقل سے کچھ بھی واسطہ رکھتا ہے ان عبارتوں کو پڑھکر فوراً پکار اٹھے گا کہ انہیں

بین یدیہ اور عند ہے جسکے معنی امام و منبر کے مقابل و حضور ہیں انہیں فی جوف المسجد نہیں جسکے یہ معنی ہوں کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہونا چاہئے آیندہ ہم ہر ایک عبارت پر علیحدہ علیحدہ بحث کرینگے ۔ اچھا انبیٹھی صاحب یہ تو بتلایئے کہ ان عبارتوں میں مسجد کے اندر کون سے لفظ کا ترجمہ ہے یا کون سے لفظ کی مراد یا مطلب ہے بین یدیہ اور عند کے معنی مسجد کے اندر کونسی لغت میں لکھے ہیں اور جب ایسا نہیں ہے اور یقیناً ان عبارتوں میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں ہے جسکے معنی مسجد کے اندر ہوں تو بیشک اس قسم کے غلط معنی و مراد بتانیسے اتباع شرع و رضاء حق حاصل نہیں ہو سکتی جو مسلمان کا مقصود و مطلوب ہے ۔

اہل حق نے بین یدیہ اور عند کا جو مفاد یعنی محاذات و حضور آیات قرآنیہ و محاورات عرب و کلمات علما و تصریحات فقہا سے بتایا اسکو انبیٹھی صاحب نے صفحہ ۱۰ پر اہل حق کا ان الفاظ کی تاویلات بعیدہ کرنا ان کے ظاہری معنی اور مدلول سے بلا دلیل پھیرنا ٹھہرایا مگر یہ سب کچھ بلا دلیل اور جب حافظ نبات کی ٹھہری تو انہی ہمارے بیان کردہ مفاد کو اپنی اس تحریر کے صفحہ ۲۹ پر خود تسلیم کیا کہ امام سے قرب و بعد کو کراہت میں دخل نہیں اور اس سے پہلے کہا کہ دہلی اور سہارنپور کی جوامع میں اکثر جگہ اذان خطبہ منبر سے بیس ذراع سے زائد ہی فاصلہ پر ہوتی ہے گویا انبیٹھی صاحب کو خود تسلیم ہے کہ اذان خطبہ کا بیس بلکہ اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر ہونا جائز ہے امام سے قرب و بعد کو کراہت میں کوئی دخل نہیں ۔

مسلمانو! ایمان لگتی کہنا ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ بین یدیہ اور عند سے یہ مراد کہ اذان خطبہ منبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو جیسا کہ رواج ہو گیا ہے اور جسکو متوارث بتایا جاتا ہے محض غلط ہے ۔ منبر سے متصل ہو یا منفصل بین یدیہ اور عند دونوں پر صادق آتا ہے کہ انکا مفاد محاذات و حضور ہے نہ قرب و بعد ۔ مگر چونکہ فقہائے کرام نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ بتایا ہے اور ہم یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان دینا دربار الٰہی کی بے ادبی ہے اور سنن ابوداؤد شریف کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اذان خطبہ

دروازہ مسجد پر ہوتی تھی پس اذان خطبہ فنائے مسجد میں خطیب کے محاذی ہو خواہ دروازہ ہو یا کوئی اور جگہ۔ اب ہماری اس روشن تقریر کو پڑھکر ہر منصف اس نتیجہ پر پہنچیگا کہ بین یدیہ اور عندکے جو معنی اہل حق نے بیان کئے ہیں وہ بالکل صحیح و درست ہیں اور انبیٹھی صاحب نے ان الفاظ کا ترجمہ منبر کے نزدیک یا امام و منبر کے قریب جو کیا ہے کہ صرف ہاتھ یا دو ہاتھ کا فاصلہ ہو وہ خود انبیٹھی صاحب کی صفحہ ۲۹ والی عبارت سے باطل ہوتا ہے صفحہ ۲۹ پر تو وہ وسعت مانی کہ اگر امام و خطیب سے اذان خطبہ بیس بلکہ اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر ہو تب بھی بین یدیہ اور عندکے منافی نہیں اور یہاں یہ تنگ نظری دکھائی کہ بین یدیہ اور عندکے معنی امام و منبر سے ایسا قریب کہ صرف ہاتھ یا دو ہاتھ کا فاصلہ ہو نہ سمجھنا اتباع شرع و رضاء حق سے دور ہونا ہے لفرض باطل اگر بین یدیہ اور عندکے معنی یہی مان لیں کہ منبر سے صرف ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر اذان ہو ورنہ اتباع شرع و رضاء حق رخصت ہو جو مسلمان کا مقصود و مطلوب ہے تو انبیٹھی صاحب خود صفحہ ۲۹ پر امام سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر اذان خطبہ کا ہونا جائز بنا کر اپنے منہ اتباع شرع و رضاء حق سے دور جا پڑے سہ

بہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا ۔ وہ الزام ہمکو دیتے تھے قصور اونکا نکل آیا

انبیٹھی صاحب نے سات عبارتیں اس امر کے ثبوت میں پیش ... کی ہیں کہ محل اذان خطبہ منبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہے جیسا کہ اس زمانہ میں رواج ہو گیا ہے ہر ذی عقل جو تھوڑی سی بھی عربی جانتا ہو خود بتا سکتا ہے کہ پہلی اور دوسری اور ساتویں عبارت میں بین یدیہ آیا ہے جسکی تشریح ہم اوپر کر چکے کہ امام کے محاذات میں اذان خطبہ ہو۔ اب رہا یہ امر کہ موضع صلوات میں ہو یا فنائے مسجد میں ہو سو فقہائے کرام کے ارشادات اوپر گذرے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے پس محل اذان خطبہ وہ جگہ ہوئی جو فنائے مسجد میں امام و منبر کے محاذی ہو خواہ وہ دروازہ ہو یا منارہ یا خالی زمین اب جو لوگ امام سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلے پر موضع صلاۃ میں خطیب کے سامنے اذان خطبہ کہتے ہیں وہ ..... بین یدیہ کی تعمیل تو کرتے ہیں مگر لا یؤذن فی المسجد سے عدول

حکم کرنے میں ہاں اگر اذان خطبہ فنائے مسجد میں خطیب کے مقابل دیجائے تو بین یدیہ اور
لا یوذن فی المسجد دونوں کی تعمیل ہوجائیگی مقام غور ہے کہ جب انبہٹی صاحب کو یہ تسلیم
ہے کہ اذان خطبہ امام سے بیس بلکہ اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر ہو تو کچھ حرج نہیں
اور فنائے مسجد میں اذان کے مکروہ ہونیکا کوئی ثبوت نہیں تو دروازۂ مسجد پر یا فنائے
مسجد میں کسی اور جگہ علمائے اہلسنت کے ارشاد کے مطابق خطیب کے مقابل جو شخص
اذان خطبہ پکارے وہ علمائے اہلسنت اور انبہٹی صاحب دونوں کے نزدیک شرع
مطہرہ کی پابندی کر رہا ہے برخلاف اسکے اگر وہ موضع صلاۃ یعنی عین مسجد میں اذان
خطبہ پکارے تو علمائے اہل سنت کے نزدیک لا یؤذن فی المسجد کی خلاف ورزی
کرنیکی بنا پر شریعت کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے تو اب ہر صاحب عقل یہی کہیگا کہ اذان
خطبہ فنائے مسجد میں خطیب کے محاذات میں دیجائے کہ یہ دونوں فریق کے نزدیک
مکروہ نہیں بلکہ ایک فریق کی تحقیق کے بموجب یہی سنت ہے۔

چوتھی اور پانچویں اور چھٹی عبارت میں عند ہے اور اسکا مفاد بھی محاذات اور حضور
ہے اور یہ خود انبہٹی صاحب کو بھی تسلیم ہے جیساکہ اوپر بیان ہو چکا پس ان عبارات
میں سے کسی عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ہو یا امام سے ہاتھ
یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو یا تیسری عبارت میں علی ہے اولاً خیال علی بمعنی عند تو مجاز ہے اور
بمعنی لزوم حقیقت ہے اصول امام شمس الائمہ پھر کشف امام بخاری میں ہے اما علی فا
الزام باعتبار اصل الوضع تحریر امام ابن الہمام وتقریر امام ابن امیر الحاج میں ہے وھو
ای اللزوم ھو المعنی الحقیقی رضی شرح کافیہ میں ہے منہ مسح علی اسم اللہ تعالیٰ ای ملازما
اللہ عز وجل فرماتا ہے فجاءتہ احدھما تمشی علی استحیاء ای ملازمۃ للحیاء
اور شک نہیں کہ یہ اذان اگرچہ باہر ہے ہمیشہ لازم و ملازم منبر ہے تو علی اپنے معنی
حقیقی پر ہے ثانیاً کیا علی بمعنی مصاحبت نہیں اتقان شریف میں ہے علی حرف جر لہ
معان ثانیھا المصاحبۃ کمع نحو واٰتی المال علی حبہ ای مع حبہ وان ربک لذو
مغفرۃ للناس علی ظلمھم حدیث میں ہے زکاۃ الفطر علی کل حر وعبد نہایہ میں ہے

قیل علی انما بمعنی مع لان العبد لا تجب علیه الفطرۃ وانما تجب علی سیدہ
قاموس میں ہے والمصاحبۃ کمع وآتی المال علی حبہ جل علی الجلا لین میں زیر
قولہ تعالی وتمشی علی استحیاء ہے۔ علی بمعنی مع ای مع استحیاء کیا اس اذان اور
منبر کا ساتھ نہیں کیا دونوں کا وقت ایک نہیں۔ ثالثاً اللہ عزوجل فرماتا ہے واتبعوا
ما تتلوا الشیطین علی ملک سلیمن اتقان وفتوحات میں ہے۔ ای فی زمن ملکہ
مدارک شریف میں ہے ای علی عہد ملکہ وفی زمانہ تو یوہین علی المنبر یعنی بوقت منبر
کیا ممکن نہیں۔ بفرض باطل علی المنبر کا ترجمہ وہی مان لیا جائے جو انبہٹی صاحب نے لکھا
ہے کہ منبر پر تو کیا اذان خطبہ خطیب کی چھاتی سے چھاتی ملا کر کہی جائے علاوہ اسکے علی
المنبر سے مراد عند المنبر لیجائے جب بھی ہمارے کیا مضر ہے یہ عند المنبر صرف پتہ ہے
اور ائمہ کا ارشاد لا یؤذن فی المسجد صریح حکم ہے اعتبار۔ حکم کا ہے نہ پتہ کا شرح صحیح
مسلم پھر علامہ طاہر نے مجمع بحار الانوار میں فرمایا۔ ان العلامۃ تکون بحرام وبمباح پتہ
جائز و ناجائز دونوں طرح کی باتوں سے دیا جاتا ہے کسی مجمع میں اگر بادشاہ و امراء جمع
ہوں اور کوئی ناواقف کسی عالم سے پوچھے انمیں بادشاہ کون ہے جسکی اطاعت فرض
ہے عالم فرمائے وہ جسکے سر پر سونے کا تاج ہے تو کیا وہ حکم کر رہا ہے کہ اسے سونا پہننا
جائز ہے علما حکم بتا چکے کہ مسجد میں اذان ممنوع ہے پھر بھی پتہ کچھ بھی لکھو۔

ساتویں عبارت نے تو خود بین یدیہ کی تصریح کر دی کہ یدین سے مراد دو جہت مقابل
ہیں کہ دونوں بازوؤں کی سمت پر ہیں اور چونکہ یہ دونوں جہتیں جو بازوؤں کی سمت پر
ملی گئیں ہیں عرش بریں کے منتہی تک محدود نہیں اسلئے قریبا منہ سے قید قرب لگائی
گئی یعنی بتایا گیا کہ بین یدیہ قریب و بعید دونوں کا محتمل تھا تو قریباً نہ سے اسکی تفسیر کرنی
پڑی پھر قرب خود وسعت وسیع رکھتا ہے جہانتک نظر پہنچے سب قریب ہے کہ قرب
شرط عادی الصار ہے کیا قریب کے معنی متصل کے ہیں کیا قرب امر اضافی نہیں کیا ہر
مامن بتا ہو قرب نہیں کیا رب العزت نے جو قیامت کو قریب فرمایا اقترب الساعۃ
وانشق القمر بلکہ حساب وکتاب قیامت کو قریب فرمایا اقترب للناس حسابھم وہ

معاذ اللہ غلط ہے جب بحکم تصریحات فقہاء کرام معتمدین مذہب مسجد میں اذان ممنوع ہے اور حدود مسجد سے خارج اذان عقلاً بھی ممنوع تو ثابت ہوا کہ قریبا منہ کے یہ معنی ہیں کہ اذان مسجد میں دیجائے مگر خارج مسجد یہاں بین یدیہ اور عند اور قریب سب اسی قرب پر دلالت کر رہے ہیں جو شرعاً و عرفاً حق موذن ہے یعنی لب صحن مسجد جامع الرموز کی اس عبارت کے متعلق اگر تفصیل دیکھنا ہے تو امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسالہ الشمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر ملاحظہ ہو یہ رسالہ مبارکہ عربی زبان میں ہے جسپر سترہ علمائے مکہ معظمہ کی تصدیق ہے کہ اذان خطبہ فنائے مسجد میں ہونا چاہئے۔ مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ قاضی القضاۃ حضرت مولینا عبد اللہ سراج اس رسالہ کی تصدیق میں فرماتے ہیں کہ باطل ہے تمسک مخاصمین کا فعل اہل مسجد حرام سے بوجہ غفلت کے انکے حقیقت حال کے اور نسبت ارتکاب مکابرہ اور جدال کے ..... کیونکہ مؤذن مسجد حرام میں اذان خطبہ دیتا ہے چاہ زمزم پر کنارہ مطاف کے سامنے امام کے اور ایسے ہی مسجد نبوی میں اذان ہوتی ہے دکۂ مخصوصہ پر اور وہ کہ منبر پر جواب دیتا ہے کلمہ کلمہ کا واسطے ادائے سنت اجابت کے اور ان دونوں پر صادق نہیں آتا مسجد یعنی اول جو کہ محل خلاف ہے تو انکے لئے کوئی حجت نہیں ہے۔ اھ

مسلمانو۔ دیکھو کیسا کیسا صاف فرماتے ہیں کہ جو لوگ مکۂ معظمہ یا مدینۂ منورہ کی اذان سے دلیل پکڑتے ہیں وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں کیونکہ ان دونوں جگہ اذان خطبہ کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہوتی ہے۔

انبیٹھی صاحب کا یہ فرمانا کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر ایک زمانہ دراز اور صدہا سال سے قرناً بعد قرن شرقاً غرباً تمام بلاد اسلامیہ میں ہو رہی ہے سرتاپا غلط ہے پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ تمام بلاد اسلامیہ میں چکر لگاتے ہیں یا یہ کہ آپ نے سہارنپور ہی کو تمام بلاد اسلامیہ خیال فرما رکھا ہے غالباً اگر آپ مالکیہ کے مذہب سے باخبر ہوتے تو کبھی یہ نہ فرماتے کہ انکے نزدیک اذان خطبہ کا خطیب کے مواجہ میں ہونا ہی بدعت و خلاف سنت ہے انکی کتب مذہب ان تصریحات سے گونج رہی ہیں کہ اذان خطبہ کا بھی

منارہ ہونا سنت ہے ملک مغرب میں کہ اکثر ساکن اسی جناب رفیع کے مقلد ہیں آج تک اذان خطبہ بیرون مسجد منارہ پر ہوتی ہے۔ علامہ اسکندری مالکی پھر علامہ یوسف سفطی مالکی حاشیہ جواہر زکیہ شرح مقدمہ عشماویہ صفحہ ۱۸۰ میں فرماتے ہیں الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الآن وفعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزلی وقد نھی عنہ مالک اذان زمانہ سلف میں منارہ پر تھی اور اہل مغرب آجتک اسی روش پر ہیں اور اسکا امام کے سامنے کہنا مکروہ ہے جیسا کہ امام برزلی نے تصریح کی اور بے شک امام مالک نے اسکی ممانعت فرمائی۔ انبیٹھی صاحب کہئے اب تو آپکو معلوم ہوا کہ تمام بلاد اسلامیہ میں اذان خطبہ مسجد کے اندر نہیں ہوتی ہے تمام بلاد اسلامیہ میں گھوم آنا تو بڑی بات ہو اگر آپ ہندوستان ہی میں دورہ فرماتے تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ حنفیوں کی سیکڑوں مساجد میں یہ اذان خطبہ دروازہ مسجد پر بیرون مسجد ہوتی ہے آپ کا یہ فرمانا بھی کہ فقہا علما جائز سمجھتے چلے آئے اسی طرح بالکل بے بنیاد ہے فقہائے کرام کے ارشادات سن چکے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے مسجد میں اذان نہ کہو پھر نہ معلوم وہ کون سے فقہا و علما ہیں جو مسجد کے اندر جائز سمجھتے چلے آئے ہیں۔ نیز یہ لکھنا کہ اگر یہ فعل نہ مذموم اور بدعت ہوتا تو متقدمین و متاخرین فقہائے احناف ہرگز اسپر سکوت نہ فرماتے بھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ والا مضمون ہے فقہائے کرام تو علی الاعلان لا یؤذن فی المسجد فرمائیں اور آپ انپر سکوت فرمانیکا الزام لگائیں۔ العجب ثم العجب۔

ہاں انبیٹھی صاحب ذرا فرمائیے تو وہ عدم کراہت کی تصریح کونسی ہے جو آپنے تحریر فرمایا ہے کہ فقہائے احناف نے بیان کراہت سے سکوت ہی نہیں فرمایا بلکہ گویا عدم کراہت کی تصریح کر دی کیا یکرہ ان یؤذن فی المسجد کے یہ معنی ہیں کہ مسجد میں اذان مکروہ نہیں۔ یا وہ معنی ہیں جو ہم بتاتے ہیں کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے اور اگر یہی معنی ہیں جو ہم بتلاتے ہیں اور یقیناً یہی ہیں تو عدم کراہت کی تصریح چہ معنی دارد فقہائے کرام کے ارشادات لا یؤذن فی المسجد و نکلاہۃ الاذان فی داخلہ اور یکرہ ان یؤذن فی المسجد

سننے جانا اور پھر بھی عدم کراہت کی تصریح کی پکار مچاے جانا مصنف کی شان سے بعید ہے ان تصریحات کو دیکھتے ہوے فقہا کی نسبت یہ فرمانا کہ انکی حقانیت وحق گوئی کی شان اسکو مقتضی تھی کہ تصریح فرماتے کہ اذان کا مسجد میں جو معتاد اور رائج ہو رہا ہے وہ مکروہ اور بدعت ہے روز روشن میں آفتاب کے وجود سے انکار ہے۔

مسلمانو۔ مجلس میلاد ہمارے دلوں کی فرحت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور سب اہلسنت کے نزدیک مستحب بلکہ سنت ہے وہابیہ اسے بدعت کہتے ہیں اور کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار کے تحت میں داخل کرتے ہیں۔ ذرا انہی صاحب سے انھیں کے الفاظ ہیں کہ تو دیکھو کہ جب قرائن میں غور کیا جاے اور خیال کیا جاے کہ یہ فعل زمانہ دراز اور صدہا سال سے قرنا بعد قرن شرقاً غرباً عجماً عرباً تمام بلاد اسلامیہ میں ہو رہا ہے اور آجتک کسی نے اس پر انکار نہیں کیا بلکہ تمام فقہا و علماء اسکو جائز و مستحسن سمجھتے چلے آے پس اگر یہ فعل بدعت سیئہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ فقہا اپنی تصنیفات میں ایسے مواقع کے بیان میں ایسے الفاظ نہ کہتے جن سے اس بدعت پر قدح اور اعتراض ہوتا اور اعتراض کی جگہ ایسے الفاظ بیان کرتے جس سے بدعت سیئہ کی تائید و تقویت ہوتی ان حضرات کا منصب تھا اور انکی حقانیت وحق گوئی کی شان اسکو مقتضی تھی کہ تصریح فرماتے کہ مجلس میلاد جو معتاد اور رائج ہو رہی ہے بدعت سیئہ ہے پھر تعجب ہے کہ کوئی فقیہ مجلس میلاد کی نسبت بشرطیکہ حسب زعم وہابیہ مانا جائے بیان نہیں کرتا کہ یہ فعل معتاد بدعت سیئہ ہے دیکھو ایک صلوۃ الرغائب ہوئی تھی سو اسکی نسبت فقہا نے کسقدر تنبیہ فرمائی اور اسکے کرنیوالوں کی تقبیح و تذلیل کی پس ہمارا پختہ خیال ہے کہ اگر یہ فعل بھی مذموم و بدعت ہوتا تو متقدمین و متاخرین فقہاے کرام ہرگز اسپر سکوت نہ فرماتے اور اسکا بدعت ہونا علی الاعلان ظاہر فرماتے چہ جائیکہ اس مبحث میں علمانے اس فعل کے مستحب ہونیکی تصریح فرمادی اس سے صاف واضح ہوا کہ مجلس میلاد ہرگز بدعت نہیں۔

المفتی صاحب آخر مابہ الفرق کیا ہے کہ مجلس شریف تو باوجود روشن ثبوت کے بدعت سیئہ بلکہ معاذ اللہ جنم کنھیا سے بدتر ہوا در اذان خطبہ داخل مسجد بلا ثبوت سنت ہوا

کیسی ہٹ دھرمی اور بد مذہبی ہے اسی دلیل پنجم میں صفحہ ۱۱ پر نوانیمی صاحب نے وہ بات کہی جسکو سنکر ہر شخص یہی کہیگا کہ یہ شان علم سے کوسوں بعید ہے چنانچہ فرماتے ہیں اذان اول جو حضرت عثمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حادث ہوئی تھی وہ زورا، یا منارہ پر ہوتی رہی ہے اور جو اذان ثانی عند الخطبہ ہوتی تھی وہ خطیب کے سامنے ہوتی تھی اب محل غور وتامل یہ امر ہے کہ ان دونوں اذانوں کا اختلاف محل کیوں ہوا؟ جب ہر ایک اذان کے لئے خارج از مسجد ہونا ضروری ہے تو جس طرح اذان اول زورا، یا منارہ پر خارج از مسجد دیگئی اسیطرح دوسری اذان بھی اسیجگہ منارہ پر خارج از مسجد دیجاتی سبحان اللہ کیا معقول بحث ہے خبابا اذان اول جو زورا پر اضافہ کیگئی تھی وہ تو اسلیے تھی کہ زورا کے قریب قریب کے لوگ اس اذان سے اطلاع پائیں پس وہ مقام زورا، پر کہی گئی اذان خطبہ کے لئے خطیب کے محاذات وحضور میں موذن کا ہونا ہمارے نزدیک سنت ہے پھر بھلا یہ اذان زورا، یا منارہ پر کیونکر ہو سکتی تھی اور اگر ایسا کیا جاتا تو محاذات خطیب کیسے رہتا ہمارے نزدیک اذان خطبہ تو فناے مسجد میں صرف اس جگہ پر ہو سکتی ہے جہاں سے مؤذن اور خطیب کی محاذات رہے ہاں جو اسکے قائل ہیں کہ امام کے محاذ میں اذان کا ہونا خلاف سنت ہے یعنی مالکیہ تو وہ اس اذان کو بھی منارہ ہی پر مسجد کے باہر دلواتے ہیں ہمارے اور مالکیہ دونوں کے نزدیک ہر اذان عام اس سے کہ اذان خطبہ ہو یا پنجوقتہ ہو اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے خارج مسجد کے یہ معنی سمجھنا کہ حدود مسجد سے باہر شہر کے اندر کہیں پر ہو فقہ حنفی سے بے خبر ہونیکی دلیل ہے۔

دلیل ششم میں جو عبارتیں ہیں انکا صرف یہ مطلب ہے کہ جب خطیب منبر پر بیٹھ جائے تو اذان خطبہ کے محاذات میں دیجائے اور خطبہ ختم ہوتے ہی تکبیر کہی جائے اور یہی متوارث ہے اسکا کسکو انکار ہے ہم کب کہتے ہیں کہ اذان خطبہ خطیب کے دہنے بائیں یا پیچھے ہو۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ خطیب کے مقابل ہو کلام تو اسمیں ہے کہ یہ اذان خطبہ جو ہمارے اور آپکے اتفاق سے امام کے سامنے یعنی مواجہہ میں ہوتی ہے آیا مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر یعنی موضع صلاۃ سے باہر سو آپکی منقولہ عبارات کو اس سے

قطعی تعلق نہیں کہ باہر ہو یا اندر۔ اس اندر باہر کی بحث کا فیصلہ تو فقہائے کرام کے
ان ارشادات سے ہوتا ہے جو علی الاعلان فرما رہے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان......
مکروہ ہے انبیٹھی صاحب بتائیں تو کہ ہدایہ یا بحر الرائق کی عبارتوں میں کون سے الفاظ
ہیں جنکا ترجمہ یا مطلب یہ ہے کہ اذان خطبہ کا مسجد میں ہونا امر متوارث ہے بین یدیہ کے معنی
مسجد میں امام کے سامنے کس لغت میں لکھے ہیں بھلا سامنے تو بین یدیہ کا ترجمہ ہوا
یہ مسجد میں کلہ کا ترجمہ ہے بیشک اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے ہونا امر متوارث
ہے مگر امر متوارث کیا ہے اذان کا بین یدیہ الخطیب ہونا اسی کی طرف بذلک سے
اشارہ نہ کہ داخل مسجد ہونا۔ وقایہ میں اسکا رد جلیل ونفیس موجود ہے مگر اس کے
ایک حرف کو بھی ہاتھ نہ لگانا اور ادعائے توارث اذان داخل مسجد کر لینا اور خواہ
نخواہ بھی امام عینی اور امام برہان الدین صاحب ہدایہ پہ افترا کر دیا کیا کسی عاقل
کا کام ہے وقایہ میں ہے کہ دوسری اذان منبر کے سامنے پہلی اذان منارہ کے بعد ہونا
یہ امیر المومنین عثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وقت سے آجتک چلا آتا ہے وہ تو صراحۃً
اذان خطبہ بعد اذان منارہ ہونیکو زمانہ ذی النورین سے بتا رہے ہیں اس لیے کہ زمانہ
رسالت و زمانہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما میں اذان خطبہ سے پہلے کوئی اذان تھی ہی
اس سے پہلے اذان امیر المومنین عثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے زائد فرمائی جیسا کہ
صحیح بخاری وغیرہ میں تصریح ہے تو اذان خطبہ کا اذان منارہ کے بعد ہونا امیر المومنین
عثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وقت سے ہے امام عینی تو یہ فرماتے ہیں اور انبیٹھی صاحب
نے یہ ٹھہرا دیا کہ وہ منبر کے سامنے ہی اذان ہونیکو زمانہ عثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے
بتاتے ہیں۔ اور ظلم دیکھئے عینی میں اسکے متصل اس سے ملی ہوئی بالکل بلافصل یہ عبارت
ہے م ولم یکن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ھذہ الاذان
مث ای الاذان الذی یؤذن بین یدی المنبر یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
کے عہد مبارک میں فقط یہی اذان منبر کے سامنے والی تھی دیکھو وہ تو صاف فرما رہے
ہیں کہ اذان خطبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے محاذی منبر ہے

اور انبیٹھی صاحب یہ کہتے ہیں کہ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ منبر کے آگے اذان ہونا حضرت عثمٰن کے وقت سے ہے تو کیا یہ کھلا ہوا امام عینی پر افترا نہ ہوا۔ اور سینے امام عینی اسکے چاری سطر بعد فرماتے ہیں الاذان الاصل الذی کان علی عہد النبي صلی اللہ تعالی علیه وسلم بین یدی المنبر اصل اذان وہ ہے کہ زمانہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں منبر کے آگے تھی اور انبیٹھی صاحب کہتے ہیں کہ علامہ عینی فرماتے ہیں الخ دیکھو یہ کیسا آنکھوں میں خاک جھونکنا ہے اور دن دہاڑے آفتاب کی روشنی سے انکار ہے۔

آگے چلکر انبیٹھی صاحب کہتے ہیں کہ یہ اذان ثانی عند الخطبہ اسکا مسجد میں ہونا امام کے سامنے عرباً عجماً زمانہ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم سے اگر پیچھے بھی ہوا ہو خواہ حضرت عثمٰن رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانہ میں ہوا ہو یا انکے بعد ہوا ہو یہ امر متوارث ہے جو بلا نکیر ہوتا چلا آیا ہے فقہائے متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں اسپر انکار نہیں فرمایا۔

یہ ایک ہی کہی یوں ہر کندہ جائز و مباح ہوگا سوائے اُن معدود چند کے جنکے نام لیکر تحریم فرمائی گئی۔ کیا کوئی تعزیہ دار تعزیہ داری کو سنت لکھکر یہی تقریر پیش کردیگا کہ یہ تعزیہ داری عرباً عجماً زمانہ اقدس اور خلفائے راشدین اور اہلبیت اطہار سے اگر پیچھے بھی ہوا متوارث ہے جو بلا نکیر چلا آیا ہے کسی نے اسپر انکار نہ فرمایا اور جو ایسا فعل ہوگا بشرطیکہ کسی نص صریح کے مخالف نہ ہو متوارث ہوگا اور مکروہ وبدعت وضلالت نہ ہوگا اور اگر اس سے یہ کہا جائے کہ کل لهو ولعب حرام اسپر وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کلیہ سے ہماری تعزیہ داری مستثنیٰ ہے جیسی لا یؤذن سے انبیٹھی صاحب کے نزدیک اذان خطبہ کیونکہ کہیں تعزیہ داری کا نام لیکر تحریم وارد نہیں ہے اگر کل لهو ولعب حرام کے زیر حکم تعزیہ داری کو انبیٹھی صاحب داخل کرینگے تو لا یؤذن کے زیر حکم ہر اذان پنجوقتہ ہو یا اذان خطبہ ماننا پڑیگا وقایہ میں ہے علامہ شیخ رحمہ نے ایک جائز بات پر توارث سے استدلال کیا اور انبیٹھی صاحب ایک ناجائز کو توارث سے سنت کیا چاہتے ہیں یوں تو مسجد میں دنیا کی باتوں کا رواج اس سے بہت زائد ہے جب مسئلہ شرعیہ مقرر ہوچکا

کہ اذان مسجد میں منع ہے اور سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وقت تک کے علماء
یوہیں لکھتے آئے تو سنت کے خلاف رواج پکڑنا کیسا اگر رواج ہی پر جائز و ناجائز کا
مدار ہے تو انبیٹھی صاحب کے نزدیک تعزیہ داری بھی جائز ہوگی کہ ہندوستان جیسے
وسیع ملک میں کتنی مدت سے ہے اور دنیا بھر میں ہونا کچھ ضرور نہیں کہ سارے جہاں
میں اذان جوف کہاں ہے وہابیہ کی منطق بھی عجیب ہے کہ میلاد اور قیام جو تمام
دنیا میں رائج ہے مگر انکے نزدیک ناجائز اگرچہ تمام علمائے کرام اسکو محمود و مستحسن لکھتے
چلے آئے اور اذان خطبہ مسجد میں تمام فقہاکے نزدیک ناجائز مگر وہابیہ کے نزدیک تو
توارث کی بنا پر سنت۔

اسی دلیل کے تحت ردالمحتار کی منقولہ عبارت خود انبیٹھی صاحب کا رد کر رہی ہے
اور بتا رہی ہے کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کے لئے ہے اس میں ہے کہ ہم خطیب
کے سامنے کی اذان میں بھی یہی کہینگے کہ یہ امر متوارث ہے تو اس اذان کا بھی متعدد
مؤذنین کا دینا مکروہ نہ ہوگا تو یہ بدعت حسنہ ہوئی ہر ذی عقل سے پوچھ دیکھئے کہ
جب اذان خطبہ اعلام حاضرین کے لئے ہے تو متعدد مؤذنین کی کیا حاجت متعدد
مؤذنین کی حاجت تو اعلام غائبین ہی کیواسطے ہوسکتی ہے پس اس عبارت سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کیواسطے ہے اور بلند آواز سے پکارنیکی
ضرورت ہے۔ نیز یہاں پر ایک اور مسئلہ حل ہوتا ہے کہ بدعت دو قسم کی ہے۔ ایک
بدعت سیئہ اور دوسری بدعت حسنہ بدعت سیئہ زیر حکم کل بدعۃ ضلالۃ و کل
ضلالۃ فی النار داخل ہے اور بدعت حسنہ کے اجر پر یہ حدیث شریف دلیل ساطع و
برہان قاطع ہے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا و اجر من عمل بھا
من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیٔ یہ اس حدیث طویل کا ایک ٹکڑا ہے
جسکو امام مسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت کیا۔ وہابیہ کے نزدیک ہر قسم
کی بدعت زیر حکم کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار داخل ہے پس اس بنا
پر بھی ردالمحتار کی یہ عبارت وہابیہ کا رد ہے اور مسلم شریف کی حدیث مذکور ہر بدعت

کو ضلالت کیساتھ مختص کرنیکا رداشد۔ وہابیوں کا عجب فرقہ ہے یہ لوگ جو چال چلتے ہیں اپنی سب کچھ فکریں کرتے ہیں مگر سب بے سود۔

صفحہ ۲۰ پر علی باب المسجد کے معنی پر بھی انبیٹھی صاحب نے طبع آزمائی کی ہے مگر کچھ ایسے ہوش و حواس پریشان ہوئے ہیں کہ خبر ہی نہ رہی کہ آسمان کی فرمارہے ہیں یا زمین کی چنانچہ علی باب المسجد کے معنی میں دو احتمال بیان کرکے دوسرے احتمال یعنی دروازہ کے اوپر اذان دیجاتی تھی کو علی باب المسجد کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا کہ فقہائے احناف نے علی باب المسجد کے معنی فوق باب المسجد اختیار کیا ہے کہ دروازہ کے اوپر چڑھنے سے اونچی جگہ حاصل ہوجائے گی اسکا صریح مطلب یہ ہوا کہ انبیٹھی صاحب کے نزدیک علی باب المسجد کے یہ معنی ہیں کہ دروازے کے اوپر چڑھکر۔ جناب ۲۰ علی الباب کا ترجمہ تو اتنا ہے کہ دروازے پر یہ دروازے کے اوپر چڑھ کے کا ہے کا ترجمہ ہے کیا حدیث کے لفظ ہیں کہ صاعد فوق الباب کیا جناب کو معلوم نہیں کہ علی حرف ہے اور اوپر اسم کہ ترجمہ فوق کا ہے نہ علی کا کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپکو اوپر کیلئے کے لانا پڑا کہ علامت اضافت ہے مضاف اسم ہوتا ہے یا حرف بھلا پر کا تو کے اوپر بنا یہ چڑھ کے کاہے کا ترجمہ ہے کیا علی یوذن سے متعلق نہ تھا۔ صاعداً محذوف ماننا پڑا۔ ہاں یہ تو فرمائے کہ سنن ابو داود شریف کی حدیث میں جو علی باب المسجد آیا ہے اسکے معنی فوق باب المسجد فقہ کی کس کتاب میں اختیار کیے گئے ہیں۔ جناباً فقہائے کرام کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے کوئی معمولی سا لکھا پڑھا شخص بھی علی باب المسجد کے معنی دروازے کے اوپر چڑھ کے نہیں اختیار کرسکتا کیونکہ جب دروازہ کے اوپر چڑھ کر اذان پکارنا مانا گیا تو بین یدیہ یعنی منبر اطہر کی محاذات کب رہی کہ دروازہ مسجد اقدس کی بلندی مساحت کے گز سے سات گز تھی۔

علی باب المسجد کے جو معنی آپ اختیار کر رہے ہیں اسکی تردید تو بین یدیہ سے ہی ہوجاتی ہے کسی اور دلیل کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی ہم نے علی کی پوری بحث اوپر لکھدی جو ایک منصف کے لئے کافی و وافی ہے اور نا منصف کیواسطے دفتر کے دفتر بیکار ہیں غرضکہ یوذن علی باب المسجد کے یہی معنی ہیں کہ مسجد کے دروازے پر یعنی دروازہ کی فضا میں دروازہ کی

زمین پہ اذان ہوتی تھی اور چونکہ دروازہ مسجد ہمیشہ مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہے پس ہمارا یہ دعوی کہ یہ اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی بالکل صحیح و درست ہے کیونکہ آنا ہی اذان خارج مسجد کو درکار ہے اور یہ حدیث شریف سے ثابت ہے بفرض باطل اگر دروازے پر چڑھکر ہی اذان خطبہ کا ہونا مان لیا جاے تو یہ فرمایئے کہ آپکو کیونکر مفید ہے آپکا تو یہ دعوی ہے کہ اذان عین مسجد میں ہو خطیب سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو جیسا کہ رواج پڑگیا ہے مگر ہر وہ اذان جو دروازہ مسجد پر چڑھکر دیجائیگی مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد رہیگی۔ جامع المضمرات پھر بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے والذی یبیع ویشتری فی المسجد او علی باب المسجد اعظم اثما واقبح وزرا یعنی وہ کہ اذان جس کے بعد خرید و فروخت مسجد میں کرے یا مسجد کے دروازہ پر کرے اس کا گناہ اور سخت ہے دیکھئے علی باب المسجد کو فی المسجد...... سے علیحدہ کیا اگر باب المسجد بھی عین مسجد ہوتا تو باب المسجد اور فی المسجد کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنیکی کیا حاجت تھی انبٹھی صاحب غور تو کیجیے اگر علی باب المسجد کے معنی دروازے کے اوپر چڑھکر ہیں تو کیا اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ مسجد کے دروازے کے اوپر چڑھکر خرید و فروخت بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف کے مفہوم کے خلاف علی باب المسجد کے معنی بیان کرنیکے واسطے بحر کی عبارت سے استناد بالکل فضول ہے بحر کی عبارت کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ اذان اونچی جگہ پر کہنا مسنون ہے اور تکبیر زمین پر اس سے یہ سمجھنا کہ اذان خطبہ دروازہ پر چڑھکر سات گز کی بلندی پر دیجاتی تھی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھنا ہے بین یدیہ ہونا سنت اصلیہ ہے اور مکان رفیع پر ہونا غیر اصلیہ جب فرض و واجب معارض ہوں تو کیا واجب کو اختیار کیا جائیگا اور فرض کو پس پشت ڈالا جائیگا۔

یہ بھی خوب کہی کہ لفظ علی لغتہ استعلا کے لیے موضوع ہے خواہ استعلا حسی ہو یا حکمی چنانچہ زید علی السطح اور علیہ دین اسکی مثالیں چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی لکھی ہیں اور بموجب اس احتمال کے جسکو مجیب نے لفظ علی باب المسجد میں اختیار کیا ہے لفظ علی نہ استعلا حقیقی میں مستعمل ہو سکتا ہے نہ استعلا حکمی میں۔ انبٹھی صاحب

زید علی الباب میں استعلاء حکمی نہیں تو کیا ہے جیسے علیہ دین میں ہے زید دروازہ پر کھڑا ہے اسکے کیا معنی ہوتے ہیں جہاں حقیقت متعذر ہو وہاں مجاز اختیار کیا ہی جاتا ہے اگر آپ کے طور پر اسے معنی حقیقی پر محمول کریں بین یدی الخطیب ہونا باقی نہیں رہ سکتا کیا قرینہ صارفہ وہی محاذات خطیب نہیں۔

ہاں یہ تو فرمائیے کہ باب المسجد کے معنی خارج باب مسجد بھلا کسکی مراد ہے جو آپ نے یہ لکھ دیا کہ علی باب المسجد کے معنی خارج باب مسجد کے لینا فقہا کی منشاء مراد کے بالکل خلاف ہے فتوائے مبارکہ کے کسی لفظ کا یہ منشاء ہے یہ بعینہٖ افترا ہوا یا نہیں۔

صفحہ ۴۷ تا ۶۰ پر دہی کانپوری تحریر کے مردود اعتراضات کا اعادہ کیا کہ روایت جسمیں علی باب المسجد کی زیادتی مروی ہے محمد بن اسحاق نے شہاب زہری سے روایت کی سوا اول تو محمد بن اسحق متکلم فیہ ہے الخ کیا وقایہ اہل السنہ میں نہ دیکھا کہ پورے ۵۰ صفحوں میں اسکے وہ قاہر ردہیں کہ پتھر پر پڑتے تو سرمہ کر دیتے کیا میں المنتہی صاحب ان ۵۰ صفحوں کو یہاں لکھدوں یہ تو غیر متناہی سلسلہ ہے ہم لاکھ بار چھاپیں اور آپ قاہر ردوں کو ہاتھ نہ لگائیں اور وہی مردودات سامنے لائیں لہٰذا وقایہ اہل السنہ صفحہ سات لغایہ ۴۳ دیکھ لیجئے۔ مختصراً بتادوں کہ ان ۵۰ صفحات میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مدلس کا عنعنہ جمہور ائمہ کے نزدیک مقبول ہے ہمارے ائمہ اسے سند متصل مانتے ہیں نیز امام بخاری وغیرہ وغیرہ پندرہ اماموں کی شہادت سے ثبوت ہے کہ اذان جمعہ دروازہ مسجد پر ہونیکی حدیث حسن ہی حجت ہے غرضکہ یہ صفحات مدینہ طیبہ کے جلیل امام محمد بن اسحق کی توثیق کے ثبوت سے لبریز ہیں نیز اصل حدیث مسند میں انھیں ابن اسحاق سے بسند صحیح بتصریح سماع موجود ہے تو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ابن اسحق مدلس ہیں پھر بھی اس الزام تدلیس سے کیا فائدہ جبکہ انھوں نے تصریح بالسماع کر دی اور یہ المنتہی صاحب کو بھی مسلم ہے کہ اگر مدلس تصریح بالسماع کر دے تو وہ روایت اسکی مقبول ٹھہرگی۔ علامہ حلبی کی جو عبارت المنتہی صاحب نے نقل کی ہے وہ آپکے بجائے مضر ہونیکے مفید ہے چاہا تو یہ تھا کہ محمد بن اسحاق کو مدلس بتا کر حدیث علی باب المسجد سے کسی طرح پیچھا چھڑائیں مگر عبارت وہ نقل کی جس سے تو اور اس علیت

کو پایۂ ثبوت پہنچا دیا۔ دیکھو علامہ حلبی شرح منیہ میں لکھتے ہیں و قال ابن خزیمۃ سمعت محمد بن یحیی الذھلی الخ یعنی ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یحیی ذہلی کو کہتے سنا کہ عبد اللہ بن زید کی روایتوں میں اذان کے قصے کے متعلق اس سے زیادہ صحیح کوئی روایت نہیں اور ابن اسحق کی روایت ثابت ہے صحیح ہے اسلئے کہ محمد بن عبد اللہ نے اسے اپنے والد سے اور محمد ابن اسحق نے اسکو محمد بن ابراہیم تیمی سے سنا ہے اور یہ ان روایتوں میں سے نہیں جن میں ابن اسحق نے تدلیس کی۔ للہ انصاف کیسی صاف روشن تصریح ہے کیسا اس عبارت نے اس حدیث کو پایۂ ثبوت پر پہنچا یا یہ خدا کی شان ہے کہ وہ اپنے دشمنوں مخالفوں سے بھی اپنے دین کی مدد لیتا ہے۔ انبہٹی صاحب کا منشا یہ تھا کہ محمد بن اسحاق کو مدلس بنانے میں جتنی ہماری علمی طاقت ہے صرف کر دیں جب تک مدلس نہ ٹھہرائینگے حدیث علی باب المسجد سے ہرگز پیچھا نہ چھوٹیگا لیکن عبارت وہ نقل کی جو منشا تقلبی کے بالکل مخالف ہے۔ صفحہ ۱۰۸ پر یہ کہا کہ یہی سائب بن یزید ہیں جنکی روایت کو فقہا و اناف اپنی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں چنانچہ امام شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں اور صاحب فتح القدیر اور عینی نے شرح ہدایہ میں سائب بن یزید کی روایت کو نقل فرمایا ہے لیکن کسی نے انمیں سے اس روایت کو اختیار نہیں فرمایا جسمیں لفظ علی باب المسجد کی زیادتی مروی ہے

مسلمانو! زہری سے اس حدیث کے اور راویوں نے نہ علی باب المسجد کا لفظ روایت کیا ہے نہ بین یدیہ کا لفظ۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے اسوقت اذان دیجاتی رہ گئی یہ نہ بتائی کہ دروازہ پر یا سمت بتائی کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مقابل۔ تو ہر صاحب ایمان یہ کہتا کہ بین یدیہ اور علی الباب یہ دو لفظوں کی زیادتی سوائے ابن اسحق کے کسی نے روایت نہیں کی مگر لطف یہ ہے کہ زہری حضرات بین یدیہ کو تو اڑا گئے اور علی باب المسجد کا لفظ پکڑ لیا یہی کافی دلیل ہے جسکے رد میں وقایہ اہل السنہ کے صفحہ ۱۴ تا ۳۴ قابل ملاحظہ ہیں انہیں روشن دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ابن اسحق کی روایت میں بین یدیہ اور علی باب المسجد کی زیادتی کو صحیح ماننا ہی لازمی ہے ورنہ مذہب حنفی کو خیر باد کہنا پڑیگا تو ان دونوں لفظوں کو غیر قابل اعتماد ماننے والا مذہب

کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خطیب کے سامنے اذان خطبہ کا ہونا بدعت و خلاف سنت ہے بلکہ اور اذانوں کیطرح منارہ پر ہو۔ حنفی ہوکر ابن اسحق کے دامن ہی کے نیچے پناہ لینا پڑیگی بغیر اسکے بین یدیہ بھی رفوچکر ہوا جاتا ہے یہ کہنا کہ وہ زیادہ حسب قاعدہ مسلمہ احناف شاذ ہوگی اور ہرگز قابل اعتبار نہ ہوگی بالکل غلط و بے بنیاد ہے کیونکہ علما ہزار ہزار تصریحیں فرماتے ہیں کہ ایک بات زائد بیان کرنا مخالفت نہیں۔ مخالفت یہ ہے کہ اور راویوں نے جو کہا تھا یہ اسکے خلاف بیان کرے نہ یہ کہ اور جس امر سے ساکت ہیں یہ اسکا افادہ کرے۔ جواہر النقی جلد اصفحہ ۱۱۱ تولک لبعض المرواۃ لا یعارض زیادۃ غیرہ ایضاً صفحہ ۱۰۷ ذکرمقدم علی تم کت من ترک صحیحین وغیرہما جملہ کتب حدیث میں صدہا ہزارہا حدیثیں وہ ملینگی جنہیں بعض رواۃ نے کوئی بات زائد کی ہے کہ اوروں نے بیان نہ کی تھا وہ سب شاذ و منکر ہوکر صحت سے ساقط ہوجائینگی یہ صحیحین پر دیوبندیوں کی کھلی چوٹ ہے یہ بکثرت ملیگا کہ ائمہ محدثین متعدد راویوں سے ایک حدیث یوں روایت کرتے ہیں حدثنا فلان و فلان یزید بعضہم علٰی بعض یہ حدیث ہم سے اتنے شیوخ نے بیان کی اور انمیں ایک نے دوسرے سے زیادہ بات کہی جو اس نے نہ کہی تھی اس نے وہ بڑھائی جو اس نے نہ بتائی تھی امام محدث سب کی زیادتیں جمع کرکے ایک سیاق میں روایت کرتا ہے تو انبٹھی صاحب کے نزدیک متخالفوں کو جمع کر لیتا ہے۔

کسی ذی عقل سے پوچھئے کہ چھ آدمی کہیں کہ فلاں شخص گھوڑے پر سوار تھا اور ایک کہے کہ وہ سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا تو کیا کوئی عاقل اسکے بیان کو ان بیانوں کا مخالف سمجھ سکتا ہے انبٹھی صاحب آپکو خلاف اور زیادت میں فرق نہیں آتا۔ خلاف یہ کہ وہ بات کہے جو اوروں کی بات کی معارض ہو اور زیادۃ یہ ہے کہ وہ امر زائد کہے کہ جس سے اور ساکت ہیں۔ خلاف مردود ہے اور زیادت مقبول۔ شاذ وہ ہے جو روایت ثقات کے خلاف روایت ہو اگر غیر ثقہ سے مروی ہے تو مردود ہے اور اگر ثقہ سے ہے تو اسکا مدار ترجیح پر ہے ملاحظہ ہو مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی کا مقدمہ مشکوۃ نہ یہ کہ ہر زیادت عام ازیں کہ وہ مخالف روایت ثقات ہو یا نہ ہو شاذ ہو

کیا ابن اسحق نے جو زیادت کی ہے وہ مخالف روایت ثقات ہے کیا اور روایت میں عن جوف المسجد ہے اور اسمیں علی باب المسجد ہے بھلا کہاں شذوذ اور کہاں زیادت کہاں اسود ابن یزید کی روایت کہاں ابن اسحاق کی یہ زیادت زمین آسمان کا فرق وہ مخالف روایت ثقات بھی نامقبول ٹھہری یہ کونسی روایت کے مخالف ہے جو مردود ہو۔

مسلمانو! وہابیہ نجدیہ کے سامنے دلائل پیش کرنا بالکل بیکار ہے مگر تمہیں بتادوں کہ امام ابن خزیمہ صاحب صحیح جنکا لقب امام الائمہ ہے اپنی صحیح میں اس روایت علی باب المسجد کے دوسرے راوی ہیں۔ امام جلیل ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی معجم کبیر میں اسکے تیسرے راوی ہیں علاوہ اسکے علمائے کرام کے ارشادات سناؤں تاکہ طالبان صادق انشاء اللہ العزیز اون سے فائدہ پائیں تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے کان اذا جلس علیہ الصلوۃ والسلام علی المنبر اذن بلال علی باب المسجد وکذا علی عہد ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے بلال رضی اللہ تعالی عنہ دروازہ مسجد پر اذان کہتے اور اسیطرح ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما کے زمانہ میں کشاف میں ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد ثم کان ابو بکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما علی ذلک رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے جب حضور منبر پر جلوہ فرما ہوتے وہ موذن دروازہ مسجد پر اذان دیتے یہی روش صدیق وفاروق رضی اللہ تعالی عنہما کے زمانہ میں تھی بعینہ اسیطرح علامہ نیشاپوری میں ہے تفسیر خطیب شربینی پھر فتوحات الٰہیہ میں ہے کان لہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد ثم کان ابو بکر وعمر وعلی بالکوفۃ رضی اللہ تعالی عنہم علی ذلک رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مؤذن ایک تھے جب حضور منبر پر جلوہ افروز ہوتے وہ موذن دروازہ مسجد پر اذان کہتے پھر صدیق وفاروق اور کوفی میں مولیٰ علی کے یہاں یہی طریقہ رہا رضی اللہ تعالی عنہم۔ کشف الغمہ میں امام شعرانی قدس سرہ الربانی زمانہ اقدس وزمانہ شیخین رضی اللہ

تعالیٰ عنہما کی نسبت فرماتے ہیں۔ وکان الاذان علی باب المسجد ان پاک زمانوں میں اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

صفحہ۱۰ پر المنتہی صاحب بنی خوش فہمی سے فرماتے ہیں کہ مجیب کا اس روایت سے کراہت پر استدلال کرنا اس امر پر موقوف ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ عموماً جو فعل جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہے۔ کیا خوب اس سے کراہت پر استدلال ہی کب ہے۔ اس سے تو صرف اثبات سنت مقصود ہے کراہت پر استدلال تو لا یوذن فی المسجد اور یکرہ الاذان فی المسجد وغیرہ سے ہے اور جب فقہا کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو کراہت تحریمی مراد ہوتی ہے۔ نیز منتہی صاحب کو معلوم نہیں کہ ہر سنت اصلیہ کا خلاف مکروہ تحریمی ہے اور اذان کا خارج مسجد ہونا سنت اصلیہ ہے لہذا اسکا خلاف بھی مکروہ تحریمی ہے یہ کہنا سنت کی مخالفت کراہت تنزیہ کی دلیل ہوتی ہے محض غلط ہے۔ ہر سنت کی مخالفت عام ازیں کہ وہ سنت اصلیہ ہو یا غیر اصلیہ مکروہ تنزیہی نہیں اگر ہر سنت کی مخالفت کو مکروہ تنزیہی مانا جائیگا تو پھر حدیث من ترک سنتی لم ینل شفاعتی وامثالہا وعیدات کا ہے پر محمول ہونگی۔ رہی یہ بات کہ یہ سنت اصلیہ ہے اسکی دلیل وہی ممانعت فقہا کرام ہے کہ گر اذان خارج مسجد ہونا سنت اصلیہ نہ ہوتا تو یوں بہتمام ممانعت نہ فرماتے ہاں اگر فقہا یوں فرماتے کہ والاذان فی جوف المسجد مخالف السنۃ تو صرف اثبات کراہت تحریمہ نہ نکلتی مگر جبکہ انھوں نے بار بار بتکرار ممانعت فرمائی تو ظاہر ہو گیا کہ خارج مسجد اذان ہونا سنت نبویہ اصلیہ ہے خود منتہی صاحب نے ہدایہ کی عبارت نقل کرکے صفحہ۱۰ پر لکھا ہے۔ چونکہ سنت اصلیہ نہیں ہے لہذا اسکا ترک بھی مکروہ تحریمی نہیں ہوسکتا اور آگے چلکر حافظہ نباشد کی ٹھہری تو لکھ مارا کہ سنت کی مخالفت کراہت تنزیہ کی دلیل ہوتی ہے اب سنت اصلیہ وغیر اصلیہ کا فرق ندارد ہو گیا صاحب ہدایہ کی عبارت ہمارے کیا مضر ہے ہم کب کہتے ہیں کہ سنت غیر اصلیہ کی مخالفت مکروہ تحریمی ہے یونہیں لکڑی کا منبر بنانا بھی سنت اصلیہ ہونا

تو اسکی مخالفت بھی مکروہ تحریمی ہوتی اور اینٹ پتھر کے منبر بنانے کی ایسی ہی مخالفت کہی جاتی جیسی کہ مسجد میں اذان دینے کی مخالفت کیجاتی ہے۔

صفحہ ۸ پر انبیٹھی صاحب نے یہ دعوی کیا ہے کہ خود فخر عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اذان مسجد میں ہوئی ہے اور اس دعوی کے ثبوت میں چھ حدیثیں نقل کیں ہیں ان احادیث میں سے پانچ حدیثوں میں علی المسجد علی ظہر المسجد علی سقف المسجد علی المسجد مسجد فنادینا فیہ بالاذان الفاظ ہیں ان سے یہ سمجھ لینا کہ زمانہ اقدس میں اذان فی جوف المسجد ہوئی دی ہوسش پر ان وا ناں مضمون ہے خیاب من ہم کب کہتے ہیں کہ اذان مسجد میں اسجگہ بھی نہ ہو جو مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہے اور اطلاق دوم کی بنا پر مسجد ہے کلام تو اسمیں ہے کہ عین مسجد میں اذان مکروہ ہے اور یہی فقہائے کرام کی تصریحات لا یوذن فی المسجد اور یکرہ ان یوذن فی المسجد کا مطلب ہے پس جبتک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ زمانہ اقدس میں اذان موضع صلاۃ میں ہوئی ہے ہمیں مسز نہیں۔

فنادینا فیہ بالاذان سے یہ سمجھنا کہ موضع صلاۃ میں اذان ہوئی محض غلط ہے جہاں ہم نے مسجد کے دو اطلاق بیان کئے ہیں وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ منارہ یا فصیل پر جو اذان ہولے یہی کہیں گے چلو مسجد میں اذان ہولی یہ کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی حالانکہ مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر فصیل یا منارہ پر جو اذان ہوگی وہ مسجد کے باہر یعنی خارج مسجد کہی جائیگی۔ چھٹی حدیث میں تو محل اذان کا قطعی ذکر ہی نہیں اور امام ابن الہمام اور امام اتقانی نے فی المسجد کے معنی ای فی حدودہ لکن ھذا الاذان فی داخلہ بتا کر نزاع کا خاتمہ ہی کر دیا۔ یہ ہیں وہ احادیث جنکی بنا پر تنشیط الاذان کے صفحہ ۸ پر انبیٹھی صاحب نے وہ دون کہی تھی کہ جواب نمبر ۳ میں متعدد احادیث سے ثابت کریں گے کہ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں مسجد میں اذان ہوئی ہے سہ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دلکا۔ جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نکلا اور اگر بفرض باطل یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور پر نور کے زمانہ میں اذان

جوف المسجد ہوتی ہے تو لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ حضور نے ایک فعل مکروہ کو صحیح بنایا ہے اور مداومت فرمائی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ احادیث اذان جمعہ کے متعلق نہیں اذان اقامت خمسہ ان سے مستثنیٰ ہے جنکے متعلق فقہا کی نہی ہے تو انبہٹی صاحب کو یہ تصریح دکھانا لازمی ہے کہ یہ احادیث اذان جمعہ کے متعلق ہیں۔

صفحہ ۲۰ پر انبہٹی صاحب نے لکھا فقہ احناف کی بعض کتابوں میں اذان کو مسجد کے اندر ممنوع اور بعض میں مکروہ لکھا ہے اچھا کیا ممنوع کہدینے سے کراہت کا حال نہیں کھل گیا۔ اگر اس کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہوتی تو فقہا لا یوذن فی المسجد کیوں فرماتے یہ کیسا ظلم ہے کہ بعض نے ممنوع لکھا ہے اور بعض نے مکروہ کہکر ممنوع چھوڑ دیا اور صرف مکروہ پکڑ لیا اور لکھدیا کہ مکروہ کا اطلاق حرام اور مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ پر بھی ہوتا ہے الخ انبہٹی صاحب کیا ممنوع بھی مکروہ تنزیہی کو کہتا ہے آپکی نقل کردہ عبارت شامی میں بحوالہ بحر ہے وجدھا ما کرہ تحریما وھو المحمل عند اطلاق قھم الکراھۃ انبہٹی صاحب ممنوع نہ سہی مکروہ ہی سہی تو بھی خود آپکی پیش کردہ عبارت سے مسجد کے اندر ہر اذان مکروہ تحریمی ثابت ہو گئی۔

صفحہ ۲۰ پر لکھا اول تو جب تلاش کیا جاتا ہے کہ شریعت میں اذان فی المسجد کے متعلق کسی جگہ نہی وارد ہوئی ہے یا نہیں تو کوئی حدیث مسجد میں اذان کہنے کی ممانعت پر دلالت کرنیوالی دستیاب نہیں ہوتی انبہٹی صاحب آپکی اس تحریر نے تو فقہ کو بالکل شریعت ہی سے خارج کر دیا۔ فقہائے کرام کے ارشادات ملاحظہ کر چکے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور حدیث صحیح محل اذان باب مسجد بتا چکی پھر شریعت میں اذان فی المسجد کے متعلق نہی نہ وارد ہونا کیا معنی رکھتا ہے کیا فقہائے کرام کے ارشادات خارج از شریعت ہیں اوپر گذرا کہ صفحہ ۲۰ پر آپ نے خود تسلیم کیا ہے کہ از روئے فقہ حنفی مسجد کے اندر اذان مکروہ و ممنوع ہے اور اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث مسجد میں اذان کہنے کی ممانعت پر دلالت کرنیوالی دستیاب نہیں ہوتی تو کیا آپ کی اس تقریر کا یہ خلاصہ نہ ہوا کہ فقہائے کرام نے کتب فقہ میں یہ احکام ممانعت و کراہت معاذ اللہ اپنی طرف

سے تحریر فرمادئے بلکہ آپ کے الفاظ مئلہ و احادیث سے مسجد میں اذان کا ہونا جو جواز پر دلالت کرتا ہے ثابت ہو رہا ہے تو یہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ فقہائے کرام نے معاذاللہ اللہ احادیث نبویہ کے خلاف حکم کراہت تحریر کر دیا ہے انبیٹھی صاحب در اعود تو فرمائے کیا ایسا کوئی حنفی سنی مسلمان کہہ سکتا ہے کیا فقہ شریعت نہیں وہ قرآن و حدیث سے علیحدہ ایجاد فقہا ہے۔

صفحہ ۲۲ پر عالمگیری اور بنبین کی عبارتوں کو نقل کرکے انکا وہ مطلب نکالا جو آجتک کسیکو نہ سوجھا۔ فرماتے ہیں کہ ینبغی ان یوذن علی الماذنة او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد کا حاصل یہ ہے کہ مناسب ہے کہ اذان منارہ پر دیجائے جو داخل حدود مسجد ہے یا مسجد کی حدود سے بھی خارج دیجائے اور مسجد میں اذان نہ دیجائے یہاں پر او خارج المسجد کے معنی مسجد کی حدود سے بھی خارج لینا بالکل غلط ہے اس عبارت کا تو صاف صاف یہ مطلب ہے کہ اذان ماذنہ پر دیجائے یا خارج مسجد یعنی موضع صلاۃ سے باہر اور مسجد میں اذان نہ دیجائے انبیٹھی صاحب بتائیں کہ مسجد کی حدود سے بھی خارج کا ہے کا ترجمہ ہے۔ بھلا انکے کلام میں او خارج حدود المسجد ہے انکا مطلب تو صاف واضح ہے کہ اگر ماذنہ صحن مسجد میں واقع ہے تو اذان اس پر ہو ورنہ خارج مسجد یعنی موضع صلاۃ سے خارج نہ یہ کہ حدود و فنا سب سے خارج۔

اللہ اللہ اذان خطبہ کو منبر سے ملا کر کہلانیکے واسطے حدیث و فقہ کے الفاظ کے معنی کو کھینچ تان کر اور تاویلات بعیدہ کرکے ظاہری معنی اور مدلول سے بلا دلیل کیسا کیسا پھیر اجاتا ہے اور پھر بھی اتباع شرع درضا رحق کا دعوی برقرار رہتا ہے۔ اچھا الغرض باطل یہی معنی ہیں جو آپنے تراشے ہیں تو بھی آپکی اسوقت تک کی ساری محنت برباد ہوگئی آپ تو اذان کو ذکر اللہ ہونیکی بنا پر عین مسجد میں جائز سمجھتے ہیں اور فقہائے کرام بقول آپکے عین مسجد تو کیا بلکہ حدود مسجد میں بھی مکروہ بتاتے ہیں تو اب آپ ہی فرمائے کہ آپ حق پر ہیں یا فقہائے کرام حق پر ہیں۔ حیرت پر حیرت ہے کہ انبیٹھی صاحب نے کونسا طریق اختیار کر رکھا ہے۔ یا تو یہاں تک بڑھے کہ عین مسجد میں بھی اذان

بلاکراہت جائز بتادی یا ذرا سی دیر میں پھر دوسری طرف اتنا چڑھے کہ حدود مسجد میں بھی ناجائز ٹھہرادی اور لطف یہ کہ رسالہ اس امر کے ثبوت میں لکھنے بیٹھے ہیں کہ اذان داخل مسجد جائز ہے برین عقل و دانش بباید گریست۔

جادو وہ جو سر پر چڑھکر بولے ابھی ابھی فتاوی عالمگیری وغیرہ کتب کی عبارتوں کے یہ معنی تراشے کہ فنائے مسجد میں بھی اذان مکروہ ہے اور جب حافظہ نہ باشد کی ٹھہری تو صفحہ ۲۲ پر خود ہی فتح القدیر کی عبارت واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد نقل کرلائے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اذان ماذنہ پر دیجائے یا فنائے مسجد میں اور آپ نے خود اس کے یہی معنی لئے ہیں کہئے اب وہ حدود مسجد سے خارج کہاں گیا۔ اب تو ادخارج المسجد کے معنی سمجھ میں آگئے ہونگے کہ وہی ہیں جو ہم کہتے ہیں کہ موضع صلاۃ سے باہر جوجگہ فنائے مسجد ہیں ہو

اس صفحہ ۲۲ پر کہا کہ یہ حکم کراہت جو بمعنی خلاف اولی ہے وہ صرف جمعہ کی اذان اول اور اذان اوقات خمسہ مخصوصہ کیساتھ مخصوص ہے میں کہتا ہوں اولاً تو یہ آپکا خیال محض غلط ہے کیونکہ ہم ثابت کرچکے کہ فقہانے عام ممانعت فرمائی کسی اذان کا استثنا نہ فرمایا۔ ثانیاً لفرض باطل کراہت کا حکم اگر اذان خمسہ و اذان اول جمعہ کیساتھ مخصوص مان بھی لیا جائے تب بھی آپکے ساری محنت برباد ہوگئی انتہی حضا کیا آپ کو پہلے فقہای کرام کے ان ارشادات کی خبر نہ تھی جو تنشیط الاذان کا ایک جزء اسی بحث میں سیاہ کرڈالا کہ ہر اذان ذکر اللہ ہونیکی بنا پر مسجد کے اندر بلاکراہت جائز ہے اور یہ کہ جو ذکر اللہ سے روکے وہ آیات قرآنیہ کے حکم سے سب سے بڑا ظالم ٹھہرتا ہے۔ سنئے جب آپ نے یہ مان لیا کہ کراہت پنجوقتہ اذان کیساتھ مخصوص ہے تو آپ خود اپنے منہ سے آیہ کریمہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ کی وعید شدید کے مصداق بنے اور آپنے خود مسجد کے اندر پنجوقتہ اذان کی ممانعت تسلیم کرکے اپنے ہی قول سے اپنے کو سب سے بڑا ظالم قرار دے لیا واقعی فقہائے کرام کی مخالفت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

فتح القدیر کی عبارت سے جو آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اذان خطبہ کراہت کے حکم سے مستثنیٰ ہے تو یہ کہاں لکھا ہے کہ اذان خطبہ مثل اقامت ہے لہذا اسکا مسجد میں ہونا مکروہ نہ ہوگا۔ اس میں تو صاف صاف تصریح ہے کہ اذان ماذنہ پر ورنہ فنائے مسجد میں دیجائے اور اقامت مسجد میں ہونا چاہئے اور اذان مسجد میں مکروہ ہے اسمیں اذان خطبہ کا استثنا کہاں ہے فتح القدیر کا یہ حکم ہر اذان کے لئے عام ہے اس میں تو ہر اذان کو مسجد کے اندر مکروہ بتایا ہے اور محقق مذہب حنفی امام ابن الہمام نے تو شرح ہدایہ میں عموم کو خوب جلا دیا خطبہ کو جمعہ میں طہارت سنت ہونیکو خود اذان پر قیاس کیا گیا تھا کہ وہ بھی اذان کی طرح مسجد میں ذکر الٰہی ہے تو اسمیں اذان کی مانند طہارت ہونی چاہئے یہاں تو خاص ترجمہ : و خطبہ کا ذکر تھا اگر اذان خطبہ مسجد کے اندر ہوتی تو یہاں فی المسجد کے لفظ میں کیا حرج تھا مگر ذرا اسکو نام رکھتے مگر امام ہمام نے فوراً اسکی مراد بتادی کہ مسجد میں ہونیکا مطلب حدود مسجد میں ہونا ہے نہ کہ خاص مسجد میں اسلئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے انتہی۔ انصاف ہو تو کیسی روشن تصریح ہے کہ اذان خطبہ بھی مسجد کے اندر ممنوع ہے ورنہ خطبہ کا اس پر قیاس کرنیکو یہ کہنا بہت صحیح تھا کہ وہ بھی مسجد میں ذکر الٰہی ہے۔

انبیٹھی صاحب کا اذان خطبہ کو مثل اقامت اعلام حاضرین کیواسطے ماننا فقہ سے ناعلمی پر مبنی ہے ہم ہدایہ وکافی وتبیین وعنایہ وبحر ودر مختار وغیرہ سے ثابت کرچکے ہیں کہ اذان خطبہ بھی اعلام غائبین کیلئے ہے جامع الرموز کی جو عبارت انبیٹھی صاحب نے نقل کی ہے اور اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ نہیں منجملہ اور اغلاط کے یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے ہم اوپر بتاتے ہیں کہ لفظ مسجد دو معنی پر محمول ہے ایک معنی موضع صلاۃ دوسرے معنی وقف کردہ زمین مع بنا مسجد بمعنی اول سے بنا وغیرہ سب خارج دوسرے معنی کے طور پر مسجد در و دیوار چاہ حوض فصیل دروازہ غرض حدود وقف سبکو شامل عبارت نظم نقل کردہ قہستانی لا یوذن فی المسجد فانہ مکروہ میں مسجد بمعنی اول پر محمول یعنی اذان نماز کی جگہ نہ دیجائے کہ نماز کی جگہ اذان دینا مکروہ ہے اور عبارت جلالی منقولہ قہستانی میں لفظ مسجد بمعنی ثانی پر محمول ہے یعنی حدود مسجد میں اذان دیجائے یا اس جگہ دیجائے جو حکم مسجد میں ہو یعنی فنائے مسجد میں کیونکہ انبیٹھی صاحب اسمیں فاضل مجیب کیخلاف کیا تھا جو آپ نے تعجب کرتے ہوئے یہ کہا کہ مجیب نے قہستانی سے مسجد میں اذان کا مکروہ ہونا تو نقل کیا لیکن قہستانی نے جو دوسرا قول اسکے خلاف نقل کیا ہے اسکو چھوڑ دیا فیا للعجب۔

فتوائے مبارکہ بریلی کے جواب سوال ششم کی تردید میں انبٹھی صاحب نے چار دعوے قایم کرکے کہا کہ معاذ اللہ از روئے فتوائے مبارکہ کنارۂ مطاف پر خارج مسجد ہونیکی بنا پر پاخانہ پیشاب وغیرہ افعال قبیحہ جایز ہوئے مسلمانو! فتوی بریلی چھپا ہوا موجود ہے خود دیکھ لو اسمیں تو صرف اس قدر ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی تھی اور نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے زمانہ اقدس میں مسجد الحرام شریف مطاف ہی تک تھی تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد محل اذان تھا چونکہ اب مسجد بڑھا لیگئی تو اب بھی وہ جگہ بیرون مسجد اور محل اذان ہے بھلا اسمیں ایسی کونسی عبارت ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاذ اللہ یہ پاک مقام محل بول و براز ہے انبٹھی صاحب کے اس نتیجہ کی بنا پر تو مسجد کے کنوؤں ، فصیلوں دروازوں دیواروں محل وضو وغیرہ سب کو معاذ اللہ نجاست سے ملوث کر سکتے ہیں کیونکہ یہ مقامات مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہیں اور انبٹھی صاحب کے نزدیک جو جگہ موضع صلاۃ نہو اس میں پاخانہ پیشاب کرنیکی ممانعت نہیں جبھی تو کنارۂ مطاف جو محل اذان ہے اور اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہے محل بول و براز قرار دیا ۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ اور اگر کہا جائے کہ دیواروں وغیرہ کو نجاست سے ملوث کرنا ناجائز ہے تو جسطرح یہ سب کہ اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہیں نجاست سے ملوث نہیں کئے جا سکتے یونہیں محل اذان کو بھی نجاست کیساتھ ملوث کرنا ممنوع ہے محل اذان تو خود اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ جگہ اذان کیواسطے ہے نہ کہ ان افعال قبیحہ کیواسطے کتب فقہ میں تصریح ہے کہ کیچڑ سے سنا ہوا پاؤں مسجد کی دیوار یا ستون سے پونچھنا ممنوع ہے (عالمگیری ، صغیری) مسجد کی دیوار پر ناک سنکنا ممنوع ہے (عالمگیری) بھلا جب دیواروں سے جو اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہیں کیچڑ تک پونچھنا منع ہے تو محل اذان پر پاخانہ پیشاب کرنا چہ معنی دارد ۔ ذکر الہی پر ان افعال قبیحہ مثل پاخانہ پیشاب کا قیاس سخت شقاوت ہے کیا اذان ایسی ہی چیز ہے جیسے پیشاب پاخانہ کہ جہاں اذان جائز ہو وہاں یہ کیوں ناجائز ہوں ہر جاہل سے جاہل جانتا ہے کوئی شخص حاضری اگر خاص حضور سلطان پکارے تو وہ بے ادب ہے اور دروازے پر حرج نہیں تو کیا دروازے پر حاضری جائز ہونے سے پاخانہ پیشاب بھی جائز ہو گیا اذان فنائے مسجد میں جائز ہونے سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ امور قبیحہ بھی وہاں

جائز میں وہابیہ محل اذان پر [illegible] ہیں یا ناجائز بتائیں تو یہ کوئی تعجب کی بات [illegible]

...... جبکہ انھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کی نجاستوں کو [illegible] ایمان سمجھ رکھا ہے تو محل اذان کی توہین کس گنتی و شمار میں ہے۔

فتوائے مبارکہ بریلی میں فتاوی تاتارخانیہ و فتاوی خلاصہ و فتاوی عالمگیریہ سے لکھا گیا تھا کہ مسجد جب بڑھالیجائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لئے مقرر تھی بدستور مستثنیٰ رہیگی مفتی صاحب نے تمام روایات نظر انداز کر کے لکھا کہ جب مسجد الحرام کی وسیع ہوگئی تو اسکے گرد ہر چہار طرف لوگوں کے مکان تھے [illegible] ان مکانوں میں بول و براز کی جگہ بھی تھی وارالندوہ بھی تھا لیکن تمام خواص و عوام امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ سب مکانات جو مسجد الحرام [illegible] تھے خواہ محل نجاسات تھے یا غیر نجاسات وہ سب کے سب بعد توسیع مسجد الحرام میں داخل ہوگئے جناب من فتوائے بریلی میں یہ کہاں لکھا ہے کہ جس جگہ کو موضع صلاۃ کرلیا جائے اگر پہلے وہ محل نجاسات سے ہو اس پر احکام مسجد جاری نہ ہونگے کہا تو یہ گیا تھا کہ ...... محل اذان یا محل وضو کو بدستور قائم رکھکر مسجد کی توسیع کرلیجائے جیسا کہ کنارۂ مطاف کو بدستور محل اذان قائم رکھکر توسیع مسجد الحرام شریف [illegible] کیگئی تو وہ محل اذان مسجد کے اطلاق کی بنا پر خارج مسجد ہی رہیگا۔ گرچہ اطلاق [illegible] کی بنا پر داخل مسجد بھی ہے لوگوں کے مکانات وغیرہ کو مسجد میں داخل کرکے موضع صلاۃ بنالینا اور بات ہے اور وضو کی جگہ کو محل وضو قائم رکھتے ہوئے اسکے ارد گرد توسیع کرلینا اور بات ہے اور اگر آپ کی انوکھی منطق کی رو سے محل وضو کو وضو کیواسطے قائم رکھتے ہوئے ارد گرد توسیع کرلینے سے محل وضو بھی عین مسجد ہوگیا تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ [illegible] مسجد میں وضو کرنا جائز ہوگیا حالانکہ [illegible] آپکو بھی تسلیم ہے کہ مسجد میں وضو نا جائز ہے پس ہماری اس تقریر سے صاف صاف عیاں ہے کہ محل وضو کو محل وضو قائم رکھتے ہوئے موضع صلاۃ کی [illegible] محل وضو کے [illegible] گرد جب کبھی بھی توسیع کیجائیگی تو وہ محل وضو مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد کے حکم میں رہیگا اور وہاں وضو کرنا جائز رہیگا اور اسپر اذان بلا کراہت جائز رہیگی۔

ہم احادیث و کتب فقہ سے ثابت کرچکے کہ اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے اور مسجد [illegible]

مراد موضع صلاۃ جنازہ ہوگا۔ ... فقط پابندی کیساتھ سفر نہیں کی وہ مزید
مسجد یعنی موضع صلاۃ عید حاشیہ پر لکھی منہی صاحب نے آیات قرآنیہ احادیث اور روایات
فقہیہ سے جو کچھ کے خلاف لکھا اسکا کافی رد کیا جاچکا ہے نیز یہ بھی عیاں کر دیا گیا کہ رفع صوت
کی ماہیت کی ممانعت حدیث شریف میں ہے اذان مسجد کے اندر کہنا مکروہ ہے وضو کے مکروہ ہونیکی
علت وہم تلویث مسجد یا توہم امتہان مسجد ہے اور مسجد کے اندر اذان کا ہونا دربار الٰہی
کی بے ادبی ہے اور اسمیں بھی ضرور امتہان مسجد ہے۔

حاشیہ متعلقہ کے بیرون مسجد اور محل اذان ہونیکی نسبت منہی صاحب کا یہ لکھنا
کہ مجیب نے اسکے ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل قائم نہیں کی روز روشن میں آفتاب کے
وجود سے انکار کرنا ہے جس وقت آپکو دلیل نظر نہ پڑی تو اب دیکھئے آدمی گنتی گنتی بھول
جاتے پھر گن لے جواب سوال ستم ملاحظہ ہو جسمیں ہے کہ مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارہ مطاف
پر ہوتی ہے رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد الحرام شریف مطاف
ہی تک تھی مسلک متقسط علی قاری مع شرحہ منسک **المطاف ہو ما** کان فی **زمنہ صلی اللہ تعالیٰ**
علیہ وسلم مسجدا ہو اشتہ مطاف بیرون مسجد محل اذان تھا اور حضرت شیخ صدیقی نے تو یہاں جو جگہ
اذان ہونیکی ہے مقرر تھی اسکو بیرون مسجد بھی کیا منہی صاحب ذہن کے سینگ ہو گئے ہیں
خود مسجد مکہ میں بنایا بیان ہے مدینہ طیبہ میں اذان خطبہ خطیب کے پیش بلکہ زائد ذراع
کے فاصلہ سے ایک بلند جگہ پر ہوتی ہے طرح ہند کے ... خلاف ہوا سیرا منہی صاحب
تحریر فرماتے ہیں کہ علاوہ ازیں اسمیں قرب وبعد کو کراہت میں کوئی دخل نہیں کراہت
... **مسلما تو یہ وہی ان کہی ہے جس سے**
... فرا تعالیٰ ... دوسرے پر چڑھکر بولا ... **بالا اور باطل کا منہ کالا ہوا**
... حق ہیں ... کہ مخالف کی زبان ... بے ساختہ جاری ہو جاتا
ہے مدینہ منورہ میں اذان خطبہ خطیب کے پیش بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ہونیکا جواب ہی اڑا گیا
کیا منہی صاحب اب تو سمجھ میں آیا ہوگا کہ میں بین یدی الخطیب وعند المنبر کے یہی معنی ہیں کہ خطیب
کے سامنے یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہو بلکہ بیس یا اس سے زائد ذراع کے فاصلہ پر ہو جب بھی بین یدیہ اور عند

صادق آئیگا ہم نے بھی تو یہی کہا تھا کہ بین یدیہ وغیرہ کچھ انفصال ہی سے خاص نہیں انکا مفاد محاذات
وحضور ہے متصل ہو یا منفصل والہذا قریب و بعید دونوں میں استعمال ہے چونکہ علی باب المسجد
والی حدیث اور فقہائے کرام کے ارشادات صراحت کر رہے ہیں کہ اذان خطبہ بھی مثل پنجوقتہ اذان
کے مسجد یعنی موضع صلاۃ سے باہر ہو تو اذان خطبہ موضع صلاۃ سے باہر ہر ایسی جگہ ہو سکتی ہے جہاں
سے خطیب کا محاذات وحضور ہے ہاں انبیٹھی صاحب اب آپکا وہ قول جو صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ چونکہ
اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے یا منبر کے سامنے یا امام و منبر کے قریب ہونا امر متوارث ہے آپ ہی
کے اس قول سے مردود ہو گیا یا نہیں ۔ ابھی ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ امام و منبر کے قریب ہونا امر
متوارث ہے اور جب مدینہ منورہ میں بیس ذراع کی فاصلہ پہ اذان خطبہ کا دیا جانا پایا گیا تو امام
و منبر کے قریب ہونے اور اسکے متوارث ہونیکا خیال جاتا رہا اور وہی قلم سے نکلا جو ہم کہتے تھے آپ
نے پہلے نہ سوچ لیا کہ جب مدینہ منورہ میں بیس ذراع کے فاصلہ پر اذان ہوتی ہے اور دہلی بہار
میں بھی اتنی ہی فاصلہ پہ ہوتی ہے تو میں امام و منبر سے ہاتھ یا دو ہاتھ کے فاصلہ پر امر متوارث کیونکر ہوا
اور آپکا یہ فرمانا کہ مکبر صفوف کے لئے مطلقاً قاطع نہیں آپ ہی کے قول سے غلط ہے آپکو تسلیم ہے کہ وہ چار ستونوں
پر قائم ہے تو کیا چار ستون قاطع صفوف ہوئے کیا جبکہ وہ پائے اور چھت صفوف میں حائل ہوئی جبھی قاطع
صفوف ہوتا کیا صفوف نہیں ہوتے پھر فتوائے دہلی میں چھت کو قاطع صفوف کب بتایا گیا تھا بلکہ
صاف صاف لکھدیا تھا کہ یہ مکبر و چار جگہ ستون نیچے چھوڑے ہے در کیسی ہی شکل قطع کرتا ہے ہاں یہ بھی خوب کہی
کہ مساجد بنائی گئیں اور اسکے وسط میں درمیانی دیوار اور دروازے میں محرابیں قائم کی گئیں اور وہ بھی قاطع
صفوف ہیں تو کیا وہ بھی فعل حرام ہے انبیٹھی صاحب آپکو مسجد کے ہر دو اطلاق میں امتیاز نہیں ورنہ کبھی یہ
نہ فرماتے ہم کہ چکے موضع صلاۃ کے علاوہ مسجد کی دیوار نصف محراب ومنبر کنواں غسلخانہ درمیانی دیواریں
وغیرہ سب مسجد کے اطلاق اول کی بنا پر خارج مسجد ہیں تو یہ سب محل مسجد یعنی موضع صلاۃ میں ہرگز ہرگز نہیں
بنائے گئے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ جب کوئی مسجد بنانیکا ارادہ کرتا ہے تو اس کل زمین کو جو اطلاق دوم کی بنا پر مسجد کے
حکم میں ہوگی ہے موضع صلاۃ مقرر نہیں کر دیتا بلکہ اس زمین میں سے کچھ حصہ کو موضع صلاۃ اور بقیہ میں ضرورت
کے موافق محل وضو کنواں غسلخانہ درمیانی دیوار نصیب وغیرہ وغیرہ تجویز کرتا ہے تو اب بانی مسجد نے جو کچھ بنایا وہ
عین مسجد میں نہ بنایا اور اس لئے جائز ہے البتہ اگر کوئی شخص مسجد بنانیکے بعد موضع صلاۃ میں کوئی ستون

بلکہ وہ قاطع صفوف نو یقیناً ناجائز ہوگا فتاوے مبارکہ میں بھی یہی بتایا گیا تھا کہ وسط مسجد میں ایک جبہ بدمکان ایسا کھڑا کر دیا جس سے بعض قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے الخ یہاں پر مسجد سے وہی موضع صلاۃ تھا مگر آپ درمیانی دیوار کا سوال خوش فہمی سے اٹھا بیٹھے یہ خیال نہ کیا کہ درمیانی دیوار موضع صلاۃ میں نہیں بنائی جاتی اگر آپ مسجد کے دو طلاق نہیں مانتے تو گویا آپکے نزدیک محل وضو غسلخانہ مسجد وغیرہ وغیرہ سب عین مسجد ہوئے اور اس تقدیر پر آپکے نزدیک عین مسجد میں وضو کرنا ناک سنکنا ناپاکی دور کرنا استنجا کرنا۔ نہانا دھونا اور حائض کا وہاں کھڑا ہونا شوروغل مچانا سب کچھ جائز ہو گیا کہئے اب تو آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ جو کھجور کے ستون جناب نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم نے جب مسجد شریف کی تعمیر فرمائی تھی قائم کئے گئے تھے وہ جائز طور پر قائم کئے گئے تھے انکا بنانا حرام نہ تھا علاوہ اسکے الضرورات تبیح المحذورات مشہور ہے ستون اور دیواریں مسجد میں لضرورت قائم کیجاتی ہیں اور اس وجہ سے وہ جائز ہیں اور وہ جیز جو... بلاضرورت قاطع صفوف قائم کیجائیگی ضرور ناجائز ٹھہریگی انبیٹھی صاحب سچ کہئے کہ مجیب کے مدعا کو مکبرہ والے جوابنے کیا فائدہ پہنچایا سچ پوچھئے تو آپکا دل ہی جانتا ہوگا آپکی تمام محنت کو آن واحد میں ملیامیٹ کر دیا جب کہ آپکو تسلیم ہے کہ فقہائے احناف نے اذان کو مسجد کے اندر مکروہ بتایا ہے اور کوئی دلیل اس کی تردید میں نا سکی اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ امام و منبر کے قریب ہونا ضروری نہیں کیونکہ بقول آپکے دہلی سہارنپور وغیرہ کی جوامع میں اذان خطبہ نہیں بلکہ اس کے زائد ذراع کے فاصلہ پر بلند مکبرہ پر ہوتی ہے اور ہم ثابت کر چکے کہ مکبرہ کہ اول سے بنا خارج مسجد کے حکم میں ہے تو پھر کسی مزید بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ جو کچھ فتولے مبارکہ بریلی میں ہے وہ سب آپکو طوعاً و کرہاً مقبول ہے البتہ سب سے آخر میں جو آپنے جامع الرموز کی عبارت کو دوبارہ نقل کر کے بین یدیہ بھی اوڑا دیا۔

اور صاف لکھدیا کہ روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن کا امام کے سامنے عین محاذات میں ہونا ضروری نہیں ہے تو گویا آپکی یہ تھوک کے ستوؤں سے جڑی ہوئی کاغذکی عمارت (تنقیط الاذان) خود آپکے ہاتھوں پھٹ پھٹا کر نیست و نابود ہو گئی والحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی شفیع المذنبین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ؂

حررہ فقیر محمد عرفان علی قادری رضوی

﴿۱﴾

جمعہ کی اذان ثانی کے خارج از مسجد ہونے پر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی تائید وتوثیق

آپ کے فکری مخالفین سے

تائیدِ ربانی بر مسئلہ اذانِ ثانی

مؤلف

میثم عباس قادِری رضوی

نام کتاب : جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہی ہونی چاہیے

مؤلف : میثم عباس قادری رضوی

اشاعتِ اوّل بصورتِ کتاب : جنوری ۲۰۱۷ء

صفحات : ۴۸

ناشر : کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور
اویسی بک سٹال گوجرانوالہ

قیمت : روپے

انتساب

راقم الحروف اس کتاب کا انتساب

امام المناظرین شیر بیشۂ اہل سنت

ابوالفتح حضرت علامہ مولانا مفتی

محمد حشمت علی خان لکھنوی

رحمۃ اللہ علیہ

کے اسم گرامی سے کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے

میثم عباس قادری رضوی

فہرست

۱۴۔اذانِ ثانی کے مسجد میں ہونے کے متعلق کسی کے پاس مذاہبِ اربعہ سے کوئی دلیل نہیں: انورشاہ کشمیری دیوبندی ....

۱۵۔ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد میں دینا بنی امیہ کا عمل ہے یہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے: انورشاہ کشمیری دیوبندی ....

۱۶۔ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر بھی جائز ہے: مفتی کفایت اللہ دیوبندی مسجد میں اذان کے قائلین سے زبردست مطالبہ: ....

۱۷۔ اذان مسجد سے باہر دینا سنت ہے: پالن حقانی دیوبندی ....

۱۸۔ اذان مسجد سے باہر دینا سنت ہے: پالن حقانی دیوبندی ....

۱۹۔ اذان کا مسجد سے باہر دینا اولیٰ ہے: مفتی شیخ فرید دیوبندی ....

۲۰۔ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے: مفتی عبدالحق دیوبندی ....

۲۱۔ اذان مسجد سے باہر دینی مستحب ہے: مولوی تنویر احمد شریفی دیوبندی

۲۲۔ مسجد میں اذان دینی مکروہِ تنزیہی ہے، دورِ رسالت میں مسجد سے باہر دی جاتی تھی: مولوی شکیل حقانی دیوبندی ....

۲۳۔اذانِ ثانی کے خارج از مسجد ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تائید غیر مقلد وہابی علما سے۔ ....

ضروری نوٹ: اس تحریر میں جتنے اقتباسات نقل کیے گئے ہیں، ان میں جو الفاظ قوسین ( ) میں درج ہیں۔ وہ اصل کتب میں بھی قوسین ہی میں درج ہیں۔ ان اقتباسات میں راقم نے اپنی طرف سے جو وضاحتی الفاظ شامل کیے ہیں ان کو ڈبل قوسین (( )) میں درج کیا ہے تاکہ (اصل اقتباس کا) امتیاز ہو سکے۔ (میثم قادری)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ مقالہ (۱) ماہنامہ ''معارفِ رضا، کراچی'' بابت فروری ۲۰۱۳ء (۲) ماہنامہ ''چار یارِ مصطفیٰ، راولپنڈی'' بابت اپریل ۲۰۱۳ء (۳) سہ ماہی'' دعوتِ اہلِ سنت، کراچی'' شمارہ:۲ (۴) اور سالنامہ ''یادگارِ رضا، بمبئی'' بابت ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اب مزید اضافات اور ترمیم کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

اس مقالہ کے لکھنے کا پس منظر:

کچھ سال پہلے کی بات ہے داتا دربار مارکیٹ، لاہور کے ایک کتب خانہ پر جناب اُسید الحق بدایونی صاحب کے ''متاثرین'' میں سے ایک صاحب نے ان کا ملفوظ بیان کیا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''جمعہ کی اذانِ ثانی تمام جگہوں پر بشمول مارہرہ شریف مسجد کے اندر ہوتی تھی اس پر اعلیٰ حضرت نے اختلاف پیدا کیا کہ اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہونی چاہیے''۔ صاحبِ ملفوظ جناب اُسید الحق بدایونی صاحب کے اجداد اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت کے شدید مخالف تھے، اور اس اختلاف میں اس حد تک چلے گئے تھے کہ عدالت میں ازالہ حیثیت عُرفی کا مقدمہ درج کروادیا۔ جس پر ان کو ہزیمت اُٹھانی پڑی، اور اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت، مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باعزت بری ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے شدید معاند ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی نے بھی اپنی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' جلد ۷ میں مسئلہ اذانِ ثانی کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے خلاف کئی صفحات سیاہ کیے ہیں۔ ان دونوں باتوں کے پیشِ نظر اس وقت راقم نے یہ مقالہ لکھا اور دیوبندی، وہابی علما سے ثابت کیا کہ اس مسئلہ میں بھی اعلیٰ حضرت کا موقف

برحق ہے۔

مقدمۂ بدایوں:

مسئلہ اذانِ ثانی پر علمائے بدایوں سے ہونے والے اختلاف کی کچھ تفصیل پیش ہے۔ یہ مقدمہ ۱۹۱۵ء کے اواخر سے شروع ہوا، اور مارچ ۱۹۱۷ء میں اعلیٰ حضرت کے حق میں فیصلہ ہوا، یہ مقدمہ لائبل کیس کے نام سے اخبارات میں درج ہے۔

☆ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مقدمۂ بدایوں کے متعلق فرماتے ہیں:

''اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد کا قصہ: اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد معلوم نہیں کتنے دنوں سے اعلیٰ حضرت قبلہ کی مسجد میں ہوا کرتی تھی اور اس کے متعلق ایک مختصر فتوی بھی غالبًا ''تحفۂ حنفیہ'' میں شائع ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قبلہ پیلی بھیت تشریف لے گئے تھے۔ جمعہ کا دن آیا تو وہاں کے بعض لوگوں نے یہ چاہا کہ اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد ہو جیسا کہ بریلی میں ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اذان باہر ہوئی۔ اعلیٰ حضرت نے خطبہ اور نماز پڑھائی۔ جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو بعض وہ لوگ جن کے عقائد اچھے نہ تھے یا جن میں نفسانیت غالب تھی اس پر چہ میگوئیاں کرنے لگے، شدہ شدہ یہ خبر بریلی پہنچی۔ یہاں کے بعض لوگوں کے اصرار واستفسار پر ایک مفصل فتوی اس مسئلہ کے متعلق لکھا گیا جو اشتہار کی شکل میں شائع ہوا۔ پیلی بھیت کے وہ لوگ جن کے دل صاف نہ تھے اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اور جگہ جگہ سے انہوں نے فتوے حاصل کرنے چاہے۔ وہابیوں نے بھی مخالفت میں فتوے لکھے۔ علمائے رام پور اور علمائے بدایوں نے بھی تحریر کئے جن کے جوابات ۔۔۔ ۔۔۔ ۔ اب اس

کے بارے میں طرفین سے متعدد رسالے شائع ہوئے۔ مخالفین باوجود اپنی تمام تر کوششوں کے ایک عبارت بھی کسی کتاب کی ایسی نہ پیش سکے جس میں صراحۃً اذانِ جمعہ کا اندرونِ مسجد ہونا مذکور ہو۔ جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو بعض علمائے رام پور نے عبارتیں گڑھیں اور ''صلوۃ مسعودی'' کی طرف نسبت کی، مگر ''صلوۃ مسعودی'' دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ بالکل افتراء اور من گھڑت ہے۔ جملہ مخالفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اس مروجہ اذان کو جو عموماً ہندوستان میں اندرونِ مسجد ہوتی ہے نہ حدیث سے ثابت کر سکے، نہ فقہ کی کسی کتاب سے۔ حدیث میں نظر کی جاتی ہے تو اس اذان کا بیرونِ مسجد ہونا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ و ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ثابت ہے۔ ''سنن ابی داؤد'' میں حضرت ثابت بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان زمانوں میں اذانِ خطبہ دروازۂ مسجد پر ہوا کرتی تھی۔ اور فقہ کی طرف نظر کی جاتی ہے تو لا یؤذن فی المسجد ویکرہ الاذان فی المسجد وغیرہ۔ ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے اندرونِ مسجد مطلقاً اذان کی ممانعت و کراہت ثابت ہے۔ کسی کتاب میں بھی اذانِ جمعہ کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ لے دے کر مخالفین کے پاس کچھ ہے اور اسے دلیل کے نام سے پکارتے ہیں وہ لفظ ''عند المنبر و بین یدیہ'' ہے۔ مگر یہ دونوں لفظ اپنے اطلاقِ شرعی ولغوی میں ایسے نہیں جس کا مدلول اندرونِ مسجد ہی میں منحصر ہو سکے۔ قرآن و حدیث وغیرہ سے ان کے اطلاقات کی وسعت پر رسائل میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر لوگوں نے مخالفت نہ کی ہوتی تو خیال

ہوسکتا تھا کہ شاید جو ناواقفی سے کیا جا رہا ہے اس کا کوئی ثبوت ہو مگر مخالفین کی پوری جدوجہد نے ثابت کر دیا کہ ان کے پاس دلیل کا نام بھی نہیں۔ اس سلسلہ میں مخالفین کا عجز اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب علمائے بدایوں کے رد میں ''تعبیرِ خواب'' (۱) وغیرہ کے بعد کتاب ''سدالفرار'' تحریر کی گئی اور اس میں مفصل طور پر ان کا رد کیا گیا تو ان سے کچھ جواب نہ بنا۔ بلکہ کچہری کا دروازہ کھٹکھٹایا اور توہین ازالۂ حیثیت عُرفی کا دعوی کیا گیا۔ اس دعوی میں پانچ مدعا علیہ تھے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللّٰہ عنہ ،مولانا محمد رضا خان صاحب برادرِ خورد، مولانا حامد رضا خان صاحب خلفِ اکبر، شاہد علی خان صاحب خواہر زادہ اور راقم السطور۔ دعویٰ ایک ایسے مجسٹریٹ کے یہاں ان لوگوں نے کیا جس سے ان کے خاندانی تعلقات تھے اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں پوری کوشش ان لوگوں کی تذلیل میں صَرف کروں گا اور ضرور یقینی طور پر اعلیٰ حضرت کو کچہری میں بُلا کر کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا۔ گفته او گفته الله بود : جب یہ خبر اعلیٰ حضرت کے پاس پہنچی، ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللّٰہ وہ کچھ نہ کر سکیں گے اور مجھے کچہری میں نہ جانا پڑے گا۔ مقدمہ کے واقعات بہت تفصیل طلب ہیں۔ ان بلوائیوں نے ایذا رسانی میں کوئی کمی نہ کی، یہاں تک کہ انہوں نے پانی بھی بند کر دیا کہ کوئی سقہ ان لوگوں کا پانی نہ بھرے

---

(۱) مسئلہ اذانِ ثانی پر سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کی نایاب کتاب ''تعبیرِ خواب'' کا اقتباس ڈاکٹر شرر مصباحی صاحب نے مقدمۂ حدائقِ بخشش میں نقل کیا ہے۔ راقم نے اس کتاب کے حصول کے لیے بذریعہ فون ڈاکٹر صاحب سے رابطہ کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کتاب ''کتب خانہ قادریہ، بدایوں'' میں موجود ہے۔ کاش کوئی بندۂ خدا وہاں سے اس کتاب کو بازیاب کروالے اور یہ علمی دستاویز شائع ہو کر اہلِ علم کی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ (میثم قادری)

اور شہر میں کوئی شخص ان کو رہنے کے لیے کوئی مکان نہ دے۔ اگر چہ کتنا ہی زیادہ یہ لوگ کرایہ دیں۔ مگر الحمدللہ ان کی ساری کوششیں ناکامیاب رہیں۔ پانی بھرنے کے لیے تاریخوں پر سقے جایا کرتے تھے اور جس زمانے میں کہ مقدمہ کی پیہم تاریخیں ہونے لگیں اور وہاں مکان کی ضرورت پڑی تو مکانات بھی مل گئے۔ مدتوں یہ مقدمہ چلا، دعویٰ سے ایک سال زائد پر اس کا فیصلہ ہوا۔ جس میں یہی ہوا جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا مقدمہ کے واقعات کو اعلیٰ حضرت کی کرامت سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔ اس مقدمہ کی پیروی کرنا اور کوشش کرنے کا کام صرف دو ہی شخصوں نے کیا۔ ایک مولانا حامد رضا خان صاحب کہ اس سلسلہ میں انہیں بہت جگہ آنا جانا پڑا۔ دوسرے یہ فقیر کہ مقدمہ کی معلومات بہم پہنچانا اور گواہوں کو مضامین بتانا۔ جرح وغیرہ کے مضامین سکھانا، اس کا بڑا حصہ میں نے ہی انجام دیا''

(حیاتِ صدر الشریعہ صفحہ 51 تا 53 مطبوعہ رضا اکیڈمی محبوب روڈ، چاہ میراں، لاہور)

☆ شارح بخاری مولانا مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مقدمہٗ بدایوں کے متعلق اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''خانقاہِ برکاتیہ کا مؤقف ہمیشہ سے یہی رہا کہ انہوں نے کلیات تو کلیات، اصول تو اصول، فروع میں بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتوے پر عمل فرمایا مثلاً اذانِ ثانی کا مسئلہ، بدایوں سے خانقاہِ برکاتیہ کا تعلق سیدنا سرکار آل احمد اچھے میاں قدس سرہٗ کے عہدِ مبارک سے تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالمجید عین الحق رحمۃ اللہ علیہ سرکار اچھے میاں قدس سرہٗ کے بہت چہیتے خلیفہ تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

کا مارہرہ شریف سے جو تعلق قائم ہوا وہ بھی تاج الفحول محبّ الرسول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کے ذریعہ قائم ہوا۔ وہی اعلیٰ حضرت کو مارہرہ لائے اور خاتم الاکابر سے مرید کروایا۔ لیکن جب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یہ فتویٰ دیا کہ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے باہر ہونا سنت ہے اور منبر کے متصل مسجد کے اندر خطیب کے سر پر سنت کے خلاف ہے، تو حضرت مولانا سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں صاحب قدس سرہٗ نے خانقاہِ برکاتیہ کی مسجد میں اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کے مطابق جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے باہر کہلانی شروع کی۔ حالانکہ بدایوں کے لوگ اس فتویٰ کے بشدت مخالف تھے۔ یہ زمانہ بدایوں میں حضرت مولانا عبدالمقتدر صاحب مرحوم کا تھا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت کے رد میں کوئی کمی نہیں اُٹھا رکھی تھی۔ اور اس وقت تک مارہرہ شریف اور بدایوں کے تعلقات میں کوئی کشیدگی بھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود کہ بدایوں سے تعلقات بہت قدیم تھے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے جدید مگر چونکہ حق اعلیٰ حضرت کے ساتھ تھا، اس لیے خانقاہ برکاتیہ کے سجادہ نشینوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے فتویٰ پر عمل فرمایا اور قدیم تعلقات کی پرواہ نہیں کی، اس سلسلے میں کچھ بدمزگیاں بھی ہوئیں۔ جن کا تذکرہ ''برکاتِ مارہرہ ومہمانانِ بدایوں'' میں ہے۔ حضرت تاج العلما قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حمایت میں بدایونی حضرات کے رد میں تین رسالے بھی لکھے۔ ''مبحث الاذان''، ''شافی جواب بر کافی ایرادات''، ''بدایونی تحریر کے شافی جواب''۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور، اکتوبر ۲۰۰۲ء، سیدین نمبر، صفحہ ۳۱۳، ۳۱۴)

☆ شارح بخاری مزید لکھتے ہیں:

''اس کے باوجود کہ حضرت تاج العلماقدس سرہٗ نے کچھ کتابیں جناب مولانا عبدالمقتدر سے بھی پڑھیں اور مسئلہ اذانِ ثانی میں مرحوم ہی نے اعلیٰ حضرت کے خلاف بدایوں میں محاذ کھولا تھا، مگر حضرت تاج العلماقدس سرہٗ نے اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت کا اتباع کیا، نہ کہ صرف اتباع کیا بلکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حمایت میں بدایونی حضرات کا رد کیا۔ اس خصوص میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حمایت اس درجہ فرمائی کہ بآں عظمت وکمال اور سجادہ نشین ہونے کے بدایونیوں کے خلاف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حمایت میں بدایوں کچہری میں تشریف لے گئے۔ مقدمہ بدایوں: قصّہ یہ ہوا کہ مسئلہ اذانِ ثانی میں بدایونی حضرات نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر ہتک عزت عُرفی کا بدایوں میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمہ میں بدایونی حضرات نے بہت کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ بدایوں ملزم کی حیثیت سے تشریف لائیں اور ملزم کی جگہ کٹہرہ میں کھڑے ہوں۔ اس کے لیے سمن گیا اعلیٰ حضرت نے لینے سے انکار فرما دیا بدایونی حضرات نے وارنٹ جاری کرایا جو تعمیل نہ ہوسکا، اور صرف سرجن کے اس سرٹیفکیٹ پر کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بہت ضعیف، بیمار، کمزور ہیں، کچہری میں جانے کی ان میں قوت نہیں، اعلیٰ حضرت کو متعلقہ حاکم نے حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا، اور مقدمہ کی کاروائی آگے بڑھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے صفائی کے لیے جو بزرگ پیش ہوئے ان میں حضرت تاج العلماقدس سرہٗ بھی تھے۔ بدایونی وکیل نے یہ درخواست پیش کہ حضرت تاج العلماء کی صفائی مدعی علیہ کے حق میں قابلِ قبول نہیں

کیونکہ یہ ان کے پیرزادہ ہیں۔اس کے جواب میں تاج العلما نے فرمایا کہ میں مدعیان کا بھی پیرزادہ ہوں۔اس لیے کہ ان کے مورثِ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب عین الحق رحمۃ اللہ علیہ میرے جدّ امجد حضور سیدنا ابوالفضل آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں، نیز میں مدعیوں سے بنسبت مدعیٰ علیہ کے یوں بھی زیادہ قریب ہوں کہ میں نے مولانا عبدالمقتدر صاحب مرحوم سے کچھ اسباق پڑھے ہیں۔جس پر حاکم نے بدایونی وکیل کی درخواست مسترد کردی۔اور حضرت تاج العلما کو گواہ تسلیم کرلیا،اس مقدمے کا فیصلہ یہ ہوا کہ بدایونی دعویٰ خارج ہوا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ باعزت بے داغ بری ہوئے۔ یہ خبر جب اعلیٰ حضرت کو ملی تو فرمایا بدایوں ہی تھا۔جب بدایوں کی طرف سے اس پر بہت زیادہ زور صرف کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کچہری میں ضرور تشریف لائیں تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا احمد رضا تو احمد رضا۔احمد رضا کی جوتی بھی کچہری میں نہیں جائے گی انہوں نے اپنی سرکار میں میرے خلاف مقدمہ دائر کردیا ہے۔ میں نے بھی اپنی سرکار میں اپنا مقدمہ دائر کردیا ہے اور ہوگا وہی جو میرے سرکار چاہیں گے۔ میں اس کا تذکرہ نہ کرتا لیکن بہار کے ایک صاحب بدایوں اور بریلی کے اختلاف کو بہت غلط رنگ سے لکھ لکھ کر چھاپ رہے ہیں اگرچہ ان کا چھاپا آسمان پر تھوکنے والے کی طرح انہیں کے منہ پر آرہا ہے لیکن ہوسکتا ہے کچھ ناواقف غلط فہمیوں کے شکار ہوں، یہاں ہر سنجیدہ متین آدمی کے لیے سوچنا یہ ہے کہ اذانِ ثانی کا مسئلہ ایک جزئی مسئلہ تھا، اس میں اگر حضرات بدایوں کو اختلاف تھا تو انہیں اپنی بات سنجیدگی اور متانت کے ساتھ لکھ کر چھاپنے کا حق تھا اور پھر اس پر اعلیٰ

حضرت قدس سرہٗ اور ان کے متعلقین کو بھی یہ حق تھا کہ ان کا رَدّ لکھتے اور انہوں نے لکھا۔لیکن کچہری میں جا کر ایک علمی مبحث میں عاجز آ کر مقدمہ دائر کرنا نہ علم کی شان کے لائق ہے اور نہ دین داری ہے،ایک فروعی مسئلہ میں اتنا چراغ پا ہونا ہی غلط ہے۔رہ گیا تحریروں پر مؤاخذہ وہ بدایوں کے حضرات نے بھی کیا اور بریلی کے حضرات نے بھی کیا۔اب اگر بریلی کا مؤاخذہ بھاری پڑ گیا تو اس میں بریلی والوں کا کیا قصور۔''

(ماہنامہ اشرفیہ،مبارکپور،اکتوبر۲۰۰۲ء،سیدین نمبر،صفحہ۳۱۶،۳۱۷)

☆ حضرت سید شاہ محمد اسماعیل حسن شاہ جی میاں رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ، سابق سجادہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ کو نواب سید سردار علی صاحب بہادر حیدر آباد،دکن کے نام اپنے ایک مکتوب میں مسئلہ اذانِ ثانی میں بدایونی علما سے ہونے والے اختلاف کی تفصیل بیان کی ہے۔اس خط کو''شمائم العنبر''کے مقدمہ میں حضرت بحرالعلوم علامہ مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے نقل کیا ہے،ملاحظہ فرمائیں۔

''اب تموز اسا حال محمد میاں سلّمہ کے رسالہ شائع کرنے کی ضرورت کا تحریر کرتا ہوں۔دبدبہ سکندری رام پور میں یہ مسئلہ طبع ہو کر مارہرہ پہنچا۔مہدی حسن نے اوّل دیکھا۔مجھے نماز جمعہ کے وقت دکھا کر کہا گیا کہ مسئلہ بہت مدلل معلوم ہوتا ہے۔ہم اپنی مسجد میں اس پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔میں نے بھی دیکھا۔واقعی استناد کے ساتھ تھا۔میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔جب کتابیں دیکھ لوں گا، کہوں گا۔مگر میں بادی اس وقت نہیں ہو سکتا۔اگر آپ لوگ شروع کراتے ہیں،تو میں مانع بھی نہیں ہوں۔بہر حال اس جمعہ کو اذان فصیل مسجد پر ہوئی۔اس کے بعد میں نے اور محمد

میاں سَلَّمہٗ کے گھر پر آکر جہاں تک اپنا علم اور فہم تھا، اس حد تک اس مسئلہ کی تنقید کی۔ بالکل صحیح معلوم ہوا۔ اس کے بعد سے برابر مسجد خانقاہِ برکاتیہ میں سرکارِ کلاں وخورد میں اذانِ جمعہ بیرونِ مسجد ہونے لگی۔

اس کے بعد وہابیانِ بریلی اور کانپور وغیرہ کے اور بعض رامپوریوں کے رسائل وغیرہ اس فتوے کے خلاف میں آئے۔ مگر بالکل نامضبوط باتوں سے بھرے ہوئے۔ اصلاً کوئی مضبوط اِستناد اُن میں نہ تھا۔ ان کے دیکھنے سے زیادہ تر وثوق فتوائے اذان بیرونِ مسجد پر ہوا۔ بہرحال ہماری مسجد میں اذان باہر ہی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ عرس شریف اخی الأعظم حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہٗ کا وقت آیا اور اس میں بغرضِ شرکت مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے اعزہ مولوی عبدالقدیر صاحب ومولوی عبدالماجد اور محب احمد صاحب اور ان کے صاحبزادے وغیرہ صاحبان متوسلان مدرسہ عالیہ قادریہ آئے اور مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بھی آئے۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے بعض ہمراہیوں کے فقیر کے تکیہ پر مقیم ہوئے اور مولانا احمد رضا خان صاحب مہدی حسن کے مکان پر مقیم ہوئے۔

ایامِ قیام میں ایک روز مولوی محب احمد نے تذکرہ اس مسئلہ کا چھیڑا۔ جناب مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔ میں نے فہمِ ناقص کے موافق جواب دیئے۔ برخوردار محمد میاں سَلَّمہٗ بھی آگیا۔ اس نے بھی جواب دیئے۔ ہمارے جوابِ لاجواب دیکھ کر مولوی محب احمد نے اپنی تقریر کا رُخ بدل کر ایسے کلام کیے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیں کچھ بے جا ذاتی طرفدار مولوی احمد رضا خان صاحب کا جانتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھ لیں کہ مراسمِ محبت ومروت اور تعلیم اور تعلم وقدامتِ رشتۂ توسل، جو فقیر کو حضراتِ اکابرِ مدرسہ قادریہ کے ساتھ ہے، اس کا عشرِ عشیر مولوی احمد رضا خان صاحب

سے نہیں اور نہ ہوسکتا ہے، بلکہ معاملاتِ دنیاوی میں تو مولوی احمد رضا خان صاحب ہمارے اعزہ مخالفین کے ساتھ ہیں۔ مگر یہ معاملہ دینی ہے۔ اگر ہمارا جانی دشمن بھی دین کے امر میں حق پر ہوگا، تو ہم کیا، بلکہ سب سچے مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے۔

بفضلہ تعالیٰ یہاں اس وقت سب پڑھے لکھے ہوئے صاحبوں کا مجمع ہے۔ ہمیں اقوالِ مفسرین ومحدثین وفقہا سے اس مسئلہ کو اپنا سا سمجھا دیجئے۔ ہم پھر مسجد کے اندر اذان دلوانے لگیں گے اور بہتر تو یہ ہے کہ اس وقت آپ دونوں طرف کے صاحب یہاں تشریف فرمائیں اور اپنے آپ کو اس آستانہ کا خادم ومتوسل سمجھتے ہیں اور ہم سب آپ دونوں کو اپنے خاندان کا رُکنِ رکین سمجھتے ہیں۔ دونوں طرف والے بالمواجہہ بیٹھ کر اس مسئلہ کو صاف کرلیں۔ مگر محبّ احمد صاحب اور ان کے صاحبزادہ وغیرہم نے اس میں طرح طرح کی گریزانہ گفتگو کر کے مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کو اس پر نہ آنے دیا۔ میں نے مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب سے کہا کہ آپ ان سے اگر بالمواجہہ کلام فرمانا نہیں چاہتے، تو اپنا مسئلہ آپ ہم ہی کو بجھا دیں۔ اس کے مستند دلائل بتا دیں، تو ہم جا کر مولانا احمد رضا خان صاحب سے کہیں کہ آپ اپنی رائے کو واپس لینے کا اظہار کیجئے اور اگر وہ جواب مدلل دیں، تو آپ سے عرض کریں، آپ مان لیں۔ اس پر بھی لوگوں نے مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کو نہ آنے دیا۔ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب نے فرمایا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تکدر بڑھے گا۔ میں نے کہا کہ اس سے ضرور اس قدر فائدہ ہوگا کہ اگر وہ خواہ مخواہ آپ کے دلائل نہ مانیں گے، تو لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برخلافِ انصاف ہیں اور کم ازکم فائدہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ تو مسئلہ کی حقانیت سمجھ جائیں گے۔ مگر مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب نے کچھ توجہ نہ کی۔ اس مسئلہ کا ذکر ہی چھوڑ کر اور باتیں ہونے لگیں۔ اس کے بعد مولانا ((عبد المقتدر)) صاحب کئی روز یہاں تشریف رکھتے رہے۔ مگر تصفیہ پر آمادہ نہ ہوئے۔

یہاں سے تشریف لے جانے پر چندروز کے بعد ایک فتویٰ مولوی ابراہیم کی جانب سے شائع ہوا۔ جس کے مصدقین میں مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب بھی تھے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ صاحبزادگانِ مارہرہ کے کہنے کے بموجب تحریر ہوا۔ اس فتوی میں بھی بالکل دلائل مضبوط نہ تھے۔ وہی تھے، جو وہابیانِ بریلی وغیرہ یا مخالفانِ رام پور وغیرہ نے لکھے تھے اور جن کا رد اہلِ تحقیق نے بہت واضح اور لائح کر دیا تھا۔ مگر اس فتوی کا جواب نہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے لکھا اور نہ ہم لوگوں نے کچھ عرض کیا(۲) کہ ہم نے جو عرض کیا تھا، وہ کب مانا گیا۔ ہم نے فتوی تحریر کرنے کو کب کہا تھا اور فتوی بھی ایسا کہ جو ہمارے مدرسہ عالیہ کی شانِ علمی کی بالکل لائق نہیں ہے۔ اس خاموشی پر لحاظ نہ کر کے پھر دوسرا اشتہار صاحبانِ مدرسہ نے لکھا۔ تیسرا رد لکھوایا۔ مگر ہم لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوئی۔

مولوی احمد رضا خان صاحب کی طرف سے تیسرے رد کے بعد رد و جواب ہوا۔ جو مارہرہ میں حضرت بھائی صاحب قدس سرہ کے عرس ۱۳۳۲ھ میں شائع ہوا۔ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ اس عرس میں نہ تھے۔ ہم لوگوں نے اس سے کوئی حصہ نہیں لیا کہ دونوں صاحب جانیں اور سمجھیں۔ مولوی احمد رضا خان صاحب والے اس اشتہار کا جواب مولوی عبدالماجد صاحب نے عرس ہی میں قلمی عبدالواحد کے نام لکھا۔ جس کو غلام شبر صاحب فقیر کے پاس لائے۔ میں اسے دیکھا اور غلام شبر صاحب سے کہا کہ اس میں جواب تو کسی مسئلہ کا ہے نہیں۔ صرف مولوی احمد رضا خان صاحب کو سب و

(۲) صرف فقیر راقم نے ایک خط اس فتوی کے لکھنے والے مفتی صاحب کو لکھا تھا جس میں یہ امر ان کو دکھایا گیا تھا کہ ہم نے کس چیز کا اصرار کیا تھا اور اس کو آپ نے کس حد تک مانا ((یعنی ہم نے باہم تصفیہ کا کہا تھا لیکن آپ (علمائے بدایوں) اس پر آمادہ نہ ہوئے))، پھر خواہ مخواہ اس کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں کیوں بتایا جاتا ہے۔ اس سے زائد اس فتوی کا رد و جواب کچھ نہیں لکھا تھا۔ (تاج العلما حضرت مولانا) محمد میاں (مارہروی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ)

شتم ہے۔ میری رائے میں تو اس کو اس قدر جلد اور بے سوچے شائع کرنا نہیں چاہیے، بلکہ بجائے اس کے یہ ہونا چاہیے کہ آپس میں جو ذاتی رنج ہو، وہ صاف کرلیا جائے اور مسئلہ کو بھی بلا نفسانیت یکے بعد دیگرے صاف کرلیں، تو بہت اچھا ہے۔ غلام شبر صاحب نے بھی میری اس رائے کی پسندیدگی ظاہر کی اور کہا کہ اچھا، ابھی شائع نہیں ہوگا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر شائع بھی ہو، تو اس میں یہ فقرہ نہ ہو کہ جس کا مفہوم اور محصل یہ ہے کہ صاحبزادوں میں سے جو اس مسئلہ میں اس پر ہیں کہ اذان مسجد سے باہر ہو، وہ فریب اور چکر میں ہیں۔ کیوں کہ جب یہ ہوگا، تو

ہمیں بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ ہم فریب اور چکر میں نہیں، بلکہ ہمیں تحقیقاتِ علمائے سلف اور محققینِ مذہب کے اتباع سے یہ مسئلہ اسی طرح حق معلوم ہوتا ہے۔

غلام شبر صاحب وعدۂ عدمِ اشاعت کر کے چلے گئے۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اشتہار قلمی لکھوا کر شائع کر دیا گیا اور ایک درگاہِ معلیٰ کے بڑے دروازہ خانقاہ پر چپکا دیا گیا۔ اس اشتہار کو جو دیکھا، تو معلوم ہوا کہ جو چوٹ اپنے مخدوم زادوں پر کی گئی تھی، وہ بدستور ہے۔ عبدالماجد صاحب تو نہیں ملے۔ کیوں کہ وہ موافق اپنے بزرگوں کے طریقہ کے صاحبانِ سرکارِ خورد سے مراسم بہت زیادہ رکھتے ہیں اور انہیں سے ان کو دلچسپی ہے۔ مگر جو صاحب ملے، ان سے کہا گیا کہ عبدالماجد صاحب نے بے کار ہم فقیروں کو بھی اپنے خلاف لکھنے پر مجبور کیا اور باوجود منع کرنے کے ہم پر چوٹ کی کہ جس سے عوام کی نظریں ہمارا فریب اور چکر میں پھنسا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

لہٰذا وہ دلائل کہ جن سے ہم اس مسئلہ کو حق جانتے ہیں، لکھ کر پیش کرنا پڑیں گے۔ یہ سبب محمد میاں سَلَّمَهُ اللّٰه تعالٰی کے رسالہ لکھنے کا ہوا اور ہنوز محمد میاں سَلَّمَهُ اللّٰه تعالٰی نے رسالہ مکمل نہیں لکھ لیا تھا کہ بدایوں اپنے خسر کے طلبیدہ گئے۔ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں بھی اس کا ذکر آیا۔ محمد میاں سَلَّمَهُ نے بمواجہہ

مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب ومولوی عبدالقدیر صاحب و دیگر صاحبانِ مدرسہ کہا کہ آپ سب صاحب اس مسئلہ کو مجھے سمجھا دیں۔ جو حق ہوگا، وہ بلانفسانیت مان لوں گا۔ مگر کسی صاحب نے کچھ مسکن جواب نہ دیا اور واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ از روئے تحقیق بھی یہی ہے کہ اذان خارجِ مسجد ہو۔ اگر حضرت تاج الفحول قدس سرہ اس وقت پردہ فرمائے ہوئے ہماری ظاہری نظروں سے نہ ہوتے، تو اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی دلیلوں سے ثابت فرما دیتے کہ اذان مسجد کے باہر ہی چاہئے۔

محمد میاں سَلَّمہٗ نے بعد واپسی بدایوں رسالہ کی تکمیل کی اور طبع کرا کر مولانا ((عبد المقتدر)) صاحب کی خدمت میں جو اپنی تحقیقات تھی، بھیج دی۔ اس رسالہ کا نام ''مبحث الاذان'' ہے۔ اگر آپ کے پاس ہو، تو اس کو دیکھئے کہ اول سے آخر تک جناب مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کی کہیں خدانخواستہ توہین یا اہانت ہے۔ بلکہ مولانا ((عبد المقتدر)) صاحب سے رد میں خطاب بھی نہیں۔ عبدالواحد وغیرہ سے بکمالِ تہذیب انٰ کے استدلالات کے ضعف اور اپنے دلائل کی قوت بیان کی ہے۔ یہ رسالہ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کی خدمت میں چار ماہ قبل از وصال پہنچایا گیا تھا۔ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب نے اس کو دیکھا۔ مگر کسی طرح کا اپنا تکدر و ملال ہم پر ظاہر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ مولانا ((عبدالمقتدر)) صاحب کا انتقال ہوا۔ جس کے بعد مولوی عبدالماجد نے چند اور صاحبوں کی کوششِ مجموعی کے ساتھ اس کا جواب تصنیف فرمایا۔ جو ایک ابھی کے طالب علم عبدالواحد کے نام سے چھپا اور اس میں کلمات خلاف تہذیب اور شان اپنے پیرزادوں کے تحریر فرمائے۔ ہمیں اس کا گلہ نہیں۔

ہاں !ان کا یہ رسالہ اگر ان کے والدِ ماجد شہید رحمة اللّٰہ تعالٰی علیہ سے لے کر ان کے جد الامجد اور حضرت مولانا مولوی عبدالحمید صاحب قدست اسرارھم دیکھتے اور حیاتِ ظاہری میں دنیا میں تشریف فرما ہوتے، تو عبدالماجد صاحب کو معلوم ہوتا کہ وہ

حضرات مدرسہ کے لڑکوں کے نام سے اپنے پیرزادوں کو ایسا سب وشتم کرنے سے راضی ہیں یا ناراض۔اور اب بھی جس کی چشمِ بینا ہے، وہ رضا مندی اور ناراضی ان حضرات کی معلوم کر سکتا ہے۔آپ ''مبحث الاذان'' اور اس کا یہ جواب ''مباحث الاذان'' دونوں دیکھئے اور اگر پاس نہ ہو،تو مجھ سے منگوا کر دیکھئے۔تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ محمد میاں سلم سَلَّمَهٗ نے صرف ایک فرعی مسئلہ میں دلائل اپنے مضبوط پا کر اس مسئلہ کو غیر مضبوط سمجھنے والوں اور اسے فریب و چکر میں پھنسا ہوا بنانے والوں کو نہایت تہذیب سے سمجھایا ہے''۔ (اہل سنت کی آواز، جمادی الثانی ۱۴۱۷ھ)۔(یہ مکتوب حضرت تاج العلما مولانا اولادِ رسول محمد میاں مارہروی کی مرتبہ کتاب ''مفاوضات طیبہ'' (۱۳۵۴ھ) صفحہ:۱۹/۲۰/۲۱/۲۲(عکسی مطبوعہ رضائے خواجہ،اجمیر شریف) میں بھی شائع ہوا تھا)۔حضرت بحر العلوم اس خط سے معلوم ہونے والے نقاط ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''اس مفاوضہ عالیہ سے چند باتیں صاف ظاہر ہیں:

(۱)اعلیٰ حضرت رحمة اللّٰه علیه کے فتویٰ۔اذانِ خطبہ بیرونِ مسجد کے خلاف بریلی،کان پور کے وہابیوں اور اہلِ رام پور کی تحریریں شائع ہو چکی تھیں۔اہلِ بدایوں اس قضیہ میں اس وقت شریک ہوئے،جب اس مسئلہ پر ان کی گفتگو ساداتِ مارہرہ سے ہوئی۔

(۲)اہلِ بدایوں نے صاحب سجادہ حضور شاہ جی میاں صاحب کی کوشش کے باوجود اعلیٰ حضرت سے اس مسئلہ پر بالمشافہ گفتگو سے انکار کیا۔(جو عرسِ نوری کے موقع سے مارہرہ آئے تھے)البتہ بدایوں واپس ہو کر اہلِ مارہرہ کے حوالہ سے ایک فتویٰ اذان اندرونِ مسجد کی حمایت میں جاری کیا۔

(۳)اولادِ رسول حضرت محمد میاں قادری علیه رحمة الباری نے مفتی صاحب کو ایک خط کے ذریعہ سے اُسی وقت مطلع کر دیا تھا کہ فتویٰ کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(۴)اس فتویٰ کا جواب مارہرہ شریف سے شائع ہوا، نہ بریلی سے۔اس کے بعد اہلِ بدایوں نے دومزید اشتہار اور ردشائع کیے۔تب اہلِ بریلی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا۔ (اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ بدایوں و بریلی میں جو معاہدہ ایک دوسرے کے رد نہ کرنے کا ہوا تھا، اس کو پہلے کس فریق نے توڑا)۔

(۵) حضراتِ ساداتِ مارہرہ کی رائے میں اس قضیہ میں حق اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کی طرف ہے"۔(مقدمہ شمائم العنبر)

مشائخ مارہرہ سے مسئلہ اذانِ ثانی میں علمائے اہلِ سنت، بریلی کی مزید تائید ملاحظہ کرنے کے لیے حضرت تاج العلما مولانا اولادِ رسول محمد میاں مارہروی کی مرتبہ کتاب "مفاوضات طیبہ" (۱۳۵۴ھ) (عکسی مطبوعہ رضائے خواجہ، اجمیر شریف) ملاحظہ کریں۔(یہ کتاب انٹرنیٹ پر بھی موجود ہے)

جب علمائے بدایوں سے مسئلہ اذانِ ثانی پر اختلاف ہوا تو علمائے دیوبند نے اپنی سابقہ رَوِش کے مطابق اس مسئلہ کی آڑ میں اپنا غبار نکالنے کی بے تمیز کوشش کی۔ان کے اس مخالفانہ طرزِ عمل کے متعلق سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے خلیفہ مولانا عبدالسلام جبل پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہیں کہ (وہابیہ، دیابنہ):

"اس پیرایہ((انداز)) میں اپنی مستمر((جاری رہنے والی)) چہل سالہ سکوتوں((چالیس سالہ خاموشیوں)) ہزیمتوں((شکستوں)) کا عوض((بدلہ)) لینا چاہتے ہیں حَسْبُنَا اللّٰه وَ نِعْمَ الْوَکِیل"

(مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مرتب مولانا پیر محمود احمد قادری صفحہ 34 مطبوعہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

برادرِ دینی و یقینی مفتیٔ اعظم اُترکھنڈ، فاضلِ جلیل علامہ مولانا مفتی ذوالفقار خان نعیمی مدظلہ العالی اس مقدمۂ بدایوں کی روداد مرتب کرنا چاہتے ہیں، ریکارڈ ان کے پاس موجود ہے، دعا ہے کہ اللہ کریم ان کو توفیق دے کہ جلد اس کو منظرِ عام

پر لاسکیں۔

مسئلہ اذانِ ثانی پر اعلیٰ حضرت کا برحق موقف:

سیّدی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''سُنن ابی داؤد شریف میں بسندِ حسن مروی ہے: **حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر وعمر۔**

(سنن ابی داؤد جلد اصفحہ ۱۵۵ باب وقت الجمعہ، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور)

یعنی نفیلی نے بیان کیا کہ محمد بن سلمہ نے محمد بن اسحٰق سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب روزِ جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں''۔ اس حدیثِ جلیل نے واضح کر دیا کہ اس روبروئے امام پیشِ منبر کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ زمانۂ رسالت وخلفائے راشدین سے کیا متوارث ہے۔ ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہو رہی ہے مگر نصِ حدیث سے جُدا، تصریحاتِ فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہو جانا کوئی حجت نہیں۔ ہندیوں میں ایک یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں حالانکہ وہاں تو اُن تصریحاتِ ائمہ کے مقابل بین یدی وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں، پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے۔ الحمدللہ! یہاں اس سنّتِ کریمہ کا احیا رب عزّوجلّ نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا،

میرے یہاں مؤذنوں کی مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی بحمداللہ تعالیٰ منبر کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے۔ جس طرح زمانۂ اقدس حضورِ پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم میں ہوا کرتی تھی ذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم والحمدللہ رب العلمین (ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریف ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے) بعض دیگر جن سے سائل نے دوسرا قول نقل کیا اگرچہ اتنا سمجھے کہ بین یدی سے داخلِ مسجد ہونا اصلاً مفہوم نہیں ہوتا مگر کتابوں پر نظر ہوتی تو خلافِ تصریحاتِ علمایہ ادعانہ ہوتا کہ مسجد کے اندر مکروہ نہیں، ۱۳۰۲ ہجریہ میں فقیر بہ نیتِ خاک بوسی آستانہ علیہ حضرت سلطان الاولیا محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بریلی سے شدالرحال (سفر کر کے) کر کے حاضر بارگاہِ غیاث پور شریف ہوا تھا۔ دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا، اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی۔ فقیر نے حسبِ عادت کہ جو امر خلافِ شرعِ مطہر پایا مسئلہ گزارش کر دیا اگرچہ اُن صاحب سے اصلاً تعارف نہ ہو۔ ان مؤذن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، کہا، کہاں لکھا ہے؟ میں نے ''قاضی خان''، ''خلاصہ''، ''عالمگیری''، ''فتح القدیر'' کے نام لئے، کہا ہم اُن کی نہیں مانتے، فقیر سمجھا کہ حضرت طائفۂ غیر مقلدین سے ہیں، گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جل جلالہٗ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع واعلیٰ ہے آپ انہی کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے چپراسی، مدعی، مدعا علیہ، گواہوں کی حاضری، کچہری کے کمرے کے اندر کھڑا ہو کر

پکارتا ہے یا باہر؟ کہا باہر، کہا اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہرے گا یا نہیں؟ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب اُن کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کرلیا۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست (ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہے) الحمد للہ حق واضح ہوگیا''۔

(''اوفی اللمعة فی اذان یوم الجمعة'' صفحہ ۸،۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ۲۶۔ کامیکر اسٹریٹ، بمبئی۔ ایضاً فتاویٰ رضویہ جلد ۸ کتاب الصلاۃ مطبوعہ جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمة اللّٰہ تعالٰی علیه نے مسئلہ اذانِ ثانی پر نہایت وقیع دلائل جمع کر کے اُمت کے سامنے پیش کیے۔ اور ایک سنت کو زندہ کرنے کے لئے آواز اُٹھائی اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین اور مجدد کے متعلق حضور صلی اللّٰه علیه وسلم نے پہلے ہی یہ بیان فرمادیا ہے:

ان اللّٰه تعالٰی یبعث لهذه الامة علٰی رأس کل مائة سنة من یجدد لها دینها ۔ (ابوداؤد، کتاب الملاحم ۲/۲۳۳، المستدرک ۴/۵۲۲)

ترجمہ ''بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی پر ایسے شخص کو قائم کرے گا جو اس دین کو از سرِ نو نیا کردے گا۔''

مسئلہ اذانِ ثانی پر راقم کے پاس موجود کتب کی فہرست:

اعلیٰ حضرت اور دیگر علمائے اہلِ سنت و جماعت کی طرف سے مسئلہ اذانِ ثانی کے متعلق لکھی گئی اُن کتب کے نام ملاحظہ فرمائیں، جو راقم کے پاس موجود ہیں۔

1- ''شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر''

مؤلف سیّدی اعلیٰ حضرت رحمة اللّٰہ تعالٰی علیه۔ مطبوعہ نوری کتب خانہ، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور۔

2- ''أوفى اللمعة فِي أذانِ يَوْم الجُمُعَة''

مؤلف سیّدی اعلیٰ حضرت رحمة اللّٰه تعالیٰ علیہ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ۲۶ کامبیکرا سٹریٹ، بمبئی۔

3- ''أَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ لِقِيَامِ سُنَّةِ نَبِي اللّٰهِ''

از افادات سیّدی اعلیٰ حضرت رحمة اللّٰه تعالیٰ علیہ، مرتب مولانا محبوب علی خان لکھنوی مطبوعہ رضوی کتب خانہ، بازار صندل خان، بریلی شریف۔ ایضاً مطبوعہ دار الرضا، لاہور۔

4- ''اَجلٰی انوار الرضا''

مؤلف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمة اللّٰه تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی بار اوّل۔ ایضاً مطبوعہ نوری کتب خانہ، بازار داتا دربار، لاہور۔

5- ''سدُّ الفرار علی الصید الفرار''

مؤلف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمة اللّٰه تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی بار اوّل ایضاً مطبوعہ دار العلوم رضائے خواجہ، اجمیر شریف۔

6- ''سلامة اللّٰه لاهل السنة من سيل العناد و الفتنة''

مؤلف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمة اللّٰه تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع اہل سنت، بریلی بار اوّل۔

7- ''مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ''

مؤلف حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا حامد رضا خان رحمة اللّٰه تعالیٰ علیہ مطبوعہ اہل سنت و جماعت، بریلی۔

8- ''وقاية اهل السنة عن مكر ديوبند و الفتنة''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی بار اوّل۔

9- ''مقتل کذب وکید''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی بار اوّل۔

10- ''مقتل اکذب اجہل''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی۔

11- ''نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی بار اوّل۔

12- ''النکۃ علیٰ مِرَاء کلکتہ''

مؤلف مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت، بریلی۔

13۔ ''التحقیق الحسان فی احکام الاذان'' بجواب ''تنشیط الاذان''

مؤلف مولانا عرفان علی قادری بیسلپوری رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ حسنی پریس، بریلی۔ بار اوّل۔

14- ''اذانِ خطبہ کہاں ہو؟''

مؤلف حافظ عبد الحق خان رضوی مطبوعہ دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، گھوسی، ضلع مئو۔

15- ''اَلمَکَالِمَہ فی الاذانِ الثَانِیْ یَومِ الْجُمعَہ''

از محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ مطبوعہ انجمن اشاعت الحق، بانڈ ہولی، شہر بنارس۔

16- ''مسئلہ اذانِ ثانی جمعہ پر ایک دلچسپ مکالمہ''

مابین صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی و مولانا معین الدین اجمیری

(ہفت روز دبدبۂ سکندری، رام پور ۴ دسمبر ۱۹۱۶ء نمبر ۲ جلد ۵۳ صفحہ ۳ تا ۶، مشمولہ کتاب ''تین تاریخی بحثیں مولف ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی مطبوعہ برکاتِ رضا فاؤنڈیشن، ممبئی)

17۔ ''مبحث الاذان''

مؤلف حضرت علامہ مولانا محمد میاں قادری برکاتی مارہروی رحمۃ اللہ تعالی علیہ مطبوعہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ (صفحات 32)

18۔ ''اذانِ جمعہ مسجد میں مکروہ ہے''

مؤلف مولانا فیض احمد اویسی بہاولپوری مطبوعہ قطب مدینہ پبلشرز، عطاری کتب خانہ، شہید مسجد، کھارادر، کراچی

19۔ ''اذانِ خطبہ کا مسنون مقام''

مؤلف مولانا شہادت حسین نوری مطبوعہ دارالعلوم انوار المصطفیٰ، اسٹیشن روڈ شاہ آباد ضلع ہردوئی، یوپی (صفحات ۱۷۵)۔ اگر اللہ کریم نے چاہا تو ان سب کتب کا مجموعہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا تاکہ یہ علمی مواد یکجا محفوظ ہو جائے۔

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کا فریب:

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف اپنا غبار نکالتے ہوئے لکھا ہے:

''جمعہ کی اذانِ ثانی کو مسجد سے باہر کرنے کے لئے سب سے پہلے مولانا احمد رضا خان اُٹھے اور حضرت عثمان سے اختلاف کیا جو مسئلہ شیعہ کے سوا کسی کے ہاں اختلافی نہ تھا اسے اختلافی بنا دیا۔''

(مطالعہ بریلویت، جلد ۷، صفحہ ۴۷ دار المعارف، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور)

ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کے فریب کا مدلل جواب:

☆ ڈاکٹر صاحب نے حسبِ عادت ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کو شیعہ کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے۔ تا کہ آپ کو موردِ طعن بنایا جاسکے۔لیکن ڈاکٹر صاحب اپنے اس مذموم مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے کیوں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ نے اذانِ ثانی کے جائز ہونے کا انکار نہیں کیا، بلکہ اذان دینے کی جگہ کے متعلق سنتِ رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم وسنتِ خلفائے راشدین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم سے ثابت حق موقف بیان کیا ہے۔(اس مسئلہ پر اعلیٰ حضرت کا مؤقف پہلے صفحات میں نقل کیا جاچکا ہے) جب کہ اس کے برعکس شیعہ تو اصلاً اس اذان کو جائز ہی نہیں مانتے بلکہ بدعتِ عثمانی کہتے ہیں۔شیعہ کے مزعومہ ''اعلم العُلماءِ والمجتھدین رئیس المِلّة وَالدِّین زعیم الحوزة العِلمِیّة آیة اللّٰہ العظمیٰ '' سید علی حسینی سیستانی کے فتاویٰ پر مشتمل کتاب ''توضیح المسائل'' میں جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

''جمعہ کے دن کی دوسری اذان بدعت ہے''

(توضیح المسائل صفحہ 122 مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پوسٹ بکس نمبر 5425 کراچی، پاکستان)

☆ شیعہ کے علاوہ معترض ومعاند ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی کے ہم مسلک مولوی ابوبکر غازی پوری دیوبندی صاحب نے بھی اذانِ ثانی کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذانِ عثمانی کو شیعہ بدعت کہتے ہیں یا غیر مقلدین۔ ابوبکر غازی پوری دیوبندی کے مقالہ کے چار اقتباسات ذیل میں ملاحظہ کریں:

پہلا اقتباس:

''تمام محدثین وفقہا اور پوری ملتِ اسلامیہ اِس اذان کو مسنون مانتی ہیں اور

پورے عالمِ اسلام میں صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک اس اذان پر عمل ہو رہا ہے، اہلِ سنت کی تمام مساجد میں جمعہ کی دو اذان ہوتی ہے، البتہ امت کے اس اجماعی عمل کے خلاف شیعوں نے اس اذان پر بدعت ہونے کا حکم لگایا ہے اور انہیں کی اتباع و تقلید میں غیر مقلدین بھی اس اذان کو بدعت قرار دیتے ہیں اور نام رکھے ہوئے ہیں اہلِ حدیث اور سلفی۔''

(دوماہی مجلہ ''زمزم'' غازی پور، انڈیا، جلد ۳ شمارہ ۳ صفحہ ۴۷)

دوسرا اقتباس:

''ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''منہاج السنہ'' جلد ثالث ص ۲۰۴ و ۲۰۵ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شیعہ رافضی کا یہ کہنا کہ جمعہ کی اذانِ عثمانی بدعت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ بدعت تھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس بدعت کو ختم کیوں نہیں کر دیا۔ اگر یہ اذان بدعت تھی تو کسی صحابی نے اس پر انکار کیوں نہیں کیا؟ اگر شیعہ اور رافضی یہ کہتے ہیں کہ یہ اس لیے بدعت ہے کہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، حضرت عثمان نے اس کو بادلیلِ شرعی جاری کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان رافضیوں اور شیعوں کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان نے اس کو بلا دلیلِ شرعی جاری کیا؟ اگر تمہیں اس کی دلیل شرعی نہیں معلوم تو کیا ضروری ہے کہ حضرت عثمان کو بھی اس کی دلیلِ شرعی معلوم نہ ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ: 'حضرت عثمان کا یہ وہ فعل تھا جس کو ساری امت نے بالاتفاق قبول کیا ہے چاروں مذاہب والوں کا اس پر عمل ہے جیسا کہ تمام امت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تراویح والے عمل کو ایک امام کے پیچھے با جماعت تراویح پڑھنا بالاتفاق قبول کر لیا ہے اور آج تک ساری امت اسی طرح تراویح پڑھتی ہے'، ابن تیمیہ مزید فرماتے

ہیں: و کلهم متفقون علی اتباع عمر و عثمان فیما سناه یعنی ساری امت حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللّٰہ عنہما کے مسنون و جاری کردہ عمل کو بالاتفاق قابلِ اتباع سمجھتی ہے۔ تعجب ہے کہ جماعت غیر مقلدین شیعوں کی اتباع و تقلید میں ایک ایسے عمل کو بدعت قرار دیتی ہے جس کو ساری امت نے سنت سمجھ کر قبول کیا ہے اور اس لیے اس کو سنت سمجھا ہے کہ خلفائے راشدین کا کوئی عمل بدعت نہیں ہوتا ہے بلکہ بحکم رسول اللہ وہ سنت ہی ہوتا ہے"۔ (دوماہی مجلّہ "زمزم" غازی پور، انڈیا صفحہ جلد ۳ شمارہ ۳، 48)

تیسرا اقتباس:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ اذان کو بدعت شرعی قرار دینا کسی اہل سنت والجماعت سے متصور نہیں ہو سکتا، یہ صرف شیعوں رافضیوں اور غالی اور متشدد قسم کے غیر مقلدین کا عقیدہ ہے۔ میں نے غالی و متشددین کی بات اس لیے کی ہے کہ سنجیدہ غیر مقلدین بھی اس اذانِ عثمانی کو بدعت نہیں قرار دیتے بلکہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔"

(دوماہی مجلّہ "زمزم" غازی پور، انڈیا جلد ۳ شمارہ ۳ صفحہ 49,50)

چوتھا اقتباس:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاری کردی اذان کو بدعت کہنا جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں بڑی جرأت اور بڑی جسارت اور خلفائے راشدین کی شان میں نہایت گستاخی ہے۔"

(دوماہی مجلّہ "زمزم" غازی پور، انڈیا، جلد ۳ شمارہ ۳ صفحہ 53)

مولوی ابوبکر غازی پوری دیوبندی صاحب کے ان اقتباسات سے ثابت ہوا کہ شیعہ اور غیر مقلدین اذانِ ثانی کو جائز ہی نہیں مانتے۔ جب کہ اعلیٰ حضرت اس

کو جائز مانتے ہیں (اس مسئلہ پر اعلیٰ حضرت کا مؤقف آپ پہلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں)۔ ڈاکٹر صاحب نے حسب عادت جو الزام اعلیٰ حضرت پر لگایا بحمدہٖ تعالیٰ اس کی خوب تردید ہوگئی۔

مسئلہ اذانِ ثانی پر تعامل کے متعلق دیوبندی اعتراض کا جواب دیوبندی علما سے:

رہا دیوبندیہ کا یہ اعتراض کہ اذان ثانی کے داخلِ مسجد ہونے پر تعامل و توارث رہا ہے۔ تو اس کا جواب پیش ہے۔ دیوبندیوں کے مزعومہ ''امام'' اور ''فقیہ النفس'' مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب نے جماعتِ ثانیہ کے متعلق اپنے رسالہ میں لکھا ہے:

''قرونِ ثلاثہ کے بعد کسی قرن میں بغیر کسی حجت شرعیہ قائم کئے کسی مصلحت کی وجہ سے کوئی بات پیدا ہوگئی اور اخلاف نے اسلاف کے اتباع کی وجہ سے اس پر عمل شروع کر دیا اور ہوتے ہوتے وہ مسلمات اور ضروریات کے درجے تک پہنچ گیا کہ چھوڑنا ضروریات دین کو چھوڑنے کے برابر خیال کیا جانے لگا تو اس صورتِ عمل کو رواج کہتے ہیں یہ کوئی دلیل نہیں ہوتی اور ہرگز قابل التفات نہیں ہوتا اگرچہ علماء نے بھی بلا تردد اس پر عمل کیا ہو۔''

(القطوف الدانیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ صفحہ ۳۰۰ ادارہ اسلامیات ۱۹۹۰ انارکلی لاہور)

اسی سلسلہ گفتگو میں چند سطر بعد رشید گنگوہی صاحب نے مزید لکھا ہے:

''توارثِ اجماعی بھی اُس وقت معتبر ہوتا ہے جبکہ تعامل صحابہ اور قرون ثلاثہ کے خلاف نہ ہو اور ''مارآہ المسلمین'' اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی، فعلی، تقریری اور صحابہ کرام و تابعین ابرار و مجتہدین عظام علیہم الرضوان سے اس میں کوئی تصریح نہ ہو اور اگر ہو تو پھر مسلمانوں کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کو اس میں دخل نہ ہوگا حتیٰ کہ مجتہدین کا اجتہاد بھی معتبر نہ ہوگا چنانچہ شارح منیہ نے کہا ہے کہ روایت کے خلاف

درایت لینا مناسب نہیں ہے۔''

(القطوف الدنیہ مشمولہ تالیفات رشیدیہ صفحہ ۷۷، ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی کے نام سے شائع کتاب ''براہین قاطعہ'' کے چار اقتباسات ملاحظہ کریں جن میں لکھا ہے:

''اگر کروڑ اہل علماء بھی فتویٰ دیویں بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں اگر کچھ بھی علم وعقل ہو تو ظاہر ہے۔''

(براہین قاطعہ صفحہ 169 مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

''جو ایک دو عالم موافق نصوصِ شرعیہ کے فرمادے اور اس کی تمام دنیا مخالف ہو کر کوئی بات خلاف نصوص اختیار کرے تو وہ ایک دو ہی عالم مظفر منصور اور عند اللہ مقبول ہوویں گے۔''

(براہین قاطعہ صفحہ 169 مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

''ارشاد فخر عالم ہے کہ جو موافق کتاب وسنت کے کہے وہ طائفہ قلیلہ اگرچہ رجل واحد بھی ہو وہ علی الحق اور اس کی مخالف تمام دنیا بھی ہو تو مردود ہے۔''

(براہین قاطعہ صفحہ 169 مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

''طریقہ صحابہ کا حسب ارشادان احادیث کے میزان ہے جس کا طریقہ اور قول وضع صحابہ کے موافق ہے وہی حق ہے الحاصل مثل آفتاب نصف النہار کے واضح ہو گیا کہ اکثر المسلمین اور جماعت کثیرہ اور سواد اعظم اہل السنت والجماعت ہیں اور ان کا طریقہ موجب نجات اور سنت ہے اور اس کے ہی التزام کا حکم ہے پس جو اس کے موافق ہے اگرچہ ایک ہی عالم ہو وہ سوادِ اعظم اور حق ہے اور جو اس کے خلاف کہے اگرچہ تمام عالم ہو باطل ہے۔''

(براہین قاطعہ صفحہ 171، 172 مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

مولوی حکیم اسحاق بلیاوی دیوبندی صاحب نے تعامل کے متعلق لکھا ہے:

''غیر مشروع امور عرف وعادت سے مشروع نہیں ہو جایا کرتے''

(قاطع الورید من المبتدع العنید ملقب بہ الابداع فی مسئلۃ خطبۃ الوداع صفحہ ۸۹ مطبوعہ بلالی سٹیم پریس ،ساڈھورہ)انہی دیوبندی مولوی صاحب نے اپنی کتاب کے آخری صفحہ پر مزید لکھا ہے:

''مسلمانوں میں جو چیز خلاف شرع رواج پا جاوے وہ رواج سے جائز نہیں ہو سکتی''

(قاطع الورید من المبتدع العنید ملقب بہ الابداع فی مسئلۃ خطبۃ الوداع مطبوعہ بلالی سٹیم پریس ،ساڈھورہ)

مولوی رشید احمد گنگوہی ،مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اسحاق بلیاوی دیوبندی کے پیش کئے گئے ان اقتباسات سے یہ واضح ہوگیا کہ اگر کسی مسنون فعل کے خلاف کوئی فعل رواج پا جائے حتیٰ کہ مجتہدین بھی اس کے حق میں فتویٰ دے دیں، تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔لہٰذا اذانِ ثانی کے متعلق تعامل والا شبہ ہرگز قابلِ مسموع نہیں۔کیونکہ مولوی عبدالشکور لکھنوی، مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی اور دیگر دیوبندیوں کے پیش کیے گئے حوالہ جات سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے دور میں خارجِ مسجد ہوتی تھی۔ہشام بن عبدالملک نے اس کو داخلِ مسجد کیا۔تعامل کے متعلق مزید وضاحت سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمہ کی کتاب ''شمائم العنبر'' کے چوتھے شمامہ کا صفحہ ۹ تا ۱۴ ملاحظہ کریں۔

حضرت علامہ عبدالحیٔ لکھنوی سے اعلیٰ حضرت کی تائید:

حضرت علامہ عبدالحیٔ لکھنوی (جو کہ علمائے دیوبند کے ہاں بھی مستند تسلیم کیے جاتے ہیں) نے بھی مسئلہ اذانِ ثانی میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بلاشبہ ابوداوٗد کی روایت سے یہ امر ثابت ہے کہ اذانِ ثانی خارجِ مسجد روبروئے خطیب ہوتی تھی فان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے تو آپ کے روبرو مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی۔"

(فتاویٰ عبدالحی ص ۲۲۹، ناشر ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک، کراچی۔ اردو ترجمہ مفتی برکت اللہ لکھنوی)

مولانا عبدالحی لکھنوی کے اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ دورِ رسالت میں جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہوتی تھی۔

سرِدست اس مضمون میں سیدی اعلیٰ حضرت کے بغیض علمائے دیوبند کے موقف کی تردید اور اعلیٰ حضرت کے موقف کی تائید دیوبندی اور غیر مقلد وہابی علماء سے پیش کی جارہی ہے تاکہ اس مسئلہ میں بھی سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے موقف کی حقانیت ان کے مخالفین پر واضح ہو سکے کہ اگرچہ علمائے دیوبند نے اس مسئلہ میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اختلاف کیا لیکن پھر بھی بعض دیوبندی اکابر علماء کو سیدی اعلیٰ حضرت کے موقف کی صداقت کو تسلیم کرنے کے سوا چارہ نظر نہ آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں جمعہ کی دوسری اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی: مولوی عبدالشکور لکھنوی دیوبندی

1- امام الدیابنہ مولوی عبدالشکور دیوبندی صاحب نے اپنی کتاب "علم الفقہ" میں جمعہ کی دوسری اذان کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ اذان بھی مسجد کے اندر نہ ہوتی تھی مگر عبدالملک نے اپنے زمانہ میں اس کو مسجد کے اندر داخل کرا لیا۔"

(علم الفقہ صفحہ ۱۶۰، حصہ دوم، دارالاشاعت، اردو بازار کراچی)

ضروری نوٹ: نام کے متعلق یہاں مولوی عبدالشکور لکھنوی سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ صحیح نام ہشام بن عبدالملک ہے۔

اذانِ ثانی پر صحابہ کا اتفاق ہے: مولوی ادریس کاندھلوی دیوبندی

2۔ مولوی ادریس کاندھلوی دیوبندی صاحب نے اپنی کتاب میں اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

''تمام صحابہ کرام مہاجرین اور انصار نے حضرت عثمانؓ کے اس عمل کو مستحب اور مستحسن سمجھا اور حضرت علیؓ نے بھی اس کی موافقت فرمائی حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس اذانِ ثانی کو برقرار رکھا اور اسی پر تمام مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے۔''

(خلافت راشدہ صفحہ 144 مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ، فیروزپور روڈ لاہور)

مذکورہ بالا اقتباس میں مولوی ادریس کاندھلوی دیوبندی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ جمعہ کی اذانِ ثانی کے جائز ہونے پر تمام صحابہ اور مذاہبِ اربعہ کا اتفاق ہے۔ اور مولوی ادریس کاندھلوی دیوبندی کے اس اقتباس سے پہلے مولوی عبدالشکور لکھنوی دیوبندی کی کتاب ''علم الفقہ'' کا اقتباس نقل کیا ہے، جس میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ اذان مسجد میں نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا دونوں حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے۔ اس لیے اگر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد سے باہر ہونے کا فتویٰ دیا ہے تو یہ بالکل برحق ہے اور اعلیٰ حضرت کے بغض میں دیوبندی علما کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاقی عمل کی مخالفت کرنا سراسر غلط ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی: یالن حقانی دیوبندی

3۔ قاری طیب دیوبندی، سابق مہتمم دیوبند اور دیگر دیوبندی علما کی تائید کردہ کتاب

''شریعت یا جہالت'' میں مسئلہ اذانِ ثانی کے متعلق پالن حقانی دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

''ابن الحاج محمد مالکی نے اپنی کتاب ''مدخل'' میں لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان میں سنت طریقہ یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اذان دینے والا مینارہ پر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں یہی طریقہ تھا۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک اذان اور زیادہ کردی گئی۔ جو زوراء پر ہوتی تھی (زوراء مدینہ منورہ کے بازار کو کہتے ہیں) اور وہ اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی وہ مینار پر ہی ہوتی رہی، (یعنی چھت پر) پھر جب ہشام بن عبدالملک والی ہوا (یعنی حاکم بن بیٹھا) تو اُس نے اس اذان کو جس کی ابتداء عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہوئی تھی مینارہ پر کردی۔ اور اُس وقت تک مؤذّن ایک ہی ہوتا تھا جو اذان زوال کے بعد دیتا تھا۔ پھر امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت۔ جو اذان مینارہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے شروع زمانہ میں ہوتی تھی اُس کو امام کے سامنے کردیا (حاشیہ شرح وقایہ عربی جلد اوّل ص ۲۴۵، باب الجمعہ) میرے عزیز دوست! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہی اذان تھی جو مسجد کی چھت پر ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے تک یہی دستور رہا، اس کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی تو آپ نے ایک اذان زیادہ کردی اور وہ اذان مدینہ منورہ کے بازار میں ہوتی تھی۔ پھر ہشام بن عبدالملک جب تخت پر بیٹھا تو اس نے بازار والی اذان کو مینارہ پر کردیا، اور جو اذان مینارہ پر ہوتی تھی اس کو مسجد کے اندر منبر کے سامنے کردیا اور اس عمل کو سبھوں نے پسند کرلیا، کسی نے

اس کی مخالفت نہیں کی۔ تو اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جمعہ کی اذان جو منبر کے سامنے ہوتی ہے وہ بھی جائز ہے اور مسجد کے باہر دیں تو بھی جائز ہے''

(شریعت یا جہالت صفحہ 505،506 مطبوعہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ، کراچی۔ 1981ء)

علمائے دیوبند کی تائید کردہ کتاب'' شریعت یا جہالت'' سے ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی دور میں اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی۔ ہشام بن عبدالملک نے اذان کو داخلِ مسجد کیا۔ اب آپ ہی بتایئے اعلیٰ حضرت نے اگر یہ فرمایا ہے کہ'' اذان مسجد سے باہر ہو'' تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سنت کا احیا ہی کیا ہے اس میں کون سی غلط بات ہے؟۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق اعلیٰ حضرت کا مؤقف درست ہے: انور شاہ کشمیری دیوبندی

4۔ علمائے دیوبند کے مزعومہ ''امام اعظم'' مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب نے بھی مسئلہ اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر ہونے کے سلسلہ میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مؤقف کو درست قرار دیا۔ مولوی احمد رضا بجنوری دیوبندی صاحب نے اپنے استاد مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب سے نقل کیا ہے کہ کشمیری صاحب نے کہا:

''تقریباً بیس اکیس سال پہلے احمد رضا خان نے اذانِ ثانی للجمعہ کے خارجِ مسجد ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور صرف یہی مسئلہ ہے کہ اس نے حق کہا ہے۔''

(انوار الباری، باب الاذان یوم الجمعہ، جلد ۷ صفحہ ۱۲۸، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان)

ابوداؤد کی حدیث سے اعلیٰ حضرت کا مؤقف ثابت ہے: مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی

5۔ اس کے بعد کشمیری صاحب نے مسئلہ اذان ثانی کے متعلق سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کے موقف کی تائید کرتے ہوئے مزید کہا:

''حضرت مولانا شیخ الہند سے میری اس مسئلہ میں گفتگو ہوئی اور میں نے ان سے بھی یہی بات کہی تھی ... کہ یہ بات اس نے حق کہی ہے کیونکہ ابوداؤد میں تصریح کی ہے کہ حضور اکرم ... کے زمانہ میں اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی (اندر نہ ہوتی تھی) اور اندر ہونے کی اصل بنی امیہ سے ہے۔''

(انوار الباری باب الاذان یوم الجمعہ جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۸، ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

اذان ثانی کے مسجد میں ہونے کے متعلق کسی کے پاس مذاہب اربعہ سے کوئی دلیل نہیں: انور شاہ کشمیری دیوبندی

6۔ اذان ثانی کے متعلق کشمیری دیوبندی صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''میں حیران رہا اور سمجھا کہ ((اذان ثانی کے داخل مسجد ہونے کے متعلق)) اور کسی کے پاس کچھ سامان تو تھا نہیں۔''

(انوار الباری باب الاذان یوم الجمعہ جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۸، ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

7۔ اسی ''انوار الباری'' میں ایک اور مقام پر اسی طرح کی بات لکھی ہے جس میں انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب نے کہا:

''چاروں مذاہب میں اندر ہونے کا سامان نہیں۔''

(انوار الباری باب الاذان یوم الجمعہ جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں دینا بنی امیہ کا عمل ہے یہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے: انور شاہ کشمیری دیوبندی

8۔ اسی سلسلہ گفتگو میں انور شاہ کشمیری صاحب نے اذان ثانی کے داخل مسجد ہونے کو روکنے کے لیے کہا ہے:

''بنی امیہ کے عمل کو رد کرنا چاہیے تھا مگر اب تک اسی پر عمل ہوتا آیا۔''

(انوار الباری باب الاذان یوم الجمعہ جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

مولوی عبدالشکور لکھنوی دیوبندی، مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی اور پالن حقانی دیوبندی کے پیش کیے گئے مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہو کہ جمعہ کی اذان ثانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کے ادوار میں مسجد سے باہر دی جاتی تھی۔ لیکن ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی نے لکھا ہے:

''جمعہ کی اذان منبر کے سامنے یہ اذان حضرت عثمان کے وقت سے مسجد میں ہو رہی ہے''

(مطالعہ بریلویت ،جمعہ صفحہ ۲۰۷ دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور)

ڈاکٹر صاحب کی اس بات کی تردید کے لیے ان کے اپنے دیوبندی علما کے پیش کیے گئے اقتباسات ہی کافی ہیں۔

9۔ جمعہ کی اذان ثانی مسجد سے باہر بھی جائز ہے: مفتی کفایت اللہ دیوبندی

پالن حقانی دیوبندی صاحب نے اذان ثانی کے متعلق دیوبندی فرقہ کے مزعومہ مفتی اعظم مولوی کفایت اللہ دہلوی صاحب کا موقف بھی نقل کیا ہے، ملاحظہ کریں:

''صدر مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی کا فتویٰ۔ سوال: خطبہ کی اذان کس جگہ ہونی چاہیے؟ جواب: خطیب کے سامنے ہونی چاہیے منبر کے پاس ہو، یا ایک دو صفوں کے بعد یا ساری صفوں کے بعد، مسجد میں ہو یا باہر، ہر طرح جائز ہے۔ (تعلیم الاسلام حصہ چہارم ص ۲۹ جمعہ کی نماز کے بیان میں)''

(شریعت یا جہالت صفحہ 506 مطبوعہ ادارہ اشاعت دینیات مولوی مسافر خانہ بمبئی۔ 1981ء)

قارئین نے یہ اقتباس بھی ملاحظہ فرمایا جس میں دیوبندی مفتی نے لکھا ہے کہ اذان مسجد کے اندر بھی جائز ہے اور باہر بھی۔ حالانکہ ان کو لکھنا چاہیے تھا کہ مسجد سے باہر اذان دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کی سنت سے ثابت ہے۔ اس لیے اذان مسجد سے باہر ہی دی جائے۔ لیکن مفتی صاحب نے ایسا نہیں

سنت۔ حیرانگی ہے کہ یہی دیوبندی معمولاتِ اہلِ سنت میلاد، فاتحہ، عرس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کے افعال سے ثبوت طلب کرتے ہیں لیکن مسئلہ اذانِ ثانی پر ان کا معیار بدل جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کی سنت کی بجائے ہشام بن عبدالملک کی سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور سنت نبوی کا احیا کرنے والے عالم ربانی اعلیٰ حضرت پر تبرا کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب نے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو موردِ طعن ٹھہراتے ہوئے لکھا ہے:

''جمعہ کی اذانِ ثانی کو مسجد سے باہر کرنے کے لئے سب سے پہلے مولانا احمد رضا خان اٹھے۔''

(مطالعہ بریلویت، جلد ۷ صفحہ ۴۷، دارالمعارف الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور)

ڈاکٹر صاحب بتائیے، کیا دیوبندی مذہب میں سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کرنا بھی قابلِ طعن سمجھا جاتا ہے؟

مسجد میں اذان کے قائلین سے زبردست مطالبہ:

سیدی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''حاشیہ طحطاوی میں ہے: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم، فان لم یکن ثمہ، مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد کما فی الفتح۔

یعنی ''مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں نظم سے منقول ہے تو اگر وہاں اذان کے لئے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد کے آس پاس اُس کے متعلق زمین میں اذان دے جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں ہے''۔ (حاشیۃ

الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،باب الاذان،صفحہ ۲۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی) یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلا قید ہیں جن میں جمعہ وغیرہا کسی کی تخصیص نہیں، مدعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحہ معتمدہ میں اذانِ ثانی جمعہ کا استثناء دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکے گا"۔

(اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ صفحہ ۴، ۵ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ۲۶۔ کامبیکر اسٹریٹ، بمبئی۔ ایضاً فتاوی رضویہ جلد ۸ کتاب الصلاۃ مطبوعہ جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

سیّدی اعلیٰ حضرت کے اس زبردست مطالبہ کی روشنی میں اب ذیل میں وہ حوالہ جات پیش کیے جا رہے ہیں جن میں دیوبندی علما نے مطلقاً تسلیم کیا ہے کہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے۔

اذان مسجد سے باہر دینا سنت ہے: پالن حقانی دیوبندی

10۔ قاری طیب دیوبندی سابق مہتمم دیوبند اور دیگر دیوبندی علماء کی تائید کردہ کتاب ''شریعت یا جہالت'' میں پالن حقانی دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

''سنت یہ ہے کہ اذان اونچی جگہ دے مسجد کے اندر نہیں بلکہ میذنہ (منارہ یا اذان دینے کی جگہ۔میثم قادری)) پر یا مسجد سے باہر ہونی چاہیے۔'' (عین الہدایہ جلد نمبر 1 ص 295 باب الاذان، اور عالمگیری جلد 1 ص 75 باب الاذان میں بھی ہے)۔''

(شریعت یا جہالت صفحہ 505 مطبوعہ دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔ 1981ء)

اس اقتباس میں ''عین الہدایہ'' اور ''فتاوی عالمگیری'' کے حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے۔

اذان کا مسجد سے باہر دینا اولیٰ ہے: مفتی شیخ فرید دیوبندی

11۔ علمائے دیوبند کے مزعومہ ''محدثِ کبیر'' اور ''فقیہ العصر'' مفتی شیخ فرید صاحب نے بھی اذان کے متعلق لکھا ہے:

''اذان کا مسجد سے باہر دینا اولیٰ ہے۔''

(فتاویٰ فریدیہ جلد دوم صفحہ ۱۸۱ ناشر مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی)

اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے: مفتی عبدالحق دیوبندی

12۔ مفتی عبدالحق دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

''بہتر یہ ہے کہ اذان مسجد سے باہر اونچی جگہ پر دی جائے لان بلالا رضی اللہ عنہ کان یوذن علی بیت امرء ة من بنی النجار و کان اطول بیت حول المسجد کما فی ابی داؤد ص ۷۷ وفی الھندیہ ص ۵۷ جلد ا و ینبغی ان یوذن علی الماذنة او خارج المسجد و لا یوذن فی المسجد کذا فی فتاوی قاضی خان''

(فتاویٰ حقانیہ، جلد ۳ صفحہ ۱۹۳، ناشر جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

اذان مسجد سے باہر دینی مستحب ہے: مولوی تنویر احمد شریفی دیوبندی

13۔ مولوی تنویر احمد شریفی دیوبندی صاحب نے لکھا ہے:

''اذان مسجد کے باہر دینا مستحب ہے۔''

(انگوٹھے چومنے کا مسئلہ دیوبندی عدالت میں صفحہ ۲۲ ناشر الامین مسلم آباد دیو [illegible] کراچی)

مسجد میں اذان دینی مکروہِ تنزیہی ہے، دورِ رسالت میں مسجد سے باہر دی جاتی تھی: مولوی شکیل حقانی دیوبندی

14۔ مولوی شکیل احمد حقانی دیوبندی خلیفۂ مجاز مفتی فرید دیوبندی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اذان پنجگانہ خارج عن المسجد ((مسجد سے باہر)) ہوتی تھی''

(اذان کے ۱۰۰ مسائل صفحہ ۸۲ پبلشرز نیو کیپل پرنٹنگ پریس، اسد مارکیٹ، نیو [illegible] مردان طبع ۲۰۰۴ء)

مولوی شکیل حقانی دیوبندی صاحب نے مزید لکھا ہے۔

''مسجد میں اذان دینا خلافِ اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اذان میں رفع صوت (آواز بلند کرنا) اور صیاح (چیخنا) ہوتا ہے جو آدابِ مسجد کے خلاف ہے اور مسجد محل مناجاتِ الٰہی ہے اس لیے مسجد میں بلند آواز سے بولنا مناسب نہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اپنی مسجد کو اپنے بچوں، دیوانوں اور آوازوں کے اونچا کرنے سے بچاؤ''

(اذان کے احکام و مسائل صفحہ ۸۳ پبلشرز: نیو سہیل پرنٹنگ پریس، اسد مارکیٹ، نیواڈہ، مردان طبع ۲۰۰۴ء)

اذان مسجد سے باہر دینی چاہیے:

15۔ دیوبندیوں کی طرف سے شائع کردہ مُلا علی قاری مکی ہروی کی کتاب ''الحزب الاعظم'' کے حاشیہ پر لکھا ہے:

''جو شخص اذان دینا چاہے اسے چاہیے کہ پاک صاف ہو کر کسی بلند مقام پر مسجد سے علیحدہ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو''

(الحزب الاعظم صفحہ 185 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی)

اذانِ ثانی کے خارج از مسجد ہونے کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تائید غیر مقلد وہابی علما سے:

16- غیر مقلد مولوی محمد جونا گڑھی صاحب نے لکھا ہے کہ اذان ثانی

''بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی نہ کہ مسجد میں''

(فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۵ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

17۔ مولوی محمد جونا گڑھی کے موقف کے متعلق ''فتاویٰ ثنائیہ'' میں بھی لکھا ہے:

''مولانا محمد صاحب دہلوی مرحوم اخبارِ محمدی کیم جنوری ۱۹۳۹ء پر اس اذان کو

مسجد کے اندر کہلوانا بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں۔''

(فتاوی ثنائیہ جلد اول صفحہ ۴۳۶، ادارہ ترجمان السنہ، ایبک روڈ، لاہور)

18- غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولوی یونس دہلوی صاحب نے جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

''یہ اذان مسجد سے باہر ہونی چاہیے مسجد میں یہ اذان دینی بدعت ہے حضرت عثمان نے مسجد سے باہر زوراء بازار میں دلوائی تھی۔''

(دستور المتقی فی احکام النبی صفحہ ۱۶۳، اسلامک پبلشنگ، الفضل مارکیٹ ۱۷، اردو بازار، لاہور)

19- غیر مقلدین کے مشہور مولوی عبدالستار دہلوی صاحب نے جمعہ کی اذانِ ثانی کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں لکھا ہے:

''مسجد کے اندر خطیب کی آمد کے قبل اذان کہلوانا اذانِ عثمانی نہیں بلکہ اذان مروانی و بدعی ہے اگر مسئلہ ہذا کی مفصل و مدلل بحث دیکھنی منظور ہو تو دفتر صحیفہ اہلحدیث سے رسالہ ''اقامة الحجة ان النداء الثالث يوم الجمعه في المسجد'' منگوا کر ملاحظہ کریں۔''

(فتاوی ستاریہ جلد اصفحہ ۱۹۶، ۱۹۷ ناشر مکتبہ سعودیہ، حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

20- مولوی عبدالستار دہلوی صاحب نے ایک اور فتویٰ میں لکھا ہے:

''خلفائے اربعہ کے بعد جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو مروانیوں نے جہاں دیگر سنن نبویہ کو درہم برہم کیا وہاں اذانِ عثمانیہ کو بھی خلافِ طریقہ رسول وصحابہ کے مسجد میں جاری کر دیا (كذافي عون المعبود شرح ابوداؤد) پس جو لوگ آج جمعہ کے دن مسجد میں اذانِ عثمانیہ کہتے یا کہنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ اس میں سنت رسول وسنتِ صحابہ کے مخالف اور ہشام بن عبدالملک کے مقلد ہیں ''كائناً من كان'' صد افسوس کہ رسول اللہ صلى الله عليه وسلم وخلفاءِ اربعہ کی سنت کو چھوڑ کر ہشام بن عبدالملک کی سنت کو ترجیح دیں

اوراہلحدیث کہلائیں ''ایں خیال است ومحال است و جنوں۔''

(فتاویٰ ستاریہ جلد ا صفحہ ۱۲۱، ناشر مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

21- اسی ''فتاویٰ ستاریہ'' میں ایک اور مقام پر لکھا ہے:

''جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو مروانیوں نے جہاں دیگر سنن نبویہ پر ہاتھ صاف کیا وہاں اذان ثانی کو بھی خلاف طریقہ نبوی وخلفاء اربعہ کے بعد، مسجد میں جاری کردیا۔ (کذافی عون المعبود شرح ابی داؤد وفتح الباری شرح صحیح البخاری)''

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۱۳، مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

22- مولوی عبدالستار دہلوی صاحب نے اذان ثانی مسجد میں دینے کے قائل غیر مقلدین کا رد کرتے ہوئے مزید لکھا ہے

''خلاصۃ المرام یہ کہ جو لوگ آج کل جمعہ کے دن مساجد میں اذان ثانی کہتے کہلواتے ہیں وہ اس میں سنت رسول وسنت صحابہ کے مخالف اور ہشام بن عبدالملک کے مقلد ہیں ''کائناً من کان'' تعجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے اربعہ کی سنت پر ہشام بن عبدالملک کے طریقہ کو ترجیح دیں اور پھر متبع رسول و متبع صحابہ کہلائیں ''ایں خیال است و محال است و جنوں۔'' (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۴، ۸۵ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

23- غیر مقلد مولوی ابو محمد عبید اللہ صاحب نے اذان ثانی کے متعلق لکھا ہے:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دوسری اذان خارج عن المسجد ثابت ہے۔'' (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۵ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

24- غیر مقلد مولوی عبدالرشید صاحب نے لکھا ہے کہ یہ اذان ثانی

''مسجد کے باہر ہوا کرتی تھی وہ مکان بازار میں ہے۔''

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۵ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

25- غیر مقلد مولوی احمد اللہ صاحب نے اذان ثانی کے متعلق لکھا ہے:

"دوسری اذان حضرت عثمان کے زمانہ میں باجازت امیر المومنین کہی گئی خارج میں مقام زوراء پر اگر اس طرح کہی جائے جائز ہے اور اگر مسجد کے اندر کہی جائے تو یہ بدعت ہے۔"

(فتاوی ستاریہ جلد سوم صفحہ ۱۶ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

مولوی احمد اللہ صاحب کے جواب کی تصدیق ۳ غیر مقلد علماء نے کی ہے۔ تصدیقات ملاحظہ کریں۔

26- "الجواب صحیح" ابو عرفان محمد سلیمان عفی عنہ مرشد آبادی سند یافتہ مدرسہ دار الکتاب و السنہ۔

27- "انا اقول بما قال بہ مولانا احمد اللہ" محمد بن عبد اللہ الندوی مدرس دار الحدیث الرحمانیہ۔

28- "مولانا احمد اللہ صاحب کا جواب مناسب ہے۔"

(عبد الغفور مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ)

(فتاوی ستاریہ جلد سوم صفحہ ۱۶ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

29- غیر مقلد وہابی مولوی ابو محمد عبد الجبار صاحب نے جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق لکھا ہے

"حضرت عثمان نے اس اذان کو مسجد سے باہر مقام زوراء پر دلوایا تھا اب جو لوگ اس اذان کو مسجدوں میں دلواتے ہیں یہ بدعت ہے کیونکہ مقام زوراء پر دلوایا تھا" کما لایخفی واللہ اعلم وعلمہ اتم ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلوی مدرس مدرسہ کھنڈیلہ حال وارد مدرسہ سلفیہ دربھنگہ صوبہ بہار"

30- غیر مقلد وہابی اہل حدیث کے امام ابو محمد مولوی عبد الوہاب صاحب نے غیر مقلد مولوی عبد الجبار کے فتوی کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے

الجواب صحیح (حضرت الامام مولانا مولوی الحافظ الحاج ابو محمد

عبدالوہاب عفی عنہ)

(فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۷۸ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی نمبر ۱)

31- غیر مقلد مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے بھی اذانِ ثانی کے متعلق لکھا ہے:

''حضرت عثمان نے جواذان کہلائی تھی وہ مسجد میں نہ تھی خارجِ مسجد تھی۔''

(فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۰ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

32- مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے اس جواب کی تصدیق کرتے ہوئے غیر مقلد مولوی ابوعمار صاحب نے لکھا ہے:

''الجواب صحیح'' ابوعمار عبدالقہار عفو لہٗ مدرس مدرسہ دارالسلام کراچی۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد سوم صفحہ ۸۰ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ حدیث منزل کراچی نمبر ۱)

33- غیر مقلدین کے پندرہ روزہ ''صحیفہ اہل حدیث، کراچی'' میں ''اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی'' کے عنوان سے غیر مقلد مولوی عبدالوہاب صاحب کے محاسن بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولوی عبدالوہاب غیر مقلد نے کہا:

''خطبہ سے پہلے مسجد میں اذان کہنی بدعت ہے امام جب منبر پر بیٹھے تو اس وقت صرف ایک اذان کہنی سنت ہے ہاں پہلی اذان کی ضرورت ہو تو مسجد سے باہر کہلانی چاہیے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللّٰہ عنہ کے زمانہ میں مسجد سے خارج بازار میں ہوتی تھی، اس مسئلہ پر بھی کچھ عرصہ تک ((مولوی عبدالوہاب غیر مقلد کی)) مخالفت کی گئی بالآخر اس کو بھی تسلیم کرا لیا گیا''

(پندرہ روزہ صحیفہ اہلحدیث، کراچی صفحہ ۵، جلد ۵۶، شمارہ ۲۲، بابت ۱۳۹۵ھ / جنوری ۱۹۷۶ء)

قارئین کرام! علمائے دیوبند اور علمائے غیر مقلدین کے پیش کیے گئے حوالہ جات سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ جمعہ کی اذان ثانی کے خارج از مسجد ہونے کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کا موقف برحق ہے۔ علمائے دیوبند و غیر مقلدین کا طرز عمل دیکھیں کہ سنت نبوی و سنت خلفائے راشدین کو زندہ کرنے والے عالم ربانی کو

اس مبارک فعل کی وجہ سے طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔ حالانکہ خود دیابنہ وغیر مقلدین سنت نبوی وسنت خلفائے راشدین کے عامل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن مسئلہ اذان ثانی میں سنت سے ثابت شدہ فعل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ سنت نبوی کے مقابل ہشام بن عبدالملک کے طریقہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یاللعجب۔ مسئلہ اذان ثانی کی آڑ میں سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اپنا غبار نکالنے والے دیوبندی علما بالخصوص ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی صاحب کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ اس مسئلہ میں سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمہ کا موقف غلط ثابت کرنے کے لئے انہیں ''مطالعہ بریلویت'' جلد نمبر ۷ کے کئی صفحات کو سیاہ کرنا پڑا۔ وہی موقف اکابر دیوبند اور ان کے ''ہم خرقہ وہم عقیدہ'' غیر مقلد بھائیوں سے ثابت ہو گیا اور یوں ''مطالعہ بریلویت'' جلد ۷ کے اس حصہ کا اجمالی رد بھی ہو گیا۔ الحمد للہ۔ ڈاکٹر صاحب سے گزارش ہے کہ اگر آپ کو خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کی شرم نہیں تو اپنے اکابر کی ہی شرم کر لیں۔

کتاب "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ لِقِیَامِ سُنَّۃِ نَبِیِّ اللّٰہِ" کس کی تالیف ہے؟:

یہ مجموعہ پریس میں جانے کے لیے بالکل تیار تھا کہ محترم ومکرم برادرِ دینی مجاہد اہلِ سُنّت محمد ابرار قادری حفظه الله تعالٰی نے راقم کو بتایا کہ کتاب "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ لِقِیَامِ سُنَّۃِ نَبِیِّ اللّٰہِ" آج تک غلطی سے سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے نام نامی سے شائع ہوتی رہی ہے۔ جب کہ درحقیقت شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا مفتی حامد رضا خان قادری برکاتی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی تصنیف ہے۔ محترم بھائی محمد ابرار قادری حفظه الله تعالٰی کے بیان کردہ دلائل میں اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ اور ان کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ اہم تحقیق ہمیں بیان فرمائی۔

۱۔ ہمارے موقف کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضلِ بریلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا ایک مکتوب حضرت حجۃ الاسلام علامہ مولانا مفتی حامد رضا خان قادری برکاتی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی کتاب "سلامة الله لاهل السنة من سَیل العناد و الفِتنَة" (۱۳۳۲ھ) میں شامل ہے۔ اس مکتوب میں آپ فرماتے ہیں:

"وَلَدِ اَعز مولوی حامد رضا خان سَلَّمَہ الرحمٰن نے جناب کے فتوائے اولیٰ پر چوں ۲۰ ایراد کیے ہیں کہ "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ" میں طبع ہوئے"

(سلامة الله لاهل السنة من سَیل العناد و الفِتنَة صفحہ ۳ مطبوعہ مطبع اہل سنت وجماعت واقع بریلی)

سیدی اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ" حضرت

حجۃ الاسلام کی تالیف ہے نہ کہ سیدی اعلیٰ حضرت کی۔

۲۔ ہمارے موقف کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کتاب "اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ" کے پہلے حصہ میں دو مقامات پر سیدی اعلیٰ حضرت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ "حضور اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین وملت"

"حضور پُر نور سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد اعظم دین وملت"

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اعلیٰ حضرت کی اپنی تالیف نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اعلیٰ حضرت کی اپنی کتاب ہوتی تو اس کے متن میں آپ کا نام اس طرح مذکور نہ ہوتا۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

میثم عباس قادری رضوی

لاہور، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح قصیدہ بردہ شریف

حضرت علامہ الحاج المفتی

از قلم فیضِ ملت محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ العالی

مرتبہ

مولانا الحاج مفتی محمد فیاض احمد اویسی

کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور
0313-8222336, 0321-4716086

تعلیم الاسلام

مفتی جلال الدین امجدی

کتب خانہ امام احمد رضا

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا

عِلْمُ التَّجْوِیْد

زینت القراء

قاری غلام رسول قدس سرہ العزیز

کتب خانہ امام احمد رضا

دربار مارکیٹ لاہور
0313-8222336
0321-4716086

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا

احسن التجوید

حضرت مولانا قاری محمد اظہر مرید ابرار احمد صدیقی امروہی

شیخ التجوید دار العلوم سبیل الرشاد

بنگلور انڈیا

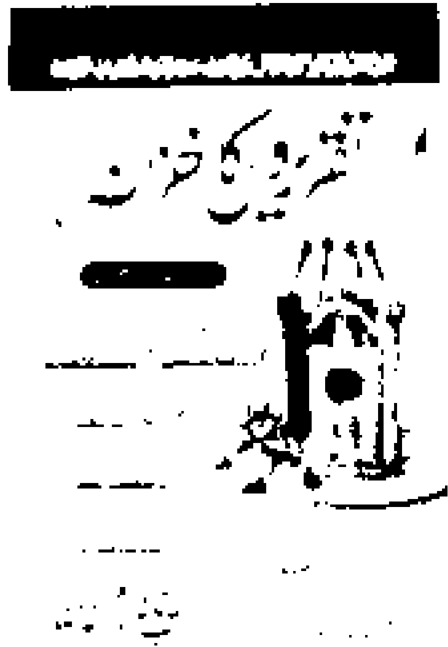
کتب خانہ امام احمد رضا

دربار مارکیٹ لاہور 0313-8222336

0321-4716086



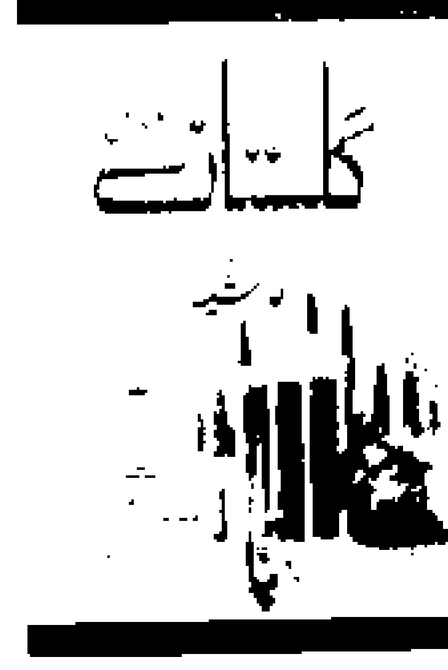
قانون شریعت

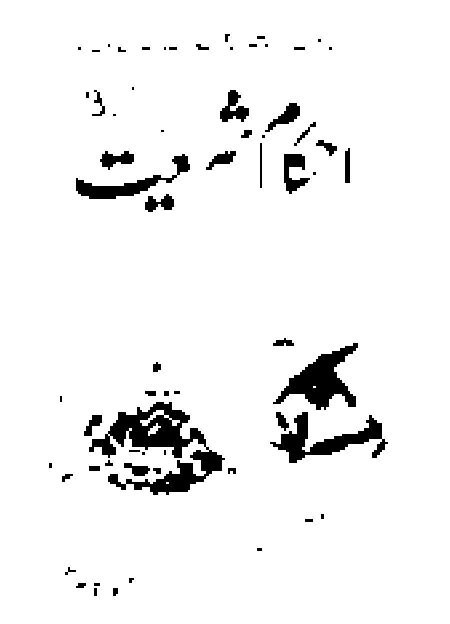



میلاد شریف






گلستان

مطلع القمرین

احکام شریعت

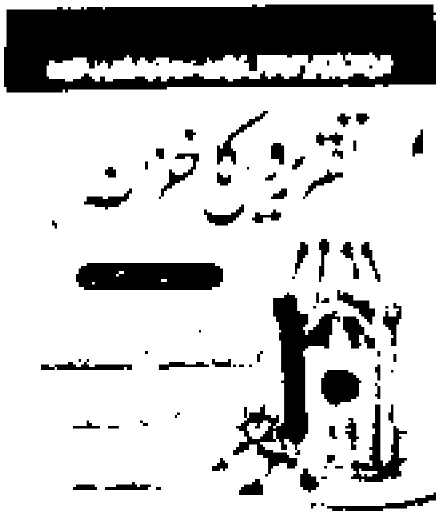
شادی

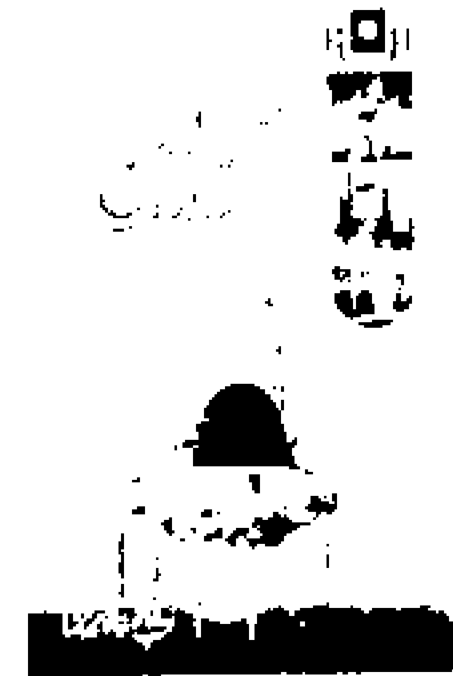






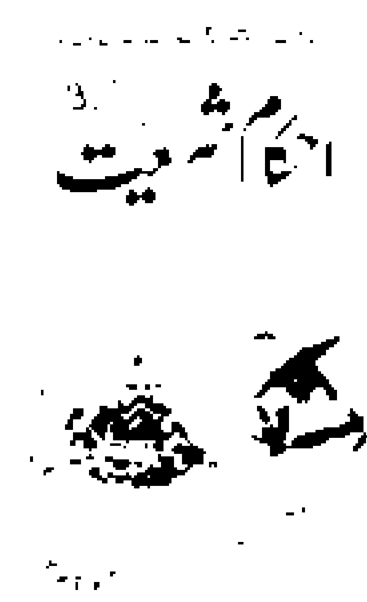


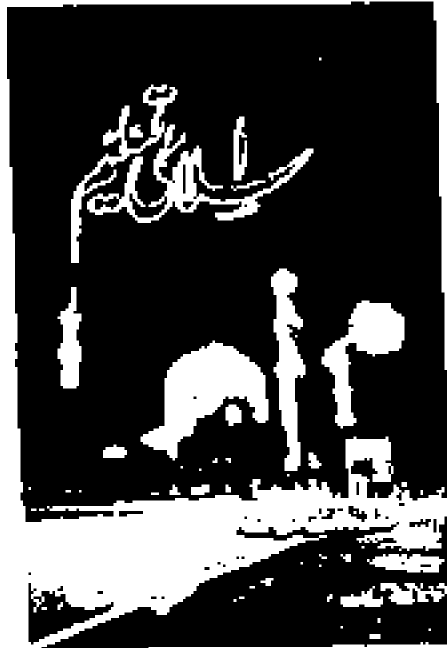















جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق اعلیٰ حضرت امام اہل سنت

مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو تحقیقی رسائل کا مجموعہ

بنام

مسجد میں اذان خلافِ سنت ہے

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر عربی اردو

منبر کے سامنے نداکے ادب میں عنبر کی مہک

اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ

جمعہ کے دن کی اذان کے بارے کامل رہنمائی

مع

التحقیق الحسان فی احکام الاذان

حضرت مولانا عرفان علی رضوی بیسلپوری رحمۃ اللہ علیہ

تائید ربانی بر مسئلہ اذان ثانی

میثم عباس قادری رضوی



مرتب

میثم عباس قادری رضوی